DATA ENTERED

اللہ کی محبت کا نصب العین

عالم اسلام کے دو بڑے فلاسفروں اور ممتاز اولیائے
کرام کے ملفوظات و مکتوبات کی تلخیص

مرتب : محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ بی- لطیف آباد ۴- حیدر آباد

Marfat.com

۳۹۷۶۰۲
م ۱۸۰۲۷
76665

کتاب کا نام : اللہ کی محبت کا نصب العین
مرتب : محمد موسیٰ بھٹو
کمپوزنگ : اشفاق احمد بھٹو
اسلامک کمپیوٹر کمپوزرس حیدر- آباد فون : ۸۶۱۸۶۴
قیمت : ۸۰روپے
اشاعت : دسمبر ۲۰۰۱ء
ناشر : سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ / بی لطیف آباد حیدر آباد

فہرست مضامین

(۱)	تقریظ	حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان	۳-۴
(۲)	تعارف	حضرت نثار احمد فتحی خان	۷-۱۰
(۳)	ابتدائیہ		
(۴)	اللہ کی محبت کا نصب العین	مرتب	۱۱-۲۰
(۵)	نصب العین کی اہمیت اور اس سے روگردانی کے نتائج واثرات علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی نظر میں		۲۱-۶۶
(۶)	راہ محبت کے نشیب و فراز	حضرت نظام الدین اولیاءؒ	۶۷-۸۸
(۷)	آئینہ وحدت سالکین	حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندیؒ	۹۹-۱۱۸
(۸)	راہ محبت ووفا کے مدارج مشکلات ودشواریوں کی نشاندہی	حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ	۱۱۹-۱۳۸
(۹)	درجہ "احسان" کے طالب کے لئے لائحہ عمل	حضرت شاہ عبدالرحیمؒ والد : حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۳۹-۱۴۷

(۱۰)	نقوش طریقت	حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلویؒ	۱۷۸-۱۴۸
(۱۱)	سلوک کے لوازمات اور اس کے مقتضیات	حضرت مولانا رشید احمدؒ گنگوہیؒ	۱۸۷-۱۷۹
	سالکین کی رہنمائی	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	۲۰۱-۱۸۰
(۱۲)	سالکان راہ طریقت کا سفر اصطلاحات تصوف کی روشنی میں	حضرت شاہ محمدؒ ذوقی	۲۲۴-۲۰۲
(۱۳)	راہ سلوک کے مدارج اور اہل سلوک کے حالات وواردات میں ان کی رہنمائی	حضرت پیر صبغۃ اللہ پیر ایرانی شاہ	۲۳۷-۲۲۵

Marfat.com

تقریظ:

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ

حضرت حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی زیر نظر کتاب بعض کبائر بزرگوں اور اہل اللہ کے ملفوظات اور مکتوبات کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔ بزرگان کرام اور اہل اللہ جو اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر چکے ہوتے ہیں۔ اس فنائیت کے نتیجہ میں انہیں اللہ کی طرف سے ایسا علم عطا فرمایا جاتا ہے، جو قرآن و سنت کی روح ہوتا ہے اور دینی مقاصد کے فہم کے سلسلے میں بھی ان کی بصارت تیز ہو جاتی ہے۔ انسانی اوصاف، اخلاق حمیدہ اور کردار کی چمک اور عملی زندگی کے بارے میں تو وہ انسانیت کا جوہر شمار ہوتے ہیں، یہ اتباع سنت کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے ان پر فیضان ہوتا ہے۔

آج جب ہم علمی، عملی، فکری اور نظریاتی طور پر اسلامی تعلیمات اور صحیح اسلامی فکر سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ ہمارا معاشرہ اپنا امتیازی تشخص ضایع کر چکا ہے، اسلام کی نئی نئی تشریحات کی وجہ سے امت مختلف فرقوں میں منقسم ہو چکی ہے اور ہر فرقہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہے۔ اس طرح کے حالات میں کبائر اہل اللہ کی تعلیمات کو جدید اسلوب میں پیش کر کے شائع کرنا، یہ اسلام اور ملت کی اہم خدمت ہے۔ زیر نظر کتاب کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں کبائر اہل اللہ کے تجربات و مشاہدات کے حوالے سے سالکین راہ طریقت کے نفس مطمئنہ، قلب سلیم اور فنا و بقا کے سفر، درمیانی عرصہ کے احوال و واردات، قبض و بسط، جذب اور تقویٰ و یقین کی بتدریج بڑھنے والی کیفیات وغیرہ کے سلسلے میں راہنمائی شامل ہے۔ اس اعتبار سے اہل اللہ کی تعلیمات پر

Marfat.com

مشتمل یہ انتخاب سالکین حق کے لئے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی اگلی کتاب "نفس مطمئنہ کی شاہراہ" میں دوسرے ممتاز اہل اللہ کی تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا جائے گا۔

مرتب نے کتاب کے ابتدائیہ میں "نصب العین کی اہمیت اور اس سے روگردانی کے نتائج واثرات" کے موضوع پر بھی تفصیلی بحث کر کے ہماری ملی اور قومی زندگی کے بڑھتے ہوئے ہمہ جہتی بحران کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلے میں دو ممتاز فلاسفروں علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے فکر و فلسفے سے طویل اقتباسات دے کر صحیح نصب العین کے تعین، اور اس نصب العین کو سارے اجتماعی علوم اور ریاست کے جملہ اداروں کے ذریعہ قوم اور ملت کی روح کا حصہ بنانے میں ناکامی کے نتائج پر قیمتی بحث کی ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے صحیح نصب العین کی محبت ہی ہمارے لئے جملہ پریشانیوں اور مسائل کا حل ہے اور جب تک ریاست اور ملت کے سارے ادارے اس نصب العین کی خدمت گذار کی حیثیت سے کام سرانجام نہیں دیں گے، ہمارے مسائل اور پریشانیوں کے حل کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتب کو صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے اور انہیں اسلام اور ملت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کو اللہ تعالیٰ نے شریعت اور طریقت کے فیوض و برکات سے سب سے زیادہ نوازا ہے۔ وہ عالم بھی ہیں اور محقق بھی۔ نیز ہماری قوم کے لئے باعث فخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات سے ہم سب کو مستفیض ہونے کا موقع نصیب فرمائے۔ آمین۔

تعارف

حضرت نثار احمد خان

(خلیفہ مجاز حضرت قاری فتح محمد نور اللہ مرقدہ)

ہمارے دوست حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے اپنی نئی کتاب "اللہ کی محبت کا نصب العین" میں بعض ممتاز بزرگان کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ الحمد للہ، اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کا دل حرارت، تپش اور محبت سے سرشار ہے، اللہ کی محبت کا نصب العین چونکہ ان کی روح و جگر، وجدان اور مزاج کا جزو بن چکا ہے، اور چونکہ اس نصب العین کی خاصیت اضطراب ہے۔ اضطراب اس بات کا کہ ایک تو اللہ کی محبت کے سلسلے میں حرارت و تپش اور جدوجہد میں کمی نہ آنے پائے اور نفس کی قوتیں اس نصب العین سے کسی بھی سطح پر شدید مزاحمت اختیار نہ کریں، دوم یہ کہ افرادِ معاشرہ میں نصب العین کی محبت پیدا کرنے اور سوئے ہوئے افراد کو بیدار کرنے اور حرارت کی یہ چنگاری دوسروں میں منتقل کرنے کا جذبہ اور اضطراب ہے۔ اس سلسلہ میں وہ تحریر اور عملی جدوجہد کے ذریعہ مصروف کار رہتے ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

"اللہ کی محبت کا نصب العین" کتاب دراصل شریعت و طریقت کے امتزاج پر مشتمل کتاب ہے، جو بزرگان کرام کے ملفوظات اور مکتوبات کے اقتباسات سے ماخوذ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتاب میں حافظ صاحب نے علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے فکر کا حاصل بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح کتاب میں علمائے ربانی اور اہل اللہ کے درد محبت، طریقت و سلوک کے اسرار و رموز کے ساتھ ساتھ "فلسفہ خودی" کا تفصیلی تعارف بھی شامل ہو گیا ہے۔ حافظ صاحب نے جہاں ہمیں ایک ہی کتاب میں یکجا بہت ساری قیمتی معلومات فراہم کی ہے، وہاں راہ محبت کے سفر کو طے کرنے کے سلسلے میں بھی حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھانے اور اکسانے کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

چونکہ کتاب میں سلوک اور طریقت کے سلسلہ کی معلومات شامل ہے یعنی اللہ کی محبت

Marfat.com

ومعرفت کے سفر کی ارتقائی منازل کی تفصیلات شامل ہیں، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طریقت کے سلسلے میں کچھ معروضات پیش کی جائیں۔

اکثر لوگوں کی طرف سے یہ سوال بڑی تکرار کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ طریقت و تصوف و سلوک آخر ہے کیا شے اور آیا اسلام نے تصوف و طریقت و حقیقت کا کوئی مرتبہ تسلیم کیا ہے اور اس کے نبی ﷺ نے بھی اس بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے؟ چنانچہ منکرین طریقت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ کتاب و سنت میں کہیں تصوف و طریقت کا ذکر نہیں ملتا، اسلئے اس طریقہ کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے بزرگان دین نے بہت کچھ لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ جس تصوف و طریقت کی ہم بات کرتے ہیں، اس کے تذکرے سے تو پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر صادقین، قانتین، خاشعین، موقنین، مخلصین، مخبتین، متوکلین، محسنین، خائفین، عابدین، ذاکرین، صابرین، راسخین، ابرار مقربین اور پارہ اٹھارہ کے ابتدا میں اور سورۃ فرقان میں اپنے بندوں کے جن اوصاف کا بیان کیا ہے، ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ ظاہر ہے کہ عوام الناس تو ان صفات سے متصف ہوتے نہیں۔ ہاں کسی میں ایک کسی میں دو صفات ضرور ہوتی ہیں، مگر تمام صفات کا جامع ہونا اور تمام رذائلِ اخلاق سے پاک ہونا اور فضائل اخلاق سے متصف ہونا اور اسکو حاصل کرنے کے لئے جدو جہد اور نفس کشی کرنے ہی کو راہ طریقت کہتے ہیں۔ تو یہ شریعت کے خلاف کہاں ہوا، بلکہ یہ تو عین شریعت، بلکہ روح شریعت ہے کہ اس کے بغیر خدا کا قرب حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب "سراج البحرین" میں کہتے ہیں "سلوک میں طریقت نام ہے عمل اور حال کے اعتبار سے پیروی کرنے۔ ظاہر و باطن میں عزیمت اختیار کرنے، صدق و اخلاص کے معنوں کی تحقیق کرنے۔ نفس کے مکر اور زہد و تقویٰ کی باریکیوں کو سمجھنے اور تہذیب و اخلاق اور باطن کی صفائی کرنے کا۔ اعمال و اخلاق، احوال و مقامات، وجدان و ذوق، نکتے اور اشارے اور تمام روحانی کمالات میں جو کچھ اہل طریقت کو میسر ہوا ہے، وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی جو حدیث کے بڑے علمائے متاخرین میں شمار کیے جاتے ہیں، اپنے عقائد کے بارے میں خود لکھتے ہیں۔ "و نعتقد ان طریق الجنید و صحبة طریق مقوم" (یعنی ہمارا عقیدہ ہے کہ جنید اور انکے اصحاب کا طریقہ سب سے زیادہ صحیح طریقہ ہے) (شیخ محدث کا بیان ختم ہوا)

اب اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اپنے عمل میں عبادت میں خشوع و خضوع اور عمل خالص

Marfat.com

اللہ کے لئے ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ قرآن وحدیث اور آخرت کی خبروں پر کامل یقین مطلوب ہے کہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے آراستہ ہونا اور برے اخلاق سے پاک ہونا۔ حسد، تکبر، ریا، بغض، کینہ، دھوکہ فریب، جھوٹ خود نمائی اور دوسرے برے اخلاق سے قلب کو صاف کرنا اچھی بات ہے یا نہیں۔ نماز میں خشوع و خضوع۔ روزہ، حج، زکواۃ، وصدقات کا خالص اللہ کے لئے ہونا۔ اللہ اور اسکے رسول کی محبت اپنی جان ومال واولاد سے زیادہ ہونا۔ دوسروں پر رحم کرنا۔ ایثار کرنا، معاملات کی صفائی، صدق وامانت، نفس پر قابو رکھنا، یہ سارے اوصاف کسی درجے میں ضروری ہیں یا نہیں۔ تو ہر سلیم فطرت انسان یہی جواب دے گا کہ یہ اوصاف نہ صرف مطلوب ہیں، بلکہ عینِ شریعت ہیں اور قرآن اور حدیث کا سارا دفتر انہیں اوصاف کے حصول کی ترغیب سے بھرے پڑے ہیں۔ اب اس سے کہا جائیگا کہ بھائی انہیں اوصاف کو حاصل کرنے کی جدوجہد اور طریقوں کو راہ طریقت کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ نے ایک مکتوب میں اپنے ایک مرید کو شریعت و طریقوت کے فرق کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔ لکھتے ہیں "شریعت میں توحید، نماز، روزہ، حج، زکواۃ، طہارت، جہاد اور دوسرے احکام و معاملات کا ذکر ہے۔ طریقت کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو۔ ان مشروعات کی تہ تک پہنچو۔ اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو، اخلاق کو نفسانی کدورتوں جیسے ریاکاری، ہوائے نفسانی، ظلم واستبداد اور کفر وشرک سے پاک کرو۔ دوسرے الفاظ میں جس امر کو ظاہری تہذیب سے تعلق ہے، وہ شریعت ہے۔ تزکیہ باطن اور تصفیہ قلب سے جسکو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔ کپڑوں کو نماز کے لئے پاک کرنا، شریعت اور دل کو کدورتِ بشری سے پاک رکھنا طریقت، ہر نماز کے لئے وضو کرنا، شریعت اور ہر وقت باوضو رہنا طریقت، نماز میں قبلہ رو کھڑا ہونا، شریعت اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہونا طریقت ہے"۔

حدیث جبریل سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اعمال یعنی اسلام اور عقائد یعنی ایمان کے علاوہ ایک اور شے ہے، جسکو احسان کہتے ہیں اسی کمال کو حاصل کرنے والا اہل طریقت، صوفی اور ولی کہلاتا ہے اور جسکے زیر سایہ یہ کمال حاصل کیا ہو، اسے شیخ طریقت کہتے ہیں۔

دراصل عوام اور ظاہر علما جو اس طریقے کے منکر ہیں، وہ بھی اپنی دانست میں صحیح کہتے ہیں اس لئے کہ ہر زمانے میں حق وباطل ملا جلا رہا ہے۔ علماء حق کے ساتھ علما سو اور طالبین خدا کے ساتھ طالبین دنیا اور سچے درویشوں اور فقیروں کے ساتھ جھوٹے بے شرع، جاہل، فقیری کا دعویٰ کرنے والے بھی ہمیشہ رہے ہیں، بلکہ جھوٹوں کی تعداد ہر زمانے میں زیادہ رہی ہے اور اکثر عوام سابقہ انہیں

Marfat.com

بے شرع فقیروں سے پڑتا ہے، وہ جب ان کے اعمال دیکھتے ہیں، انکے اقوال سنتے ہیں ان سے کوئی معاملہ کرتے ہیں تو ہر چیز شریعت کے خلاف نظر آتی ہے، جب ان سے اس کی شکایت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں، میاں شریعت اور ہے، اور طریقت اور ہے، اب عوام میں جو کچھ صاحب علم ہے، وہ تو لاحول پڑھ کر راہ طریقت ہی سے منکر ہو جاتا ہے اور جو عوام جاہل ہیں، وہ بیچارے ان جھوٹے مدعیان طریقت کے جال میں پھنس کر اپنی دنیا اور عاقبت دونوں خراب کر لیتے ہیں۔

بقول حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ "علی اصطلاحات اور مروجہ الفاظ و عنوانات نے بعض اوقات حقائق سے بڑی زیادتی کی ہے، کیونکہ ان اصطلاحات سے ایک نیا تصور پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق نئے نئے قسم کے سوالات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ اختلاف و تنازع کا ایک اور لامتناہی سلسلہ کھڑا ہو جاتا ہے اور مختلف مذاہب اور مکتبہ خیال پیدا ہو کر لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جاتے ہیں (یہی حال طریقت و تصوف کی اصطلاحات سے پیدا ہوا) زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ ہم اس علم کو جس کا کام تزکیہ نفوس اور تہذیب اخلاق ہے "تزکیہ" یا "احسان" ہی کے نام سے یاد کرتے یا کم از کم اسے فقہ باطن ہی کہتے تو شاید اختلاف کی نوبت ہی نہ آتی اور سارا جھگڑا ختم ہو جاتا۔ دونوں فریق جنکو محض اصطلاح نے ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کیا ہے، مصالحت پر آمادہ ہو جاتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز
شریعت وضو ہے طریقت نماز
عبادت کی عزت شریعت میں ہے
محبت کی لذت طریقت میں ہے
شریعت درِ محفل مصطفٰے
طریقت عروجِ دلِ مصطفٰے
شریعت میں ہے تعمیل و قالِ حبیب
طریقت میں حق جمالِ حبیب
نبوت میں ہوتے ہیں دونوں ہی رنگ
عبث ہے یہ صوفی و ملا کی جنگ

Marfat.com

ابتدائیہ :

اللہ کی محبت کا نصب العین

زیر نظر کتاب مرتب ہو چکا تھا اور "نقوش طریقت" کے نام سے وہ اشاعت کے ابتدائی مرحلہ میں تھا کہ کتاب کے نام کی تبدیلی کی خیال ذہن میں راسخ ہوا یعنی "اللہ کی محبت کا نصب العین"۔ یہ نام ایسا ہے، جو کتاب کے موضوع اور مواد سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے اور طریقت سے باہر کے افراد کے لئے بھی اس نام میں اجنبیت کی بجائے تعلق خاطر پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی فطرت میں سب سے زیادہ جو جذبہ موجود اور طاقتور ہے، وہ اللہ سے محبت کا جذبہ ہے۔ انسان کے سارے اعمال اور اس کی زندگی کی ساری جدوجہد کا محور و مرکز حسن و کمال کی ہستی سے محبت اور کمال و حسن کی صفات کو جذب کر کے اپنی زندگی کی ہر ادا سے ان صفات کے مظاہرہ کا شوق و جذبہ ہے۔

جدید دور کے ماہرینِ نفسیات نے انسانی شخصیت کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر یہ امر تو دریافت کر لیا ہے کہ انسانی شخصیت کے سارے اعمال ایک نصب العین کے تابع ہیں اور اس کی سرگرمیوں اور افعال کا کوئی حصہ نصب العین کے محور سے باہر نہیں، لیکن دور جدید کے ماہرینِ نفسیات مذہب اور خدا کے خلاف مغرب کی رد عمل کی فضا سے متاثر ہو کر نصب العین کے صحیح تعین کے سلسلے میں بری طرح ناکام ہیں۔ فرائڈ نے جذبہ جنسیات کو انسان کے اعمال کا محرک قرار دیا ہے۔ جب کہ ایڈلر نے جذبہ تفوق یعنی دوسرے انسانوں پر فوقیت، بالاتری اور غلبہ حاصل کرنے کے جذبہ کو افراد کے اعمال کا سب سے طاقتور محرک بلکہ نصب العین قرار دیا ہے۔ مارکس نے روٹی یعنی غذا کو انسان کے سارے جذبات، ساری سوچ اور ساری سرگرمیوں کا محور سمجھا ہے۔ انسانی سرگرمیوں کے نصب العین کی اس غلط نشاندہی ہی کی وجہ سے مغرب اور مغرب کے زیر اثر تقریبا ساری دنیا کے علوم اور ریاستی ادارے غلط نصب العین کو فروغ دینے کا ذریعہ بن رہے ہیں اور آج انسانی دنیا میں موجود سارا فساد اور جنسیات کی بڑھتی ہوئی دوڑ، مختلف طاقتور قوموں کی طرف سے انسانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے کاوشیں، انسانیت کے خون سے اللہ کی زمین کو رنگین کرنے

Marfat.com

کی ساری حرکتوں کا بنیادی سبب یہی ہے کہ انسان سے اس کا فطری نصب العین چھین لیا گیا ہے، اسے ایسا نصب العین دیا گیا ہے جو قدم قدم پر فطری نصب العین سے متصادم اور باطل مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔ اس لئے موجودہ دور کے سارے علوم، انسان کی ساری ذہانت، سائنس کی ساری قوت اور انسانوں کی ساری تحقیقات غلط رخ اور سمت کے لئے استعمال ہو رہی ہیں۔

انسان کا حقیقی نصب العین جو فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے اور جس کے لئے فطرت انسانی مضطرب ہے، وہ اللہ سے محبت کا نصب العین ہے۔ سارے انبیاء کی آمد کا مقصد یہی رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک ممتاز اسلامی فلسفی نے بہت عمدہ بحث کی ہے:

"اگر پوچھا جائے کہ ان لا تعداد انبیا کی تعلیم کا ماحصل یا روح یا نچوڑ کیا تھا، تو ہم ایک لفظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ "محبت"۔ اسلام محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی محبت کی تعلیم جو خالص، بے لاگ اور بے غرض ہو، جو دائمی اور لازوال ہو، جو اپنے کمال کی طرف ہمیشہ بڑھتی رہے، جس میں کمی یا مایوسی کا قطعاً کوئی امکان موجود نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ قدرت کو اس تکلیف کی ضرورت کیا تھی۔ اس نے کیوں انسان کو اپنے حال پر نہ چھوڑ دیا اور کیوں پے در پے انبیاء بھیجے، تاکہ انسان کو ایک خالص، کامل اور لازوال محبت کی تعلیم دیں۔ اس کی وجہ نہایت معقول ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت اس قسم کی محبت کی پیاسی ہے۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ اس قسم کی محبت کے لیے بے قرار ہے، تڑپ رہا ہے، وہ ہر آن اور ہر لحہ اس قسم کی محبت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس نے اپنی ساری زندگی، اسی کی تلاش کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتا ہے، بڑی ہلاکت خیز مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے، جان پر کھیل جاتا ہے، لیکن اس کی تلاش نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ وہ چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ اس کی محبت اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ ایک ایسے محبوب کی تلاش کرے، جو اس کی فطرت کے تقاضائے محبت کو تمام و کمال پورا کر سکے، جسے وہ دل و جان سے چاہے اور الفت کرے۔ پہلے انسان سے لے کر آج تک نوع بشر کی ساری تاریخ اسی محبوب کی تلاش کی ایک طویل داستان ہے، جس کے اکثر باب گو خونچکاں اور دلفگار ہیں۔ لیکن بعض بعض دل افروز اور دل نواز بھی ہیں۔ خدا کے انبیاء اس لیے آئے تاکہ انسان کو بتائیں کہ وہ جس محبوب کو چاہتا ہے، وہ کون ہے، اور اس سے محبت کرنے اور اس کی خوشی اور رضامندی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ گویا دینِ اسلام، دینِ قیم یا انبیاء کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس کی دائمی، غیر مبدل فطرت کے تقاضوں کا صحیح علم بہم پہنچایا جائے، تاکہ اس علم کی مدد سے وہ ان کو باحسن طریق پورا کر سکے، اقم وجهك للدين حنيفا، فطرة الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله ذالك الدين

القیم. ایک حدیث میں ہے:

ما من مولود الا یولد علیٰ فطرۃ الاسلام فابواہ یہود انہ اور ینصر انہ اور یمجسانہ

"ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔"

اللہ کی محبت کی اہمیت یہ ہے کہ انسانی فطرت کی ساری آرزوؤں پر یہ آرزو غالب ہے۔ اس آرزو کی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی گروہ اجتماعی اور سیاسی طور پر ریاست کی شکل میں جب منظم ہوتے ہیں تو ریاست کسی نصب العین کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اگر یہ نصب العین مذہب کی رہنمائی کے تحت خدا کی محبت کا نصب العین ہوتا ہے تو اس سے افراد کے حسن و کمال کی فطری آرزوؤں کو اپنی تشفی کے لئے صحیح راہ ملتی ہے۔ لیکن اگر یہ نصب العین، وطنیت، لسانیت اور نسلی قومیت یا معاشی مساوات یا سیاسی مساوات یعنی جمہوریت جیسے نظریات ہوتے ہیں تو ان نظریات کو ریاست کے نصب العین کی حیثیت اس لئے دی جاتی ہے کہ ان نظریات و تصورات میں حسن و کمال کے کچھ اوصاف منسوب کر کے انہیں خدا کے قائم مقام کی حیثیت دی جاتی ہے اور ان سے اسی طرح محبت کی جاتی ہے۔ جس طرح خدا سے محبت کی جاتی ہے۔ یحبونھم کحب اللہ. (وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں، جس طرح اللہ سے محبت کی جاتی ہے)۔ پھر اسکول، کالج، یونیورسٹیاں اور ابلاغ کے ذرائع اور ریاست کے سارے اداروں کی بنیاد میں ان نظریات کی روح شامل کی جاتی ہے۔ تاکہ ریاست کے افراد میں اپنے نصب العین سے وفاداری اور اس سے محبت کی روح اجاگر ہو اور نصب العین سے ان کی یہ وفاداری کسی بھی طور پر مجروح ہونے نہ پائے، اس لئے کہ ریاست کی تنظیم، اتحاد اور مضبوطی کا سارا انحصار نصب العین سے تعلقِ خاطر اور محبت پر منحصر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ باطل تصور میں حسن و کمال کے اوصاف حقیقی طور پر موجود نہیں ہوتے۔ تجربات کے بعد جب یہ بات آشکار ہونے لگتی ہے کہ باطل نظریات خودی کے حسن کی تمنا اور اوصاف حسن کے مظاہرہ کے سلسلے میں ان کی تشفی میں ناکام ہوئے ہیں تو خودی کا اضطراب بڑھنے لگتا ہے، اس کی تسلی کے لئے افراد معاشرہ کی طرف سے عیش و عشرت اور جنسی لذت کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ اس طرح قوم خدا کی محبت کے حقیقی نصب العین سے محرومی کے نتیجہ میں باطل نظریات کا شکار ہو جاتی ہے اور باطل نظریات کچھ عرصے تک تو ان کی تشفی کرتے ہیں۔ (یہ تشفی دراصل باطل نظریات سے ان کے حسن ظن اور محبت کا نتیجہ ہوتی ہے، اس میں ان نظریات

Marfat.com

کے حسن و کمال کی صفات کو دخل نہیں ہوتا، اس لئے کہ باطل نظریات میں یہ صفات حقیقتاً موجود نہیں ہوتی)۔ لیکن تجربے کی کسوٹی پر جب اوصاف حسن کے مظاہرہ اور سیرت و کردار میں حسنِ حقیقی کے عکس ظاہر نہیں ہوتے تو قوم کا اتحاد، یک جہتی، اور تنظیم متاثر ہوتی ہے۔ چنانچہ قوم خودی کی تسکین کے لئے عیش و عشرت کی راہ اختیار کرنے لگتی ہے۔ یہ قوم کے زوال کی آخری علامت ہوتی ہے۔

جس طرح سائنسدان سائنسی لیبارٹی میں حقیقت کائنات کے مشاہدہ میں مصروف ہو کر سائنسی حقائق کے انکشاف کی صلاحیت حاصل کرتا ہے، اسی طرح سے اللہ کی محبت کا رازدان شخص مخلصانہ عبادت اور ذکر و فکر کے ذریعہ انسانی شخصیت، فطرتِ انسانی، وجدان اور خودی کی خاصیتوں کے بارے میں ذاتی مشاہدہ کے ذریعہ بہت سے حقائق حاصل کرتا ہے۔ خودی کی خاصیتوں کے بارے میں سب سے بنیادی حقیقت جو اللہ کی محبت کے رازدان شخص کو حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی شخصیت جب حسن و کمال کی ہستی سے گہرا تعلق قائم کر لیتی ہے تو اس میں نئی زندگی اور تخلیقی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے سارے جسمانی اعضا حیرت انگیز توانائی محسوس کرنے لگتے ہیں اور زندگی کو درپیش ساری مشکلات سے مقابلہ کے لئے خودی اپنے اندر ایک عجیب و غریب قوت پانے لگتی ہے۔ لیکن جوں ہی حسن و کمال کی حقیقی ذات سے تعلق منقطع ہونا شروع ہو جاتا ہے، خودی کی ساری توانائی ختم ہونے لگتی ہے، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں خودی مردہ ہو جاتی ہے اور اس کی اذیت، دکھ اور محبوب حقیقی سے فراق کے احساسات ناقابل برداشت حد تک بڑھ جاتے ہیں۔

خودی کی ایک خاصیت تو یہی ہے کہ وہ حسن و کمال کی ہستی کے تصور کی چاہت سے سرشار ہے۔ حسن کی تمنا، طلب، تڑپ اور اس کی بھوک نہ ختم ہونے والی ہے۔ اس کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ اوصاف حسن و کمال کو جذب کر کے ان اوصاف کے مظاہرہ کے لئے مضطرب ہے۔ خودی کی یہ ایسی خاصیت ہے، جس سے وہ بے پناہ لذت و مسرت محسوس کرتی ہے۔ اوصاف حسن میں، خیر، نیکی، صداقت سے محبت، قربانی، سخاوت، ایثار، فیاضی، تحمل، بردباری، معافی، نظر اندازی، دوسروں کے ساتھ محبت، ہمدردی، خیر خواہی، ضرورت کے وقت دوسروں کے کام آنا، عدل اور مساوات جیسے افعال جمیل کے ذریعہ خودی ایسی مسرت محسوس کرتی ہے، گویا اسے نئی زندگی حاصل ہو گئی ہے۔ جب کہ حسن و کمال کے ان اوصاف کے برعکس "اوصاف" سے خودی ایسی بے پناہ اذیت محسوس کرتی ہے کہ اس کا سکون و اطمینان غارت ہو جاتا ہے اور وہ موت کی سی وحشت سے دوچار ہونے لگتی ہے۔

Marfat.com

اسلام کی روح دراصل خودی کے تصور حسن کی تشفی اور اوصاف حسن کے مظاہرہ کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ جب خدا کی مخلصانہ عبادت، ذکر و فکر اور فعل جمیل کے ذریعہ خودی کے ان مقتضیات کی تکمیل کا انتظام ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ کے طور پر ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جو حرص و ہوس، حب جاہ و حب مال، دولت اور اختیارات کے ناجائز استعمال، ظلم، ناانصافی، بددیانتی، لوٹ مار اور غیر مساویانہ رویے وغیرہ سے بڑی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے، اس طرح کا معاشرہ خوف و حزن بے یقینی اور ہر قسم کے خطرات سے بلند تر ہو جاتا ہے اور وہ حوصلے و اعتماد اور طاقت و توانائی کا حامل ہوتا ہے اور دوسرے معاشروں کے لئے بھی باعث کشش اور ماڈل بن جاتا ہے۔

اس طرح کے معاشرہ کی ایک بڑی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں اسلام کی اس طرح کی نئی نئی تشریحات کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں ہوتی، جو خودی کے تصور کی آرزو اور اللہ کی محبت کے نصب العین سے ہٹ کر ہو۔ اللہ کی محبت کا رازدان معاشرہ حسن و کمال کی ہستی ذات کی عبادت، اس کے پیامبر کی مخلصانہ اطاعت اور ذکر و فکر، فعلِ جمیل اور اوصاف حمیدہ کے علاوہ دوسرے تصورات کو ہضم کرنے کے لئے کسی طور تیار نہیں ہو سکتا۔

(۱) چونکہ اللہ کی محبت کا نصب العین فطرت انسانی کی ساری آرزوں اور ضروریات کی تشفی و تکمیل کا ضامن ہے اور اسلام فطرت انسانی کے اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے، اس لئے علمائے ربانی اور اولیائے کرام نے نور نبوت سے اخذِ فیض کے ذریعہ ہمیشہ اللہ کی محبت کے نصب العین ہی کو اپنی ساری زندگی کی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنایا ہے۔

اللہ کی محبت کے نصب العین کی اتنی اہمیت کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اسے اپنی قومی اور ملی زندگی اور جملہ ریاستی اداروں میں کیا اہمیت دی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے کردار کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ ریاست کے جملہ اداروں بلکہ نظام تعلیم (جو قوموں اور ریاستوں کے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے) کو بے خدا فلسفہ تعلیم پر استوار کیا ہے۔ یعنی اللہ کی محبت کی نصب العینی تعلیم تو دور کی بات ہے، ہم نے مغربی نظام تعلیم سے مرعوب ہو کر تعلیم کی بنیاد اس بے ہودہ نظریے پر رکھی ہے کہ طلبہ کے ذہن کو آزاد چھوڑا جائے، انہیں کسی اعتقاد کا پابند نہ بنایا جائے، ان کے ذہنوں میں کسی مذہب یا خدا کے تصور کو نہ ٹھونسا جائے، اس لئے کہ اس سے تعلیم کی آزادی کا تصور مجروح ہو جائے گا۔ تعلیم نام ہے طلبہ کو معلومات فراہم کرنے کا، نہ کہ کسی خاص اعتقاد، مذہب اور پاکیزہ نصب العین کے تصور کو مستحکم کرنے کا۔ تعلیم کو پاکیزہ نصب العین سے علیحدہ کرنے کے مغربی تصور کو ہم نے اپنے نظام تعلیم کی بنیاد بنایا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ہاں ایسی نسلیں تیار ہو کر سیاست، تجارت، عدلیہ، انتظامیہ، قانون، فوج اور ریاست کے جملہ اداروں پر

Marfat.com

فائز ہوتی رہی ہیں، جو اللہ کی محبت کے نصب العین کے سلسلے میں سخت ذہنی انتشار کا شکار ہیں اور خود شناسی، خدا شناسی اور "فلسفہ خودی" کی ابجد سے بھی آشنا نہیں اور جو نفسی جذبات سے بے قابو ہو کر قوم کے مفادات کو مجروح کرنے اور ملت کو پامال کرنے اور جملہ مسلمہ اخلاقی قدروں سے بے پرواہ ہو کر سیکولر (یعنی دین بیزاری کی) راہ پر گامزن ہیں۔

حکمرانوں، سیاستدانوں، تاجروں اور افسروں کو چھوڑ کر اگر دینی قیادت، دینی درسگاہوں اور مذہبی جماعتوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اس طبقہ نے بھی اللہ کی محبت کے نصب العین کو بنیادی اہمیت نہیں دی اور اپنے اداروں اور جماعتوں کے نظام میں خود شناسی، خدا شناسی، معرفت نفس اور معرفت رب کے لئے نہ تو ٹھوس پروگرام تشکیل دیا اور نہ ہی طلبہ اور اپنے کارکنوں میں اس نصب العینی کام کا ادراک اور شعور پیدا کیا۔ چنانچہ ہمارے معاشرے میں وہ ساری خرابیاں طاقتور صورت میں موجود ہیں، جو پاکیزہ نصب العین سے محرومی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔

یہاں دو سوالات جواب طلب ہیں، ایک یہ کہ جب فطرت انسانی اور انسانی شخصیت میں خدا طلبی کا جذبہ اتنا شدید ہے تو آخر عملی زندگی میں اس کا اظہار کیوں نہیں ہو پاتا یا بہت کم ہو پاتا ہے اور انسانوں کی عظیم اکثریت غلط مقاصد یا جبلتی خواہشات کے تابع زندگی کیوں گذارتی ہے اور یہ جذبہ جبلتی خواہشات پر غالب کیوں نہیں ہو پاتا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ موجودہ دور میں مغربی قومیں غلط نصب العین کے باوجود بظاہر مادی طور پر کامیاب ہیں، جب کہ مسلمان پاکیزہ نصب العینی تعلیم کے باوجود حقیقی قوت اور کامیابی سے محروم ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسانی شخصیت کی یہ خاصیت ہے کہ وہ یک رنگی ہے۔ یعنی وہ بیک وقت ایک ہی رنگ اختیار کر سکتا ہے۔ وہ ایک ساتھ دو رنگی نہیں ہو سکتا۔ انسانی فطرت میں رکھی گئی نصب العینی قوت جب غلط نصب العین سے محبت کی صورت اختیار کرتی ہے تو شروع میں پاکیزہ اور باطل نصب العین کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے، لیکن جب افراد اللہ سے محبت کے پاکیزہ نصب العین سے مسلسل اغماض برتنے لگتے ہیں تو باطل نصب العین یا جبلتی خواہشات پاکیزہ محبت کے اندرونی ذخیرہ پر اتنی غالب ہو جاتی ہے کہ یہ ذخیرہ محبت دب جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا افراد کے اندر سرے سے پاکیزہ محبت کا جذبہ موجود ہی نہیں۔ جب معاشرہ، تعلیم اور ریاست کے سارے ادارے باطل نصب العین کی محبت کو غالب کرنے اور پاکیزہ نصب العین کے تصور کو مٹانے اور اس جذبے کو فنا کرنے کے عمل میں شب و روز مصروف ہوں تو ظاہر ہے پاکیزہ محبت کا نصب العینی جذبہ نحیف سے نحیف تر ہوتا جائے گا۔

عادت عضوہ ہے، کی مثال مشہور ہے۔ جب کوئی چیز مسلسل تکرار سے عادت بن جاتی ہے تو وہ فطری جذبات کو بھی مضمحل کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

Marfat.com

جہاں تک مغربی قوموں کی مادی ترقی اور کامیابی اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا تعلق ہے تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مغربی قوموں نے جمہوری مساوات یا وطنی قومیت یعنی قومی مفاد کے کام کو نصب العین کی حیثیت سے اختیار کیا ہے اور جبلتی خواہشوں کی تکمیل ان کا ہدف ہے۔ جمہوری مساوات اور وطنی مفاد کے نصب العینی کام اور جبلتی خواہشات کے ہدف کو انہوں نے اپنی تعلیم تربیت، ابلاغ کے ذرائع اور ریاست کے سارے اداروں کی بنیاد میں شامل کیا ہے۔ اپنے غلط نصب العین سے انہیں اتنی محبت ہے کہ وہ اس سے انحراف یا صرف نظری کے لئے کسی طور پر تیار نہیں، ان قوموں نے اپنے افراد کی ساری تعلیم تربیت اس نصب العین اور اس بنیادی ہدف کے تحت کرنے کا انتظام کیا ہے، چنانچہ ان کی ساری قوتیں غلط نصب العین اور مادی ترقی کے ہدف کے لئے استعمال ہو رہی ہیں۔ انسانی زندگی کی یہ خاصیت ہے کہ جب ساری قوتیں ایک خاص ہدف میں صرف ہوتی ہیں تو اس کے غیر معمولی نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

لیکن چونکہ انسانی خودی کے حسن و کمال کی ہستی سے محبت کے مقتضیات شدید تر ہیں، انہیں نہ تو موخر کیا جا سکتا ہے نہ ملتوی، جب غلط نصب العین سے محبت اور جبلتی خواہشات کی تکمیل میں ساری قوتیں صرف ہوتی ہے اور خودی کی تسکین و تشفی کا انتظام نہیں ہوتا تو انسانی معاشرہ ذہنی، نفسیاتی، اعصابی اور وجدانی طور پر امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس سے غلط نصب العین کے حامل معاشرے آہستہ آہستہ نفسیاتی مریضوں کے معاشرے میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ان کی مادی ترقی اور غلط نصب العین سے محبت انہیں ان امراض اور بالآخر زوال سے نہیں بچا سکتی۔ نصب العین کی حامل ریاستوں کی مادی ترقی دراصل وقتی، عارضی اور کچھ عرصے کے لئے ہوتی ہے، یہ دیرپا نہیں ہوتی۔

جہاں تک مسلمانوں کی زبوں حالی کا تعلق ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ پاکیزہ نصب العین سے محبت کی تعلیم پر مشتمل پروگرام تو ان کے پاس موجود ہے، لیکن ان کی ریاستوں کا سارا نظام اس نصب العین کی تعلیم اور اس کی روح سے خالی ہے۔ چونکہ نظریاتی طور پر وہ حسن و کمال کے تصورات سے آگاہ و باخبر ہیں، اس لئے ان کے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ باطل تصورات کو یک رنگی کے ساتھ اپنے اجتماعی ریاستی نظام کا حصہ بنا سکیں۔ جب پاکیزہ نصب العین اور غلط نصب العین میں سے کوئی نصب العین بھی ریاست اور ریاست کے جملہ اداروں کا حصہ نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کسی بھی نصب العین سے بے بہرہ اور منتشر ذہن کے افراد ہی تیار ہوں گے اور ریاست کے استحکام اور ترقی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی۔ پاکیزہ نصب العین کا نام لے کر اس نصب العین کو اپنی اجتماعی سیاسی، تعلیمی، انتظامی، عدالتی، تجارتی اور سماجی زندگی سے خارج کر دینے کے بعد ملتوں کا یہی حشر ہوتا ہے، جو اس وقت مسلم ملت کا ہے۔ اس حشر سے بچنے کی صورت اس کے علاوہ کوئی نہیں کہ مسلمان حوصلہ و

Marfat.com

ہمت سے کام لے کر اللہ کی محبت کے نصب العین کو ریاست کے جملہ اداروں کی بنیاد میں شامل کر کے اپنی قوم کے جملہ افراد کی تربیت اس نصب العین کے مطابق کریں۔ اس سے ملت اسلامیہ ناقابل تسخیر قوت بن جائے گی اور قدرت کی طرف سے دنیا کی ساری قوموں کی رہنمائی کا کام اس کے سپرد کیا جائے گا۔

"نصب العین کی اہمیت اور اس سے روگردانی کے اثرات و نتائج" کے عنوان سے مضمون میں علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے فکر کے حوالے سے اس موضوع کے جملہ پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

یہاں یہ عاجز اپنے اس احساس و تاثر کے اظہار کے بغیر رہ نہیں سکتا کہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ خدمت دین کی جو تھوڑی بہت سعادت اس عاجز کو حاصل ہے، وہ مرشدی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ کی خصوصی دعاؤں اور ان کے فیض نظر کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں اس عاجز کو ان کی جو شفقتیں، محبتیں اور عملی تعاون حاصل ہے، اس کے لئے یہ عاجز ان کے احسانات کی شکر ادائیگی سے قاصر ہے۔ مولانا رومی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، علامہ اقبال اور اکبر جیسے عارفوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب جیسے اہل اللہ کے لئے ہی کہا ہے۔

گر تو سنگِ خارہ و مرمری بوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

(یعنی اگر تمہارے اندر کانٹوں جیسی سختی ہے تو صاحب دل کے پاس پہنچو گے تو وہ تمہیں موتی کی طرح نفیس بنا دے گا)

نفس نہ تواں کشت الاظل پیر
دامن آں نفس کش راسخت گیر
(رومی)

(نفس اہل اللہ کی صحبت کے بغیر مضمحل نہیں ہوتا۔ نفس کو مارنے والوں کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھو)۔

می نروید تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندانِ دل
(اقبال)

(یعنی جب تک کوئی شخص خداوندانِ دل کی صحبت اختیار نہیں کرے گا، اس وقت تک دل حقیقی معنیٰ میں دل نہیں بن سکتا)۔

Marfat.com

دین مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب، دین از نظر
(اقبال)

(اے بے خبر دین کتابوں میں تلاش نہ کر، کتابوں سے علم و حکمت کی باتیں حاصل ہوتی ہیں، جب کہ دین اہل نظر کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے)۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
(اقبال)

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
(اکبر)

کام نہ نکلے گا اے دوست کتب خانوں سے
رہیے چند روز کسی محرم اسرار کے ساتھ
(اکبر)

سڀئي سياهي آري ڄام ري
ڪڏهن ٿسي ڪانه ڪا، ره لالن لالاڻي
(بھٹائی)

(یعنی محبوب کے بغیر اندھیری ہی اندھیری ہے۔ مرشد کے بغیر محبوب تک رسائی نہیں ہو سکتی)۔

جوڳيڙا جهان ۾، نوري ۽ ناري
ٻري جن ٻاري، آئون نه جيئنديس ان ري،

(درویش دنیا میں نوری اور ناری ہیں یعنی نور اور سوز تپش سے سرشار ہیں، جنہوں نے جل کر جلائی میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔)

یہ عاجز اپنے بزرگ دوست محترم جناب نثار احمد خان فتحی صاحب کا از حد ممنون ہے کہ موصوف نے "تعلیمات حکیم الامت" کتاب کی طرح اس کتاب کے تعارف کے لئے بھی زحمت فرمائی۔ نثار احمد خان فتحی صاحب نہ صرف اہل اللہ ہیں، بلکہ وہ شاعر اور مصنف بھی ہیں۔ پاکستان کے بڑھتے ہوئے زوال اور اس کی روک تھام اور تصوف وغیر موضوعات پر موصوف نے فکر انگیز اور

حکمت وبصیرت سے بھرپور کتابیں لکھی ہیں، پاکستان میں فکری اور نظریاتی مسائل پر ان جیسے لکھنے والے بمشکل چند افراد ہوں گے۔ اس عاجز کے ساتھ ان کی محبت للہ فی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت کے ساتھ رکھے۔

آخر میں یہ عاجز عزیزم حافظ محمد عارف صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنھوں نے پروف دیکھنے میں تعاون فرمایا۔ حافظ محمد عارف ایاز صاحب حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان مدظلہ کے نواسے ہیں، حضرت صاحب کے خاندان کے نوجوانوں میں ویسے تو ماشاء اللہ سب نیک و صالح اور علم وادب سے رغبت رکھتے ہیں۔ لیکن حافظ عارف صاحب کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ وہ دین کے غلبہ کا بھی گہرا فکر رکھتے ہیں اور دین کی اجتماعی تحریکوں سے بھی تعلق خاطر رکھتے ہیں۔ وہ مطالعہ کے لئے کافی وقت نکالتے ہیں۔ غیر معمولی ذہین ہیں، علم وادب کے حوالے سے مستقبل میں ان سے کافی توقعات وابستہ ہیں۔

محمد موسیٰ بھٹو

۱۵ دسمبر ۲۰۰۱ء

Marfat.com

نصب العین کی اہمیت

اور اس سے روگردانی کے نتائج واثرات

زیر نظر کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، راہ طریقت کے حالات، واردات، اللہ کی محبت و معرفت، نفس شناسی، خدا شناسی، نفس مطمئنہ، قلب سلیم، شرح صدر، تقویٰ و "احسان" کے مدارج، منازل اور اس سلسلے میں سالکین حق کو پیش آنے والی مشکلات ورکاوٹوں کی نشاندہی اور راہ طریقت کو ہمت و حوصلے کے ساتھ طے کرنے، دنیا اور اس کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے مقابلے اور ایمان و یقین کی راہ پر استقامت سے گامزن ہونے والے بزرگوں کے ارشادات و ملفوظات پر مشتمل کتاب ہے۔

راستے کی تھکا دینے والی دشواریاں

معرفت نفس اور معرفت حق کی راہ پر گامزن فرد جب نفس، شیطان اور ماحول کا مقابلہ کرتے ہوئے ایمان و یقین اور محبت کی گھاٹیوں کو طے کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ برسوں کی محنت و مشقت سے اس نے جو سفر طے کیا ہے، منزل کا سراغ ہی نہیں ملتا، اس نے جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا، اب تک وہیں کھڑا ہے، راستے کی یہ دشواریاں سالکین حق کی کمر توڑ دیتی ہیں اور سفر کی طوالت کو دیکھتے ہوئے سالکین تھک جاتے ہیں، اور وہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ معرفت و محبت کی راہ طے کرنا شاید ان کی بساط سے باہر ہے اور نفس کو مطیع کر کے اللہ کی غلامی میں دیدینا، شاید ان کے دائرہ استعداد سے باہر ہے۔ اس طرح کے حالات میں اہل اللہ کے زیر نظر ملفوظات، مکتوبات اور ارشادات سے سالکین راہ حق کی مؤثر رہنمائی ہوتی ہے اور وہ دشواریوں اور مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے خوشی سے ان گھاٹیوں کو عبور کرنے لگتے ہیں۔ زیر نظر انتخاب میں بالخصوص راہ سلوک کے بیشتر حالات و مسائل، باطنی واردات، کیفیات اور نفس کے پیدا کردہ مکروفریب اور دشواریوں سے متعلق جملہ معاملات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذہب اور نظریات فطرت انسانی کے جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہیں

وہ افراد جو عملاً طریقت سلوک اور نفس شناسی کی راہ پر گامزن نہیں ہیں، کتاب میں ان کے

Marfat.com

لئے بھی دلچسپی کا بہت سا سامان موجود ہے، اس لئے کہ انسان کی فطرت لازوال حسن کے مشاہدہ کے لئے مضطرب ہے، افراد کی ساری جدو جہد حسن و کمال کی تلاش اور اس کی تشفی و تسلی کے لئے ہی ہوتی ہے، مذہب اور نظریات جس کے بغیر کوئی انسان رہ نہیں سکتا، وہ فطرت انسانی کے انہی جذبات کے اظہار و تشفی کا ہی ذریعہ ہیں۔

علمائے ربانی کا ماحاصل اسلام اور اس سے عدم اعتمادی کے نتائج

اولیائے کرام اور علمائے ربانی نے قرآن و سنت کے گہرے مطالعے اور اللہ کی مخلصانہ عبادت واطاعت کے ذریعہ اسلام کے پیغام کا جو ماحاصل سمجھا تھا، جسے انہوں نے اپنی اسلامی تعلیمات کی بنیاد بنایا تھا، وہ معرفتِ نفس، معرفت خداوندی اور درد محبت کا پیغام تھا، اس فکر کی خاصیت یہ تھی کہ افرادِ معاشرہ خود شناسی اور خدا شناسی کی راہ پر گامزن ہو جاتے تھے، جس کی وجہ سے فرائض و واجبات کی ادائیگی اور حرام اور منکر سے بچنے کی قوت واستعداد پیدا ہو جاتی تھی، اور ساری زندگی اللہ کی محبت کے نصب العین کے محور پر بسر ہوتی تھی، نیز افراد میں تخلقو باخلاق اللہ کی صلاحیت ابھر آتی تھی اور معاشرہ افراد کی نفسی خرابیوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اخلاقی بگاڑ، مفاسد، انتشار اور باہمی افتراق سے بڑی حد تک محفوظ رہتا تھا۔ لیکن جب سے معاشرہ میں علمائے ربانی اور اولیائے کرام کی نصب العینی اسلامی فکر کے بارے میں عدم اعتماد کی فضا پیدا ہوئی ہے اور لغت، گرائمر اور اپنی علمی صلاحیت کو اسلام کی نئی نئی تشریحات کے لئے استعمال کیا جانے لگا ہے، اس وقت سے ذہنی طور پر معاشرہ کا باصلاحیت طبقہ معرفت نفس، معرفت خداوندی، تزکیے اور درد محبت کی راہ کو صرف نظر کر کے سیاست، معاشیات، سماجی تبدیلیوں، نظریات اور فلسفوں کے مطالعے و تجزیے اور نظام کی تبدیلی کے کام کو اسلام کے اہم فیصلہ کن تعلیم کی حیثیت سے اختیار کرنے لگا ہے اور ظاہری بھول بھلیوں میں پھنس کر اپنی ذات کی تعمیر، فریب نفس سے بچاؤ، اپنی خودی کی بلندی اور مادیت کے مقابلہ کے لئے باطن میں دفاعی قوت کی تیاری و فراہمی، اللہ کی مخلصانہ عبادت، کردار سازی و سیرت سازی جیسے بنیادی کاموں کو نسبتاً کم اہمیت کا حامل سمجھ کر اپنے زعم میں اس سے زیادہ اہمیت کے حامل اسلامی کاموں میں "مصروف" ہو گیا ہے۔ حالانکہ علمائے ربانی کے معرفت نفس اور درد محبت کے نصب العینی اسلامی فکر میں اسلام کے وہ سارے اجزاء اپنی اصل حالت میں پورے توازن کے ساتھ موجود ہیں، جو قرآن و سنت میں مندرج ہیں، بلکہ اس کا حصہ ہیں، یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام، جذبہ جہاد، باطل نظریات کے مقابلہ کے لئے اسلامی فکر و فلسفے کو بہتر علمی اسلوب میں پیش کرنے کی کاوش، کفر کی مقامی و خارجی قوتوں سے مقابلہ کے لئے تیاری کا کام، میدان سیاست میں مادہ پرست سیاسی لیڈر شپ کا مقابلہ وغیرہ، یہ سارے کام ایسے ہیں، جو اولیائے

76665

Marfat.com

کرام اور علمائے ربانی کے اسلام کے نصب العینی فکر میں بنیادی اجزاء کی حیثیت سے موجود ہیں، لیکن موجودہ دور میں باصلاحیت، تجربے کار اور مطلوبہ شعبوں سے وابستہ افراد کے فقدان کی وجہ سے علمائے ربانی کی طرف سے ان شعبوں میں پیش قدمی کا کام عملاد شوار ہے۔

الغرض یہ کہ اسلامی فکر کا محور و مرکز معرفت نفس، معرفت رب اور درد محبت ہے، اس سے افراد کی وہ ساری خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں، جس سے وہ احیائے اسلام اور غلبہ اسلام کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں اور بے نفسی اور بے جگری کے ساتھ تحفظ اسلام کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

اسلام کے اس نصب العینی فکر کے بارے میں علمائے ربانی اور اولیائے کرام کا اجماع ہے یعنی اس پر وہ متفق ہیں اور امت میں تسلسل سے اسلامی فکر کی جو نصب العینی تشریح ہوتی رہی ہے، وہ یہی ہے۔ جب اسلام کا بنیادی اور مرکزی فکر متزلزل ہو جائے، یعنی معرفت نفس، معرفت رب، تزکیے اور درد محبت کی جگہ سیاست، معیشت، نظام کی تبدیلی یا خارجی جدوجہد مقصود بن جائے اور نصب العینی کام ذیلی یا ضمنی حیثیت کا حامل ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ جدوجہد کا رخ بدل جاتا ہے، بلکہ نفسی خرابیوں حرص، حسد، حب جاہ حب مال، کبر، بڑائی، عہدوں کی دوڑ وغیرہ کے سلسلے میں افراد کا ادراک بھی یا تو معطل ہو جاتا ہے یا سلب ہو جاتا ہے۔ پھر اسلامی جدوجہد کے نام پر وہ کام ہونے لگتے ہیں، جنہیں نفس پرستی سے عبارت کیا جاتا ہے اور اس سے بچاؤ کی صورت مشکل پیدا ہوتی ہے۔

طریقت کے بارے میں اشکال اور اس کا جواب

طریقت، نفس مطمئنہ اور نسبت مع اللہ کے حصول کے طریق کار کے بارے میں جدید دور کے ذہین افراد میں بعض اشکالات پیدا ہوتے ہیں، جن میں سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ میں طریقت کا کوئی ثبوت موجود نہیں، نیز نسبت مع اللہ پیدا ہونے کا یہ طریقہ شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں۔ اس سلسلے میں اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نسبت مع اللہ ایسی چیز ہے، جس کا قرآن کی صدہا آیات واحادیث سے مامور من اللہ ہونا ثابت ہے اور اس نسبت کی تحصیل کو طرح طرح سے رسول اللہ ﷺ اور بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بغیر دین و شریعت کا کوئی کام اخلاص مع اللہ کے ساتھ سرانجام دینا ہی دشوار ہے۔ جو چیز دین میں اس درجہ مقصود ہو، اس کی تفصیل کے لئے جو طریقہ بھی تجویز کیا جائے گا وہ ہر دور کے لئے بعض اوقات ضروری ہوگا بعض اوقات مسنون ہوگا۔ چنانچہ ایک دور میں نماز، روزہ مطالعہ قرآن اور اذکار وغیرہ

سبب اللہ کے حصول کے لئے کافی تھے، اس زمانے میں اگرچہ طریقت کے اشغال جائز تھے، مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ اس کی حیثیت جسمانی علاج کی سی ہے۔ موسم سرما میں طبیب جو دوا تجویز کرتے ہیں، وہ موسم گرما سے بالکل مختلف ہوتی ہے، اگر دونوں موسموں میں ایک ہی دوا تجویز کریں تو بعض اوقات فائدہ کی بجائے صحت کے لئے سخت نقصاندہ ہوتی ہے۔ چونکہ مقصود صحت ہوتی ہے، اس لئے حالات اور زمانہ کے تغیر کی وجہ سے نسخوں میں جزوی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔

اس کی دوسری مثال جہاد و قتال کے لئے ہتھیاروں کا استعمال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جہاد میں تیر و تلوار اور پتھر سے بھی کام چل جاتا تھا، جب کہ موجودہ دور میں تیر و تلوار سے کام لینا نہ صرف ناکافی ہوگا، بلکہ سخت مضر ہوگا۔ اصل مقصود کے پیش نظر اشغال کے طریق میں تغیر و تبدل ایسی چیز ہے جو نہ صرف یہ کہ شریعت سے متصادم نہیں ہے بلکہ شریعت کا عین مقصود ہے۔ یہی مثال طریقت کے اشغال کی ہے، اس لئے طریقت کے سارے اشغال نسبت مع اللہ کے رسوخ کے لئے ہیں۔ اس لئے وہ مقصود کے حصول کے اہم ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عالم اسلام کے دو ممتاز فلاسفروں کے فکر کا ماحاصل

اس اشکال کے رفع ہونے کے بعد ہم اس دور کے عالم اسلام کے دو سب سے بڑے فلاسفروں علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی فکر کی طرف آتے ہیں۔ فکر و فلسفے کی دنیا سے واقف افراد پر یہ بات الم نشرح ہے کہ مسلم دنیا نے اس صدی میں ان سے بڑھ کر فلاسفر پیدا نہیں کئے۔ ہمارے ان دونوں فلاسفروں نے اپنی فکر و فلسفے کو جن بنیادوں پر تشکیل کیا ہے۔ وہ "فلسفہ خودی" اور "نصب العین کی فطری محبت" کا فلسفہ ہے۔ جو دراصل علمائے ربانی کے فکر ہی کی دوسری شکل ہے۔ ان دونوں فلاسفروں کے فلسفے کی خاصیت یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ سلف صالحین، علمائے ربانی اور اولیائے کرام کے فکری تسلسل سے اپنا رشتہ پوری طرح قائم و برقرار رکھتے ہیں، بلکہ ان سے بھرپور اکتساب فیض کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام اور مسلم ملت کو موجودہ کفر کی طرف سے درپیش علمی، نظریاتی اور عملی چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلہ میں بھی ان کی فکر میں بھرپور نکات اور حکمت عملی موجود ہے۔ اس طرح ان دونوں فلاسفروں کی فکر ہمارے لئے اپنے نصب العین کے صحیح شعور کے ساتھ ساتھ جدید دور میں غلبہ اسلام کے لئے راہیں متعین کرنے کا کردار بھی ادا کرتی ہے۔ چنانچہ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں ان دونوں اسلامی فلاسفروں کی فکر کے تفصیلی اقتباسات پیش کر کے ان کے صحیح اسلامی نصب العین کے فکری خطوط متعین کریں، تاکہ حقیقی اسلامی نصب العین کی اہمیت اجاگر ہو اور ملت اسلامیہ نفس پرستی کی داخلی، باطنی، مقامی اور عالمی قوتوں سے مقابلہ کے لئے اپنے فکر کی صحیح بنیادوں کو مستحکم کر سکے۔ صحیح بنیادوں کے استحکام کے بعد ایک تو ہمارا داخلی

افتراق وانتشار ختم ہوگا۔ اتحاد و وحدت کی فضا پیدا ہوگی، دوم ناکامی اور شکست وریخت سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی۔ سوم ملت اسلامیہ کے لئے قدرت کی طرف سے اس طرح کی مدد و نصرت کی صورت پیدا ہوگی کہ کفر کی عالمی قوتوں سے مقابلہ کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے سنجیدہ اور فہمیدہ انسانوں کے سامنے ان کا حریف بنے بغیر یا حریف ہونے کا تاثر دیئے بغیر ان کے سامنے بہتر اور مؤثر طور پر اسلامی دعوت کا پیغام پیش ہو سکے گا۔ اس طرح عالمی سطح پر انسانیت کے سامنے آخری دین کے اتمام حجت کی صورت پیدا ہو سکے گی۔

ہمارے ان دونوں فلاسفروں کے نزدیک موجودہ دنیا کا سارا فساد اس لئے ہے کہ انسانی خودی کی مقتضیات، ضروریات اور مطالبات کو سمجھنے میں بڑی ناکامی ہوئی ہے اور سارے انسانی علوم جو خودی کے مقتضیات کی تکمیل کے لئے ذریعہ و وسیلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان علوم کو اصل مقصود سے بے بہرہ کر دیا گیا ہے۔ خودی یعنی انسانی ہستی اور انسانی فطرت کی تشکیل اس طرح واقع ہوئی ہے کہ انسان حسن و کمال کی ہستی سے والہانہ محبت کا بھوکا ہے۔ سارے مذاہب اور سارے انسانی نظریات کی تخلیق افرادِ انسانی کے حسن کی اسی تشفی و تسلی کی خاطر ہوئی ہے اور ہوتی رہی ہے۔ انسان اپنی فطری ساخت کی بنیاد پر اس امر پر مجبور ہے کہ وہ انسان، کائنات اور تخلیق کائنات کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی نظریہ قائم کرے اور اپنی زندگی کی سرگرمیوں کے لئے کسی نظریے کو بنیاد بنائے اور اس نظریہ حسن سے محبت کرے، اگر اس نظریہ حسن میں مطلوبہ صفات کمال و حسن موجود ہوں گی تو فطرت انسانی کی صحیح طور پر تشفی و تسلی ہو سکے گی اور انسانی خودی صحیح سمت میں ارتقا کر سکے گی اور وہ اپنے نظریہ حسن سے والہانہ محبت کے ذریعہ اوصاف حسن کو جذب کر کے اپنے کردار میں حسن و کمال کا اظہار کر سکے گی، دوسری صورت میں چونکہ باطل نظریہ مطلوبہ اوصافِ کمال و حسن سے محروم ہوگا، اس لئے نہ تو فطرت انسانی کی تسلی ہو سکے گی اور نہ خودی کی صحیح سمت میں ارتقا ہو سکے گی۔ نتیجۃً دیر یا سویر باطل نظریہ ناکامی سے دوچار ہوگا، اس کی ناکامی کے نتیجہ میں باطل قومیں خود ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہوں گی اور ان کا سارا اجتماعی نظام زوال سے دوچار ہوگا۔ چنانچہ حسن و کمال کے اوصاف سے بہرہ ور ہستی سے محبت انسانی فطرت کا ناگزیر حصہ ہے۔ انسان کی ساری سرگرمیوں اور اس کی کامیابیوں وناکامیوں کا محور نصب العین کی یہی محبت ہے۔ اب اس سلسلے میں تفصیل سے ان کی فکر ملاحظہ ہو۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

"خودی براہ راست اور شعوری طور پر خدا سے محبت کرنا چاہتی ہے" لیکن خدا کی ایسی محبت فقط کسی شخص سے یہ بات سن لینے اور یاد رکھ لینے سے پیدا نہیں ہوتی کہ خدا تمام صفات حسن کا مالک

Marfat.com

ہے اور محبت کے قابل ہے۔ بلکہ خدا کے حسن کا ذاتی احساس کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ خدا کی محبت خدا کے ذاتی حسن کے احساس کا ہی نام ہے اور احساس کے بغیر خدا کی محبت کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اقبال کے الفاظ میں خدا کی محبت شنید نہیں بلکہ دید ہے۔ یعنی وہی شخص خدا سے محبت کر سکتا ہے جو خدا کے حسن کا ذاتی احساس رکھتا ہو۔ اقبال شنید کے لئے خبر اور دید کے لئے نظر کی اصطلاحات کام میں لاتا ہے۔ عقل فقط خبر مہیا کرتی ہے لیکن باخدا لوگوں کی محبت صحبت سے اور صحیح قسم کے نظریاتی ماحول سے نظر حاصل ہوتی ہے۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اگر بدقسمتی سے خودی کا نظریاتی یا تعلیمی ماحول ایسا ہو کہ وہ خدا کی صفات حسن کے مشاہدہ میں رکاوٹ پیدا کرے اور خدا کے حسن کے احساس کی نشو نما نہ کر سکے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خودی کا جذبہ محبت رک جائے گا اور پھر خودی کسی نصب العین کی محبت کے بغیر ہی رہے گی۔ (حکمت اقبال صفحہ ۷۴ تصنیف ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

خودی کے جذبہ محبت کا تیز رفتار دریا کی طرح رواں دواں ہونا

لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ خودی کا جذبہ محبت رک نہیں سکتا بلکہ کسی اور ناقص نصب العین کو جو فرد کے علم اور احساس کی پستیوں سے مناسبت رکھتا ہو، خدا سمجھ کر اپنا لیتا ہے۔ خودی کا جذبہ محبت ایک تیز رفتار دریا کی طرح ہے کہ جب وہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے اپنی اصلی گزرگاہ پر نہ چل سکے تو پھر رکتا نہیں۔ بلکہ اپنی راہ سے ہٹ کر اس راستہ پر بہنے لگتا ہے، جو آسان یا پست ہونے کی وجہ سے اسے بہنے کا موقع دیتا ہے اور اس طرح سے ایک غلط سمت کی طرف چل نکلتا ہے اور راستہ میں آبادیوں کو تباہ کرتا چلا جاتا ہے۔ خودی کی محبت کا سیل رواں بھی جب کسی نظریاتی یا جذباتی رکاوٹ کی وجہ سے اپنے صحیح نصب العین یعنی خدا کی طرف جو منتہائے حسن و کمال ہے راہ نہیں پاتا تو کسی دوسرے نصب العین کی طرف بہ نکلتا ہے، جس کی طرف وہ راہ پا سکتا ہے، جب کوئی انسان خدا کے حسن کا احساس نہ کر سکے تو پھر جس قدر تصورات اس کے دائرہ علم میں ہوتے ہیں، ان میں جس تصور کو بھی وہ اپنی سمجھ کے مطابق سب سے زیادہ حسین سمجھتا ہے، اسی کو اپنے جذبہ محبت کو مطمئن کرنے کی ضرورت سے مجبور ہو کر اپنا نصب العین بنا لیتا ہے۔ اگرچہ ضروری ہے کہ خدا کا تصور نہ ہونے کی وجہ سے نصب العین حسن و کمال کی صفات سے عاری ہو۔ تاہم اس طرح سے وہ اپنی محبت کے بہاؤ کو راستہ دیتا ہے۔ اس حقیقت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اقبال نے جو خودی یا زندگی

Marfat.com

ایک تیز رفتار ندی سے تشبیہ دی ہے وہ کس قدر موزوں ہے۔

وہ جوئے کہستان اچکتی ہوئی — لرزتی سرکتی چھلکتی ہوئی
ذرا دیکھ اسے ساقی لالہ فام — سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

(صفحہ ۱۷۵)

خدا کے حسنِ احساس سے محرومی ذہنی مجادلہ کا ذریعہ

اگر کوئی شخص خدا کے حسن کے احساس سے محروم ہو اور اس کا جذبہ محبت کسی اور غلط نصب العین کی محبت میں بھی اظہار نہ پا سکے یعنی اس کے دائرہ علم میں کوئی ایسا تصور موجود نہ ہو، جو اس کے لئے اتنی کشش یا جاذبیت رکھتا ہو کہ وہ اس کی طرف تمام صفات حسن کو شعوری یا غیر شعوری طور پر منسوب کر سکے تو وہ ہسٹریا، جنون، ذہنی مجادلہ اور ایسے ہی دوسرے ذہنی امراض کا شکار ہو جاتا ہے اور جب تک وہ کوئی ایسا تصور نہ پائے، جس سے وہ صحیح طور پر یا غلط طور پر مطمئن ہو اور جو اس بنا پر اس کے جذبہ محبت کو راستہ دے سکے۔ وہ بدستور ان تکالیف میں مبتلا رہتا ہے، اس لحاظ سے انسان میں خدا کی محبت کا جذبہ اس کی بھوک یا غذا کی خواہش سے مشابہت رکھتا ہے، اگر کسی شخص کو شدت کی بھوک لگی ہو اور اس کو عمدہ، صحت بخش اور خوش ذائقہ غذا میسر نہ آ سکے تو وہ مجبور ہوتا ہے کہ اسے جو غذا بھی مل سکے، اسی سے اپنا پیٹ بھرے۔ سخت قحط کے زمانہ میں اچھے بھلے باذوق انسان درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے جب کوئی انسان خدا کی معرفت سے محروم ہو تو وہ کسی ایسے نصب العین کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جو غلط اور ناقص ہونے کے باوجود اس کی کم علمی اور نادانی کی وجہ سے اس کے لئے کشش کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ اس حالت میں اسے اپنی ایک شدید نفسیاتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی نہ کسی تصور کی طرف حسن منسوب کرنا پڑتا ہے خواہ اس میں حسن کی کوئی صفت موجود ہو یا نہ ہو۔ اگر انسان کو اچھی خوراک کبھی نصیب نہ ہوئی ہو تو وہ گھٹیا خوراک ہی میں لذت محسوس کرتا ہے۔ (صفحہ ۱۷۵)

باطل نصب العین سے محبت کا سبب

چونکہ خودی صرف ایک ایسے محبوب سے محبت کر سکتی ہے جو خدا کی صفات رکھتا ہو، لہذا اس انسان کے ساتھ جو خدا کی جائے کسی اور کو اپنا محبوب بنانے پر مجبور ہوتا ہے جو ماجرا پیش آتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے غلط اور ناقص محبوب کے اندر اسے غلطی سے خدا کی بعض صفات کی جھلک صاف طور پر نظر آتی ہے اور وہ ان صفات کو شعوری طور پر اور سوچ سمجھ کر اس کی طرف منسوب کر دیتا ہے

Marfat.com

اور ایسا کرنے کے بعد وہ فرض کرلیتا ہے کہ اس میں وہ تمام صفات موجود ہیں، جن کا وہ متمنی ہے اور جو خدا کی صفات ہیں، تاکہ اپنی غلطی کو مکمل کرکے اپنے ناقابل التواء اور ناقابل انسداد جذبہ محبت کو مطمئن کرے۔ گویا وہ خدا کی باقی ماندہ صفات کو جن کو وہ اس محبوب کی طرف شعوری طور پر منسوب نہیں کرسکتا، غیر شعوری طور پر منسوب کردیتا ہے، لہٰذا وہ اسے ایک خدا بنالیتا ہے، جس کے ساتھ وہ اسی طرح سے محبت کرتا ہے جس طرح سچے خدا کے ساتھ محبت کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے انسان کی فطرت کے اس پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔

واتخذوا من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین آمنوا اشد حبا للہ۔

(اور انہوں نے خدا کو چھوڑ کر مقابل کے معبود کرلئے ہیں جن سے وہ ایسی ہی محبت کرتے ہیں، جو انسان کی فطرت کی رو سے خدا کے لئے ہونی چاہئے اور وہ لوگ جو دولت ایمان سے بانصیب ہیں، خدا سے شدید محبت کرتے ہیں) خدا کو چھوڑ کر کسی غلط اور ناقص محبوب کو اختیار کرنا، ایسی غلطی نہیں ہوتی، جس سے باسانی نجات مل جائے، بلکہ انسان اس غلطی پر جمارہتا ہے، اس کی خودی اپنے نصب العین کے ساتھ اس طرح سے پیوست ہوجاتی ہے کہ گویا وہ اور اس کا نصب العین ایک ہی ہیں، لہٰذا وہ اپنے نصب العین کے خلاف آسانی سے کوئی دلیل نہ سن سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ (صفحہ ۱۸۷)

سارے اعمال کا نصب العین کی محبت سے سرزد ہونا

ایک ریاست کے تمام اعمال وافعال اس کے نصب العین سے سرزد ہوتے ہیں۔ ایک نصب العین کی محبت فقط ایک قلبی یا ذہنی کیفیت نہیں ہوتی، بلکہ ایک بے پناہ قوت عمل ہوتی ہے، جو فرد اور جماعت کے تمام افعال کو معین کرتی ہے اور اس کی زندگی کے تمام حالات کو پیدا کرتی ہے یا ان کو بدل کر نصب العین کے مطابق کرتی ہے۔

آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر اعمال را شیرازہ بند

لہٰذا منظم جماعت یا ریاست کا نصب العین اس کی زندگی کی حالت کے اندر اس طرح سے منعکس ہوجاتا ہے، جس طرح سے ایک آئینہ کے اندر اس کے سامنے کی دنیا-اس کی عملی زندگی جو اس کی سیاسی، تعلیمی، فوجی، اخلاقی، مذہبی، علمی، جمالیاتی، قانونی، اقتصادی اور اطلاعاتی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس کے نصب العین کی ہوبہو تصویر ہوتی ہے، جو اتنی زیبا یا زشت ہوتی ہے، جتنا کہ وہ نصب العین جس سے وہ پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا جب ایک قوم کا غلط نصب العین اس کی عملی زندگی کی بدنما تصویر کی صورت میں اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کے نقائص سے واقف ہوجاتی ہے اور اس سے نفرت کرنے لگتی ہے۔

Marfat.com

ایک فرد کی طرح غلط نصب العین پر قائم ہونے والی ایک نظریاتی جماعت بھی اپنے نصب العین کی طرف حسن کی چند صفات شعوری طور اور باقی صفات غیر شعوری طور پر منسوب کرتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فرد ہی کی طرح اپنی تمام جدوجہد کو حسن کی ان صفات کے عملی اور خارجی اظہار پر صرف کرتی ہے، جن کو وہ اپنے نصب العین کی طرف شعوری طور پر منسوب کرتی ہے اور باقی تمام صفات حسن کو نظر انداز کرتی ہے لیکن یہی بات کہ وہ حسن صداقت اور نیکی کی بعض صفات کو نظر انداز کرتی ہے اس کے لئے ناممکن بنا دیتی ہے کہ وہ ان صفات حسن کو اپنی عملی اور خارجی زندگی میں کامیابی کے ساتھ اجاگر کر سکے، جن کی موجودگی وہ اپنے نصب العین میں شعوری طور پر محسوس کرتی ہے اور جن کو وہ عملی طور پر نظر انداز کرنا نہیں چاہتی، چونکہ وہ حسن کے بہت سے تقاضوں کی طرف سے عملاً بے پرواہ رہتی ہے، وہ حسن کے ان چند تقاضوں کو بھی جن کی وہ پرواہ کرتی ہے اور عمدگی اور کامیابی کے ساتھ پورا نہیں کر سکتی۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایک غلط نصب العین کی فطرت اس قسم کی ہوتی ہے کہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ جو قوم بھی اسے اپنائے، اس کے حالات ایک خاص مدت کے بعد قوم کی ساری کوششوں کے باوجود دن بدن بگڑتے چلے جائیں، یہاں تک کہ وہ بالکل تباہ و برباد ہو جائے۔ غلط نصب العین کی ریاست کی بربادی کا سامان اس کے نصب العین کی فطرت کے اندر ہی موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی ریاست کا آشیانہ شاخ نازک پر ہوتا ہے اور وہ اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرتی ہے۔ اسی بنا پر اقبال عصر جدید کی لادینی تہذیب کے علمبرداروں کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ایسی ریاست کی ناپائیداری کی وجہ یہ ہے کہ ہر غلط نصب العین یہ چاہتا ہے کہ حسن اور صداقت کے صرف چند تقاضوں کو پورا کر کے باقی تقاضوں کو نظر انداز کر دے۔ حا
نیکی اور صداقت کا کوئی تقاضا ان کے دوسرے تقاضوں کی مدد اور اعانت کے بغیر پورا نہیں
سارا حسن خدا کی ذات ہے اور حسن میں نیکی اور صداقت اور خداوند تعالیٰ کی تمام صفات و جا
شامل ہیں۔ چونکہ حسن کی ایک وحدت ہے اور اس کا اکتساب یا تتبع ایک وحدت ہی کے
جاسکتا ہے، ورنہ بالکل نہیں کیا جاسکتا۔ حسن نہ تو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ا
حصہ کو چھوڑ کر دوسرے حصہ کو حاصل کیا جاسکتا ہے، مثلاً سیاسی مساوات جسے جمہور
اقتصادی مساوات جسے اشتراکیت کہتے ہیں دونوں خدا کی صفت عدل کے مظاہر ہیں۔
سے کوئی مساوات بھی ایسی نہیں، جسے کوئی انسانی جماعت خدا کی محبت کی تربیت او
[illegible]

Marfat.com

نصب العین کی محبت کی خدا کو عیش و عشرت کے ذریعہ پُر کرنا

قدرت کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ ہر قوم کو خواہ اس کا نصب العین صحیح ہو یا غلط، اپنی صلاحیتوں کی حد تک بڑھنے اور پھولنے کے تمام مواقع بہم پہنچاتی ہے اور ہر قوم زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر سمت میں جس قدر اس کے نصب العین کی فطرت اسے ترقی کا موقعہ دے سکتی ہے، ترقی کرتی ہے۔ غلط نصب العینوں کی عارضی ترقی کا سبب یہی ہے۔ قرآن حکیم نے اس قانون قدرت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کلا نمد هٰؤلآء و هٰؤلآء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظورا

(ہم سب کی مدد کرتے ہیں، ان کی بھی اور ان کی بھی یہ آپ کی پروردگاری مہربانی ہے اور آپ کے پروردگار کی مہربانی محدود نہیں)

لیکن رفتہ رفتہ جب ان کے غلط نصب العینوں کے نقائص آشکار ہونے لگتے ہیں تو ان کی محبت میں بھی زوال آنے لگتا ہے۔ وہ اب بھی اس کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں، لیکن اب ان کے لئے ان کی ستائش کا جذبہ کمزور اور ان کے عمل کا جوش سرد ہونے لگتا ہے، لہذا نصب العین کی قوت اور شوکت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے اور اس کے مداحوں اور عاشقوں کی محبت بھی اسی نسبت سے گھٹتی جاتی ہے اور پھر وہ اپنی زندگی میں نصب العین کی محبت کے خلاء کو پر کرنے کے لئے عیش و عشرت اور تماشہ اور تفریح کی طرف رجوع کرتے ہیں، جس نسبت سے نصب العین کے ساتھ ان کی محبت کم ہوتی جاتی ہے، اسی نسبت سے عیش و عشرت کی طرف ان کی رغبت بڑھتی جاتی ہے اور یہ رغبت ان کی محبت کو اور کمزور کرتی جاتی ہے۔ عیش و عشرت سے قوم کی رغبت اس کے زوال کا سبب نہیں، بلکہ اس کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لہذا جب یہ صورتحال پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب قوم کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ رہا ہے اور اس کی اجل قریب ہے۔ غلط نصب العینوں پر قائم ہونے والی نظریاتی جماعتوں کی یہ تقدیر ہوتی ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

قرآن حکیم نے ایسی ہر جماعت کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

لكل امة اجل فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولايستقدمون

(خدا نے ہر کافر قوم کے لئے زندگی کی ایک مدت مقرر کر رکھی ہے، جب یہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو پھر ان کی موت ایک لمحہ کے لئے بھی آگے یا پیچھے نہیں ہوتی)

ایسے موقعہ پر کسی بیرونی دشمن کا کچل دینے والا حملہ یا کسی اندرونی دشمن کی کامیاب بغاوت

اس کے ختم ہونے کا ظاہری سبب بن جاتی ہے (صفحہ ۱۸۱)

سارے معاشرتی علوم کا عقل کی بجائے محبت سے راہ نمائی حاصل کرنا

انسانی اعمال وافعال کے تمام فلسفے دوسرے لفظوں میں ہمارے تمام انسانی اور معاشرتی علوم مثلاً فلسفہ سیاست، فلسفہ اخلاق، فلسفہ تاریخ، فلسفہ اقتصاد، فلسفہ تعلیم، فلسفہ قانون، انفرادی نفسیات، اجتماعی نفسیات وغیرہ عقل سے نہیں، بلکہ محبت سے راہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔ عقل صرف محبت کی راہ نمائی میں ان کو ترتیب دیتی ہے۔ اگر وہ نصب العین جس کی محبت ان کو وجود میں لاتی ہے، صحیح ہوگا تو ان کو ترتیب دینے والی عقل بھی صحیح ہوگی۔ لہٰذا جس انسانی یا معاشرتی علم کا بنیادی تصور خدانہ ہو، وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اعمال انسانی کا حقیقی سرچشمہ خدا کی محبت کا جذبہ ہے۔ (صفحہ ۲۱۸)

غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

افسوس ہے کہ اب انسان کے امتیازی اوصاف میں سے اس ایک وصف کو جسے ادراک یا عقل کہا جاتا ہے، حد سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا وصف جس کی وجہ سے اسے حیوانات پر فضیلت حاصل ہے، یہی ہے۔ حالانکہ دراصل انسان کا امتیازی وصف جس کی وجہ سے وہ انسان بنتا ہے اور حیوانات سے برتر ٹھہرتا ہے، اس کی آرزوئے حسن ہے، جو صرف خدا کے تصور سے مستقل اور مکمل طور پر مطمئن ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی درجہ کی عقل تو اعلیٰ سطح کے حیوانات میں بھی موجود ہے۔ لیکن تصورات کے حسن وکمال کی محبت کم از کم حیاتیاتی زندگی سے اوپر کی سطح کے تصورات کی محبت سوائے انسان کے اور کسی حیوان میں موجود نہیں۔ انسان کی عقل کی اگر کوئی اہمیت ہے تو وہ فقط اس قدر ہے کہ وہ انسان کی آرزوئے حسن کی خدمت گذار ہے، لہٰذا اس کی اہمیت ذاتی اور اصلی نہیں، بلکہ آرزوئے حسن سے ماخوذ اور مستعار ہے۔ اگر انسان کی عقل آرزوئے حسن کی غلام اور خدمت گذار نہ ہو تو وہ اسے حیوانات سے بھی بدتر بنا دیتی ہے۔ حسن کی تمنا سے ہی انسان کی تمام آرزوئیں جنم لیتی ہیں اور اپنی جستجو کی راہیں معین کرتی ہیں۔ حسن کی تمنا ہی انسان کے تمام اعمال کی خالق اور راہبر ہے۔ عقل کو یہ مقام حاصل نہیں۔

حسن خلاق بہار آرزوست　　جلوہ اش　　پروردگار آرزوست

ہر چہ باشد خوب وزیبا و جمیل، در بیابان　　طلب　　مارا　　دلیل

نقش او محکم نشیند در دلت　　آرزوہا　　آفریند　　در دلت

Marfat.com

اقبال دور حاضر کے انسان کو جو اپنی نادانی سے عقل ہی کو انسان کا سب سے بڑا امتیازی وصف سمجھا ہوا ہے۔ خوب جھنجھوڑ کر جذبہ حسن کی اہمیت بتاتا ہے۔

ہے ذوق تجلی بھی اس خاک میں پنہاں　　　غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے
زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ　　　کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک
(صفحہ ۲۱۹)

انسان کے اندر تشفی کا تقاضا کرنے والا جذبہ

ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی محبت کو تفکر فی الخلق (مشاہدہ قدرت) تفکر فی الصفات (عبادت) اور تخلق باخلاق اللہ (حسن عمل) کے ذرائع سے فروغ دے کر درجہ کمال پر پہنچائے۔ اس طریق سے اس کے دل کے اندر خدا کی معرفت کا وہ نور پیدا ہوگا، جسے اقبال "تجلی" "جلوہ" کا نام دیتا ہے اور چونکہ اس طریق سے اس کا جذبہ محبت پوری پوری تشفی حاصل کرلے گا اور اس جذبہ کے علاوہ تشفی کا تقاضا کرنے والا کوئی اور جذبہ انسان کے اندر ہے ہی نہیں، لہذا اس کے لئے بے اطمینانی اور پریشانی کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی اور عقل کے لئے ممکن نہیں رہے گا کہ وہ اس کے دل میں کوئی اعتراضات یا شکوک یا شبہات پیدا کر سکے۔ اس کے برعکس اگر انسان کے دل میں خدا کی محبت اس کی استعداد کے مطابق اپنے کمال کو نہ پہنچے گی تو چونکہ اس کے جذبہ محبت کا ایک حصہ غیر مطمئن رہے گا، اس کا سکون قلب مکمل نہ ہو سکے گا اور عقل کے لئے موقع باقی رہے گا کہ اس کو شکوک و شبہات میں ڈالتی رہے۔ اگر انسان کا دل خدا کی معرفت کے نور سے پوری طرح منور نہ ہو تو اس کی عقل جو فقط اس نور سے ہی راہنمائی پا سکتی ہے، بھٹکتی رہتی ہے اور اسے مسرور اور مطمئن ہونے نہیں دیتی۔ حکمت کے بیابانوں میں مدتوں خاک چھاننے کے بعد اگر عقل کو کہیں ملتی ہے تو توحید میں۔

در جہان کیف و کم گردید عقل　　　پے بمنزل برد از توحید عقل
(صفحہ ۱۱۹)

عقل کے اعتراضات کا واحد حل، نور معرفت سے منور ہونا

اس کے علاوہ چونکہ شریعت کی پابندی اور نیک عملی کی زندگی خدا کی محبت کا نہ رکنے والا تقاضا ہے، لہذا خدا کی محبت اپنے کمال پر ہوگی تو انسان شریعت کی پابندی یا نیک عملی کی زندگی کو مجبوری سے اختیار نہیں کرے گا، بلکہ ایک ایسی خواہش سے اختیار کرے گا، جسے روکنا اس کے بس کی بات نہ ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان اپنی عقل کو مطمئن کرنا چاہتا ہے، اگر وہ اس کے اعتراضات کا ایسا جواب مہیا کرنا چاہتا ہے جو اس کے لئے مکمل طور پر کافی اور شافی ہو۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ دین اور شریعت کے راستوں پر مجبوری سے نہیں، بلکہ پورے ذوق و شوق سے گامزن رہے اور نہیں چاہتا کہ مختلف نظریات اور تصورات کے درمیان بھٹکتا پھرے تو اسے اپنے دل کو خدا کی محبت اور معرفت کے نور (تجلی) سے منور کرنا چاہئے، ورنہ اس کی روح اس کے فاسد خیالات کی دولتیوں کی مار کھا کر مردہ ہو جائے گی۔ دلوں میں خدا کے نور کا جلوہ فرد اور قوم دونوں کے لئے پیغام حیات ہے اور ہماری فطرت کا ایک زبردست تقاضا یہ ہے کہ ہم اس نور کو اپنے دلوں کے اندر بسائیں۔

بے تجلی مرد دانا رہ نہ برد
از لکد کوب خیال خویش مرد
بے تجلی زندگی رنجوری است
عقل مہجوری و دین مجبوری است

****

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

****

ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

****

بے تجلی نیست آدم را ثبات
جلوہ ما فرد و ملت را حیات

تجلی سے یہاں اقبال کی مراد خدا کی معرفت یا خدا کی محبت کا نور ہے۔ (صفحہ ۲۲۰-۲۲۱)

علم، طبعی قوت ہے جو علم حق کی ابتداء ہے

سائنس کی بے خدائیت پر اقبال بڑے افسوس کا اظہار کرتا ہے اور پُر درد الفاظ میں کہتا ہے:

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

اس شعر میں اور اس قسم کے دوسرے اشعار میں علم سے اقبال کی مراد سائنس ہے اور دوسرا کوئی علم نہیں۔ چنانچہ وہ خود اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار و مدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے، جس کو دین کے ماتحت

Marfat.com

رہنا چاہئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو شیطنیت ہے یہ علم۔ علم حق کی ابتدا ہے۔"

اقبال کے اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا ،جب عشق الٰہی کی تیغ جگر دار سائنس کی نیام کے اندر اپنی جگہ پر موجود تھی اور بعد میں یہ افسوسناک حادثہ پیش آیا کہ کسی نے اس تلوار کو جو دنیا بھر کے تمام باطل تصورات اور نظریات کاٹ کر رکھ سکتی تھی، اس نیام سے اڑا لیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ نیام اب تک خالی پڑی ہے۔ یہ تیغ جگر دار کیسے اڑ گئی اور کس نے اڑائی ؟ اقبال اس سوال کا جواب اپنے اشارہ کو بلیغ اور مؤثر بنانے کے لئے سننے والوں پر چھوڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں اقبال سائنس کی بے خدائیت کے اس تاریخی پس منظر کی طرف اشارہ کر رہا ہے، جس کی تشریح اوپر کی گئی ہے۔ اس تیغ جگر دار اڑانے کی ساری ذمہ داری مغرب کی کوتاہ اندیشی اور مسلمان سائنسدانوں کی کورانہ تقلید پر عائد ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۳۴)

علم کے درجات : مظاہر قدرت کا مطالعہ اور ذکر و فکر

اگرچہ بے خدا سائنس الفاظ میں نہیں کہتی کہ خدا موجود نہیں۔ لیکن انسان اور کائنات کے متعلق اس کا نکتہ نگاہ اور اس کا طریق فکر و عمل ایسا ہے کہ گویا خدا موجود نہیں۔ وہ تمام طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس طرح سے کرتی ہے کہ گویا ان کا کوئی خالق نہیں اور اگر ہے تو ان کے ساتھ اب اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس کی صفات کا کوئی نشان ان کے اندر موجود نہیں۔ اس طرح سے مغربی سائنس اس ایک ہی دروازہ کو بند کر دیتی ہے، جس کی راہ سے خدا کی معرفت کا نور سب سے پہلے حضرت انسان تک پہنچتا ہے۔ اقبال کا یہ خیال قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے کہ خدا کی معرفت اور محبت کو بیدار کرنے کا پہلا ذریعہ انسان کے حواس ہیں، جن کی مدد سے وہ مظاہر قدرت میں خدا کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ جو قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر ہم خالق، رب، رحیم، کریم، عادل، حفیظ، علیم، سمیع اور بصیر، مومن، مہیمن، ایسے الفاظ کے معنیٰ نہیں سمجھ سکتے، جو اوصاف باری تعالیٰ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو سمجھے بغیر خدا کی معرفت یا محبت یا اطاعت یا عبادت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان سے قرآن حکیم کا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان لانے کے لئے مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرے۔

حواس کے بعد خدا کی معرفت کا دوسرا ذریعہ ذکر ہے، جس کی مدد سے ہر انسان قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر بھی خدا کی صفات پر غور و فکر کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ قدرت کے مشاہدہ سے ان الفاظ کے معنیٰ سمجھ چکا ہوتا ہے، جو خدا کی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اس ذکر کی کثرت سے خدا کے حضور یا قرب کا احساس ہوتا ہے اور یہ

Marfat.com

احساس قلب کی ایک کیفیت ہے جو عشق یا محبت سے تعلق رکھتی ہے اور شعور اور ادراک سے بالا ہے۔ اقبال نے اس مطلب کو ایک شعر میں ادا کیا ہے۔

علم حق اول حواس آخر حضور
آخر او مے نگنجد در شعور

ایک اور جگہ اقبالؒ ذکر اور فکر کی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الاسما
مقام ذکر کمالات رومی و عطار
مقام فکر مقالات بو علی سینا
مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکان
مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ
(صفحہ ۲۳۵)

بے خدا سائنس کا عقیدہ : معیاری فلسفہ وہی ہے جس میں خدا ایک حقیقت کے طور پر مذکور نہ ہو

بے خدا سائنس خدا کا انکار کرنے کے بغیر خدا کو نظر انداز کرتی ہے وہ دوسرے انسانوں کو بھی اس طرح سے سوچنے اور کام کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ گویا خدا موجود نہیں اور یہ نقطۂ نظر خدا کے انکار سے بدتر ہے۔ بے خدا سائنس نے ہی اس نامعقول اور بے بنیاد عقیدہ کو رواج دیا ہے کہ معیاری فلسفہ وہی ہے، جس میں خدا ایک حقیقت کے طور پر مذکور نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں کائنات کے جس قدر فلسفے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً ڈاروِنزم، مارکسزم، میکڈوگلزم، فرائڈزم، ایڈلرزم، بی ہیویرازم، لاجیکل پازیٹوزم، ہیمنزم وغیرہ۔ وہ سب بے خدا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں انسانی فطرت اور انسانی افعال و اعمال کے جس قدر نظریات وجود میں آئے ہیں، وہ بھی سب کے سب بے خدا ہیں۔ مثلاً بے خدا فلسفہ سیاست، بے خدا فلسفہ اخلاق، بے خدا اقتصادیات، بے خدا قانون، بے خدا فلسفہ تعلیم، بے خدا فلسفہ تاریخ، بے خدا نفسیات فرد، اور بے خدا نفسیات جماعت، لہٰذا سائنس کا بے خدا ہونا کوئی معمولی سا، معصوم سا

Marfat.com

اور بے ضرر سا حادثہ نہیں، جو صرف کتابوں میں ہی رونما ہوا ہو۔ اس نے انسان کی کتابوں کو ہی نہیں بدلا۔ بلکہ اس کے مقصدوں، قدروں، منصوبوں، امیدوں، آرزوؤں اور حق و باطل خوب و زشت اور نیک و بد کے پیمانوں اور معیاروں کو بدل کر اس کے اعمال و افعال کو بھی بدل ڈالا ہے۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ جو کچھ سوچتا ہے وہی کرتا ہے۔ اگر اس کے افکار و آراء اور تصورات اور نظریات بے خدا ہوں تو پھر اس کے اعمال و افعال کا بے خدا ہونا ضروری ہے۔ (صفحہ ۲۳۶)

دور حاضر کی ساری بدقسمتیوں کا بنیادی سبب

سائنس کا بے خدا ہو جانا، عالم انسان کا بہت بڑا حادثہ ہے جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے، اسی کی وجہ سے اب دنیا میں کوئی ایسی ہمہ گیر اخلاقی اور روحانی قوت باقی نہیں رہی، جو اندر سے انسانی اعمال کو ضبط میں لا کر صحیح راستہ پر ڈال سکے۔ یہی حقیقت ہے جو دور حاضر کے انسان کی تمام بدقسمتیوں اور پریشانیوں کا موجب ہے۔ مثلاً آزاد جنسیت کی وجہ سے اہل مغرب کی زندگی کا بگاڑ، طفولیتی بے راہ روی، علم اور استاد کے احترام کا زوال اور علمی درسگاہوں کے ضبط و نظم کا فقدان، اقتصادی خوشحالی کے باوجود اطمینان قلب سے محرومی، ذہنی بیماریوں، خودکشیوں اور جرموں کی روز افزوں تعداد، سیاست دانوں کے جھوٹ اور فریب، سیاسی سازشیں اور ان سے پیدا ہونے والے سیاسی قتل اور سیاسی انقلابات، قومی اور بین الاقوامی معیار اخلاق کی پستی، میزائیلوں اور ایٹم بموں کے چڑھتے ہوئے انبار، عالمگیر جنگوں کا ایک سلسلہ جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اگر سائنس باخدا ہو جائے تو یہ سب مقاصد اور مصائب ختم ہو جائیں اور آسمان کے نیچے ایک ارضی جنت وجود میں آجائے۔ (صفحہ ۲۳۶)

موجودہ دور کی تعلیم کا المیہ، تعلیم کا مدعا خودی کو اپنے مقصد کے لئے سہولتیں بہم پہنچانا ہے

اس دور میں مسلمانوں نے بھی اپنی تاریخ اور روایات اور قرآن کے ارشادات کو فراموش کر کے عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید میں مغرب کی بے خدا سائنس کو جسے اقبال "اندیشہ لادین" کہتا ہے، اپنا لیا ہے، اس وقت تمام عالم اسلامی میں مسلمانوں کے مدرسے اور کالج اور یونیورسٹیاں بے خدا سائنس کی درس و تدریس میں مصروف ہیں، جس کی وجہ سے پورے عالم اسلامی میں نوجوان تعلیم یافتہ افراد اسلام سے دور اور دور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اقبال اس صورت حال پر بار بار اظہار افسوس کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہمیں مدرسہ اور کالج میں خدا کا عقیدہ پھر اپنے مقام پر واپس لانا چاہئے۔ تعلیم کا تو مدعا ہی یہ تھا کہ خودی کو اپنی زندگی کے ایک ہی مقصد کی تکمیل کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں اور یہ مقصد علم اور عمل کے ذریعہ سے خدا کی محبت کے جذبہ کی آزادانہ

نشوونما اور تسکین اور تشفی ہے۔ اقبال کو افسوس ہے کہ مکتب کو اپنے مقصود کا ہی علم نہیں۔ جبھی تو وہ خدا کی محبت (جذب اندروں) کی پرورش کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔

مکتب از مقصود خویش آگاہ نیست
تا بجذب اندرونش راہ نیست

خدا کی محبت کی شراب (مے یقین) ہی زندگی میں سوز یا گرمی عمل پیدا کر سکتی ہے۔ خدا کرے کہ توحید کا عقیدہ نظام تعلیم کی بنیاد بنے تا کہ یہ گرمی پیدا کرنے والا آگ کی طرح کا پانی مدرسہ کو بھی نصیب ہو۔

مے یقین سے ضمیر حیات ہے پرسوز
نصیب مدرسہ یا رب یہ آب آتشناک

دور حاضر کے مکتب کا بے خدا نظام تعلیم طالب علم کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ عمر بھر خدا کا نام لے سکے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی کا گلا گھونٹ دیا جائے کہ پھر اس سے لا الہ الا اللہ کی صدا نہ نکل سکے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ
(صفحہ ۲۴۶)

مغربی نظام تعلیم عقل کی آزادی، نصب العین سے محرومی

مغربی نظام تعلیم جو، اب مشرق میں بھی رائج ہے۔ اس اصول پر مبنی ہے کہ طالب علم کو کسی عقیدہ کی تعلیم نہیں دینی چاہئے تا کہ اس کی عقل آزاد رہے اور اس میں خود ہر بات پر غور و فکر کر کے اسے رد یا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ اگر استاد کی طرف سے اس پر کوئی عقیدہ ٹھونسا گیا تو پھر اس کی سوچ وبچار ایک تنگ دائرہ کے اندر مقید ہو جائے گی، لیکن اس اصول پر عمل کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ طالب علم کی عقل تو آزاد ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اس کے خیالات کا کوئی مرکز یا محور نہیں بنتا، وہ بغیر کسی ضبط یا نظم کے رہ جاتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ طالب علم کے اندر اس عقیدہ کو پیدا کیا جاتا اور پختہ کیا جاتا، جو اس کی فطرت کے عین مطابق ہے اور جس کے لئے اس کی فطرت پیاسی ہے 'یعنی خدا کا عقیدہ، ایسی حالت میں اس کے ذہن پر کوئی خارجی اور مصنوعی دباؤ نہ پڑتا، بلکہ وہ اپنی فطری آزادی کو حاصل کر لیتا اور اس کو غلام بنانے والے یا اس کی فطرت سے ہٹانے والے تمام تصورات خارج از بحث ہو جاتے اور اس کے ساتھ ہی اس کے خیالات کے اندر ایک ربط یا نظم بھی پیدا ہو جاتا۔ کیونکہ پھر یہ عقیدہ اس کے تمام خیالات کا مرکز یا مدار بن جاتا اور وہ ان کو اپنے

اس عقیدہ کی روشنی میں دیکھ سکتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ مغرب میں ایسے نظام تعلیم کے پیدا کئے ہوئے تعلیم یافتہ افراد کے دلوں میں خدا کی محبت مردہ ہوتی ہے اور اگر مشرق میں ایسے نظام تعلیم کے باوجود خدا کی محبت پھر بھی زندہ رہتی ہے تو مکتب کی راہ نمائی نہ ہونے کی وجہ سے مکتب جو خیالات اور افکار طالب علم کے ذہن میں پیدا کرتا ہے وہ خدا کے عقیدہ کے ساتھ ملحق نہیں ہوتے اور ان میں کوئی فطری ربط نہیں ہوتا اور وہ مغرب کے گوناگوں غیر فطری عقائد کے تصرف میں آجاتے ہیں۔ ایسی حالت میں عقل مغرب کی غلامی کی وجہ سے غلط طریق پر کام کرتی ہے اور غلط سمت میں سوچتی ہے۔

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر،
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطیٔ افکار سے مشرق میں غلام

اگرچہ خدا کا عقیدہ انسان کی فطرت ہے۔ تاہم یہ مشت خاک انسان اس طرح سے بنا ہے کہ اگر اس کی مناسب قسم کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو وہ اپنی فطرت کو سمجھنے میں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اور غلط اور ناقص تصورات کو خدا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اگر ہمارا خیال یہ ہو کہ ہم طالب علم کو آزاد رہنے دیں تو اس کے دل میں خدا کی محبت خود بخود پیدا ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ اس کی فطرت ہے تو یہ خیال درست نہیں۔ خدا کے عشق کی آتش ہمہ سوز خودی کی مناسب پرورش اور تربیت کے بغیر روشن نہیں ہوتی۔ صوفیا کا قول ہے کہ خدا کی محبت ایک آگ ہے جو ماسویٰ اللہ کو جلا دیتی ہے۔

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز

خدا کے عقیدہ کو کالج کے سائنسی علوم سے نکال دینا ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص اپنا گھر روشن دیکھنا چاہتا ہو، لیکن ایک بڑی سی دیوار بنا کر سورج کی روشنی کو مسدود کر دے۔ پروفیسر ایک عمارت گیر ہے اور جو عمارت وہ تعمیر کر رہا ہے وہ روح انسانی ہے، حکیم قاآنی نے ایک عمدہ بات کہی ہے۔ جو پروفیسر کو مدنظر رکھنی چاہئے کہ اگر اپنے گھر کے صحن کو روشن رکھنا چاہتے ہو تو صحیح عمارت گری یہ ہے کہ سورج کے سامنے دیوار ہی کھڑی نہ کرو۔

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے روح انسانی
نکتہ دلپذیر تیرے لئے کہہ گیا ہے حکیم قاآنی،
پیش خورشید بر مکش دیوار خواہی از صحن خانہ نورانی،
(صفحہ ۲۴۸)

قومی روح کے فنا ہونے کا سبب بے خدا تعلیم

پھر بھی ہم یہ تمنا رکھتے ہیں کہ ہماری نئی نسلیں صحیح طور پر مسلمان ہوں۔ گویا ہم بے خدا سائنس کے روح فرسا نتائج اور اثرات سے بالکل بے خبر ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو بلند ترین کتابوں کے ذریعہ سے یہ بتائیں کہ علم اخلاق، علم سیاست، علم اقتصادیات، علم تعلیم، علم قانون وغیرہ میں خدا کہیں نہ آتا ہے اور نہ آسکتا ہے اور پھر یہ توقع رکھیں کہ ان نوجوانوں کی اخلاقی، سیاسی، اقتصادی، تعلیمی اور قانونی سرگرمیاں باخدا ہوں گی، لہذا اقبال تنبیہ کرتا ہے کہ اس بے خدا سائنس کی تعلیم کو بے خطر نہ سمجھو۔ اس سے تمہاری پوری قوم کی روح فنا ہو رہی ہے۔

مشو ایمن ازاں علمے کہ خوانی،
کہ ازوے روح قومے راتواں کشت

ہمارے کالجوں کی بے خدا سائنس کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم مغربیت اور جدیدیت کے کافر ادا معشوق کے خونریز غمزوں پر ایسے مر مٹے ہیں کہ ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ اس طرح سے ہم نے دین کی متاع کو ہی نہیں بلکہ دانش (یعنی سچی باخدا سائنس) کی متاع کو بھی لٹا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ والوں کی حیثیت سے دین اور دانش کی دونوں نعمتیں ہمارے لئے ہی مخصوص تھیں۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خونریز ہے ساقی

غیروں کی تربیت دی ہوئی اور غیروں کے نظریہ کائنات میں رنگی ہوئی بے خدا سائنس کا پڑھنا اور پڑھانا ایسا ہی ہے، جیسے اپنے منہ کو غیروں کے تیار کئے ہوئے غازہ کے استعمال سے خوبصورت بنانے کی کوشش کرنا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنی قدر و قیمت کو دوسروں کی نقل پر موقوف سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ ہم اپنے قومی امتیازات کو بالکل کھو چکے ہیں۔ ہماری عقل دوسروں کے خیالات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور خود آزادی سے کچھ نہیں سوچ سکتی۔ ہماری ذہنی اور ثقافتی زندگی کا ہر سانس دوسروں کا محتاج ہو گیا ہے۔ ہماری زبانوں پر ایسی گفتگو ہے جو دوسروں سے مانگی ہوئی ہے اور ہمارے دلوں میں ایسی آرزوئیں ہیں جو دوسروں سے مستعار لی ہوئی ہیں۔ اقبال اس صورتحال پر افسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

علم غیر آموفتی اندوختی روئے خویش از غازہ اش افروختی
ارجمندی از شعارش مے بری من ندانم تو توئی یا دیگری،
عقل تو زنجیری افکار غیر در گلوئے تو نفس از تار غیر
بر زبانت گفتگوہا مستعار در دل تو آرزوہا مستعار

Marfat.com

تا کجا طوف چراغ محفلے ز آتش خود سوز اگر داری دلے
(صفحہ ۲۴۹)

اگر عقیدہ توحید سائنس کے ساتھ مل جائے تو حیرت انگیز انقلاب برپا ہو سکتا ہے

توحید کا عقیدہ جب مظاہر قدرت کے علم کے ساتھ یعنی سائنس کے طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی حقائق کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کے اندر جاذبیت اور کشش کی ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا حملہ ہمارے بدترین دشمنوں کو بھی بے بس کر سکتا ہے، یہ قوت ایک ایسا آلہ حرب و ضرب بن جاتی ہے، جس کا مقابلہ دور حاضر کے بہترین سامان حرب سے بھی ممکن نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس قوت کا حملہ دشمنوں کے دلوں کو مسخر کر کے ان کو دوست بنا دیتا ہے اور پھر ان میں مقابلہ کی ہمت ہی باقی نہیں رہتی۔ بلکہ وہ اپنا سارا سامان حرب خوشی حملہ آوروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ گویا اگر عقیدہ توحید سائنس کے ساتھ ملجائے تو وہ ایک ایسا سامان جنگ بن جاتا ہے جس سے ہم دوسروں کو تیغ و تفنگ کے بغیر مغلوب کر سکتے ہیں۔

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے،

یہی وجہ ہے کہ اقبال مسلمانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ سائنس کو عقیدہ توحید کے ساتھ ملحق کر کے ایک پر امن عالمگیر انقلاب پیدا کریں۔ اہل مغرب کے لئے سائنس زندگی کا سامان ہے۔ اہل مشرق کے لئے خدا کی محبت کائنات کا راز ہے۔ سائنس خدا کی محبت کے ساتھ مل کر حق شناس بن جاتی ہے، ورنہ وہ غلطیاں کرتی اور ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے۔ دوسری طرف سے دنیا میں خدا کی محبت کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کا کام یعنی نشر و اشاعت کلمہ توحید جس میں خدا کا سچا عاشق لگا رہتا ہے۔ سائنس کی مدد سے پختہ بنیادوں پر قائم ہو جاتا ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ جب خدا کی محبت اور سائنس ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں گے تو ایک نئی دنیا وجود میں آئے گی۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہمت کر کے اٹھے اور سائنس کو خدا کے عقیدہ کے ساتھ بہم کر کے ایک نیا عالمگیر انقلاب پیدا کرے۔

غربیاں را زیرکی ساز حیات شرقیاں را عشق رمز کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس کار عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چوں بازیرکی ہمبر بود، نقشبند عالم دیگر شود،
خیز و نقش عالم دیگر بند عشق را با زیرکی آمیزدہ

قرآن حکیم میں کئی آیات ایسی ہیں جن میں اسلام کے آخری عالمگیر غلبہ کی آرزو دار

Marfat.com

پیشگوئیاں کی گئی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اگر اسلام کا غلبہ ہونا ہے تو اس کا ذریعہ خود مسلمان قوم ہی بنے گی۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر و ا ما بانفسھم

(بیشک خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنے حالات کو نہ بدلیں)۔ (صفحہ ۲۵۰)

خودی کی قوت کا راز غیر اللہ سے کنارہ کشی

چونکہ خودی میں خدا کے سوائے اور کسی چیز کی خواہش باقی نہیں رہتی، خودی کا عمل غلط خواہشات اور تصورات کے اثر سے پوری طرح سے آزاد ہو جاتا ہے اور خودی خدا کی محبت کے لئے نہایت آسانی کے ساتھ ہر قسم کی تکلیفیں اٹھا سکتی ہے، بلکہ اس قسم کی تکلیفوں کا کوئی احساس اس میں باقی نہیں رہتا۔ اقبال کی اصطلاح میں فقر خودی کی اس حالت کا نام ہے، جب وہ غیر اللہ سے پوری طرح بے تعلق ہو کر خدا سے اپنا تعلق جوڑ لیتی ہے۔ جب تک خودی فقر کے اس مقام کو نہیں پاتی یعنی جب تک اس کی ساری محبت باطل تصورات سے (جن میں انسان کی اپنی سفلی خواہشیں اور الفتیں بھی شامل ہوتی ہیں) کٹ کر خدا کے لئے نہیں ہو جاتی، خودی خدا سے پورا قرب حاصل نہیں کر سکتی اور اس پر خود فراموشی اور مستی اور سرور کی وہ کیفیت وارد نہیں ہوتی، جسے اقبال خودی میں ڈوبنے سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کیفیت کا وارد ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اب خودی کی ساری محبت غیر اللہ سے کٹ کر کلیۃً "اللہ کے لئے ہو گئی ہے، لہٰذا خودی جب اس حالت سے عود کرتی ہے تو اپنی محیت کا سارا خلوص اور اپنی ساری یک بینی، یک اندیشی اور یک باشی جن کی وجہ سے وہ اس حالت تک پہنچتی ہے، اپنے ساتھ لاتی ہے' پھر وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی، جو خدا نہ چاہتا ہو اور بڑے سے بڑے خطرہ کے باوجود کسی ایسے کام سے رک نہیں سکتی، جو خدا چاہتا ہو۔ وہ چاہتی ہے کہ دنیا کی تمام قوتوں کو مسخر کر کے باطل کو فنا کرنے اور حکم حق کو جاری کرنے کے لئے کام میں لائے اور وہ اس غرض کے لئے ہر خطرہ کے باوجود کسی ایسے کام سے رک نہیں سکتی، جو خدا چاہتا ہو۔ وہ چاہتی ہے کہ دنیا کی تمام قوتوں کو مسخر کر کے باطل کو فنا کرنے اور حکم حق کو جاری کرنے کے لئے کام میں لائے اور وہ اس غرض کے لئے ہر خطرہ کو مول لینے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ شک اور خوف کی تمام قسمیں اس سے رخصت ہو جاتی ہیں اور وہ ایک بے پناہ قوت عمل کی مالک بن جاتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ وہ ایک تیز تلوار بن جاتی ہے جو باطل کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے، اس تلوار کو تیز کرنے کے لئے لاالہ الااللہ کا پختہ یقین یا فقر یا عشق اسے پہلے فساں کا کام دے چکا ہوتا ہے۔ خودی کا سر نہاں یہ ہے کہ وہ خدا سے محبت کرتی ہے اور خدا کے سوائے کسی اور محبوب کو قبول نہیں کرتی۔ خودی کی اصل

Marfat.com

حقیقت کیا ہے لاالہ الااللہ یعنی خدا اور صرف خدا کی محبت کا ایک جذبہ۔ خودی ایک تلوار ہے جو لاالہ الااللہ کی فساں پر تیز کی جاتی ہے۔ (صفحہ ۳۰۷)

خودی کا خدا کی محبت سے سرشار ہونا

خودی کے انقلاب کے بعد مومن زندہ جاوید ہو جاتا ہے اور موت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت کہ ہماری خودی ہمہ تن خدا کی محبت ہے، جو حی و قیوم ہے اور خود زندگی اور حیات ہے اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ہم خدا کی محبت کی نشوونما کر کے درجہ کمال پر پہنچادیں تو ہم خود بھی خدا کی طرح جاوداں بن سکتے ہیں۔ کیونکہ ضروری ہے کہ خدا کا کامیاب عشق بھی خدا کی صفات کو جذب کر کے جن میں ایک ہمیشہ کی زندگی ہے، ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائے۔ ہمارا اور خدا کا تعلق اگرچہ ایک راز سربستہ ہے۔ لیکن ہمارے دوام کا گواہ ہے۔

من و او چیست اسرار الٰہی است
من و او بر دوام ما گواہی است

جب ہم زندگی پر عاشق ہیں اور ہمارے عشق میں پوری طرح سے کامیاب ہونے کی صلاحیت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ہم خود زندگی بن جائیں۔ ہمارا قدرتی مستقبل جو ہماری غیر مبدل فطرت میں پوشیدہ ہے۔ زندگی ہے موت نہیں، ورنہ ہم سراسر زندگی کا کامیاب عشق نہ بن سکتے۔ زندگی سانس کا یہ آنا جانا نہیں، بلکہ اس کا منبع خدا ہے، جو حق و قیوم ہے اور جس کی محبت ہماری فطرت میں ہے۔

زندگانی نیست تکرار نفس
اصل او از حی و قیوم است و بس

ضروری ہے کہ زندگی کا عشق بھی ایک ایسی زندگی ہو، جو زندگی کے اصل مرکز یا منبع سے کھو چکی ہو اور پھر اپنی اصل کی طرف لوٹنے کی خواہش رکھتی ہو اور اسی خواہش کی وجہ سے وہ عشق بن گئی ہو۔ عشق کا اصل زندگی کی طرف لوٹنے کی تمنا کرنا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ زندگی کو پا سکے گا، جس کے بعد موت اس پر حرام ہو جائے گی کیونکہ عشق حقیقی کی تمنا ناکام نہیں ہوتی۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود،
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
(صفحہ ۳۲۷)

مومن کا میدان کار دنیا کو تبدیل کرنا

جب مومن کی خودی میں انقلاب آتا ہے، تو وہ نہ صرف بے پناہ قوت عمل کا مالک بن جاتا ہے، بلکہ اس قوت عمل کے اظہار کے لئے میدان کار بھی تلاش کرتا ہے اور اس کا میدان کار باطل کا استیصال اور حق کا اجرا ہوتا ہے۔ جس کی ابتدا کلمہ توحید کی اشاعت اور خدا کی محبت کی دعوت سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنے محبوب کی طرح وہ بھی چاہتا ہے کہ نوع انسانی اپنی منزل کمال کو پہنچے۔ اس کا مقصد حیات وہی ہوتا ہے، جو اس کے محبوب کا مقصد ہے۔ لہٰذا جب تک اس کائنات میں خدا کا مقصد پورا نہیں ہوتا، اس وقت تک اس کے عاشق کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا اور خدا کا مقصد نوع بشر کی تکمیل ہے جو خدا کے قول کن سے ہو رہی ہے۔ خدا کی محبت میں خدا کے مقصد کی محبت بھی شامل ہے، لہٰذا مومن خدا کے قول کن کا ممد و معاون بنتا ہے اور خدا کے بندوں کو خدا کی محبت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی دعوت کو مؤثر اور کامیاب کرنے کے لئے اپنے عمل کی قوتوں کو جو خدا کی محبت سے مزید قوت پا کر درجہ کمال کو پہنچ چکی ہوتی ہیں، ہر ممکن طریق سے کام میں لاتا ہے اور ایسا کرنا اس کی اپنی آرزوئے حسن کی تشفی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق پہلے خود بدل جاتا ہے اس لئے وہ دنیا کو بھی بدل سکتا ہے اور بدلتا ہے۔ پہلے وہ خدا کے جمال کا نقش اپنی جان میں پیدا کرتا ہے اور اس کے بعد اس نقش جمال کو دنیا میں عام کر دیتا ہے۔ (صفحہ ۴۳۴)

Marfat.com

خدا کے عاشق کی حکمت عملی

خدا کا حکم دنیا میں جاری نہیں کرتا۔ حیدر کرارؓ کی طرح جو کی روٹی تو کھاتا ہے لیکن آپ کی طرح خیبر فتح کرنے کے لئے نہیں نکلتا۔ بلکہ ایک راہب کی طرح کسی خانقاہ کے گوشہ عزلت میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور بادشاہت سے گریز کرتا ہے۔ دوسرا عاشق خدا وہ ہے جس کے نعرہ ہو سے کائنات ہل جاتی ہے اور اس کی قیادت کی تمنا میں اس کے کوچہ کے گرد گھومنے لگتی ہے۔ وہ باطل سے ٹکراتا ہے تاکہ اسے ملیامیٹ کر کے دنیا میں خدا کا حکم جاری کرے۔ وہ باطل کی دنیا کو اپنا شکار سمجھتا ہے اور اسے فنا کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے چونکہ وہ خدا کا وہ کام کرتا ہے جس کا انجام پانا بالقوہ کائنات کی فطرت میں ہے اور جو ہر حالت میں انجام پا کر رہے گا وہ کائنات کے ارتقا کی قوتوں کو جو کائنات کے اندر مخفی ہیں اپنے ساتھ شریک کار بنا لیتا ہے لہٰذا اس کی تدبیر خدا کی تقدیر سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ عصر جدید کی دنیا جس میں دہریت، مادیت اور کفر اور الحاد کا دور دورہ ہے۔ ایسے عاشق کے لئے ایک زبردست چیلنج کا حکم رکھتی ہے۔ اسے چاہئے کہ اس چیلنج کو قبول کرے اور عصر جدید کو مشرف بتوحید کر کے دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق بدل

دے۔ اقبال حلاج کی زبان سے جس نے انا الحق کہا تھا ان حقائق کی تلقین کرتا ہے۔ کیونکہ انا الحق (میں خدا ہوں) کہنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان دنیا میں وہ کام کرے جو خدا کر رہا ہے۔ اور اس طرح سے خدا کا معاون اور شریک کار بن جائے۔ لٰہذا ان حقائق کی تلقین حلاج ہی کر سکتا تھا۔ اس طریق سے اقبال نے حلاج کے قول انا الحق کو جسے لوگوں نے کفر قرار دیا تھا ایک نئے معنی پہنائے ہیں جو اسلام کے مطابق ہیں۔

نقش حق اول بجان انداختن ۔۔۔ باز اورا در جہاں انداختن
نقش جان تا در جہاں گردد تمام ۔۔۔ می شود دیدار حق دیدار عام
اے خنک مردے کہ از یک ہوئے او ۔۔۔ نہ فلک دارد طواف کوئے او،
وائے درویشے کہ ہوئے آفرید ۔۔۔ باز لب بر بست و دم ورخود کشید
حکم حق را جہاں جاری نہ کرد ۔۔۔ نانے از جو خورد و کراری نہ کرد،
خانقاہے جست واز خیبر رمید ۔۔۔ راہبی و زید و سلطانی ندید
نقش حق داری؟ جہاں نخچیر تست ۔۔۔ ہم عنان تقدیر باتدبیر تست
عصر حاضر با توے جوید ستیز ۔۔۔ نقش حق بر لوح ایں کافر بریز،

(صفحہ ۳۳۵)

ریاست کا نصب العین کی محبت کی قوت سے قائم اور مستحکم ہونا

خدا یا خدا کے قائم غلط تصور کی محبت مملکت کی قوت حیات یا روح یا زندگی ہے جس کے بغیر وہ مر جاتی ہے۔ اگر ایک جاندار کے جسم سے قوت حیات رخصت ہو جائے تو وہ اسی وقت مر جاتا ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی مملکت کا نصب العین کسی وقت غائب ہو جائے تو ضروری ہے کہ وہ مملکت اپنے وظائف کے تمام شعبوں سمیت اسی وقت ختم ہو جائے۔ جس طرح سے خون کا دورہ ایک جاندار کے جسم کے کونے کونے کو قوت بہم پہنچاتا ہے اور اپنے وظائف کو انجام دینے کے لئے زندہ رکھتا ہے۔ اسی طرح سے ریاست کے نصب العین کی محبت اس کے مختلف محکموں کو زندہ اور فعال رکھتی ہے۔ مملکت کے افراد میں نصب العین کی محبت جس قدر کمزور ہوتی ہے اسی قدر مملکت بھی کمزور اور غیر متحد اور غیر منظم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایک منظم انسانی جماعت کے افراد جس قدر اپنے نصب العین سے محبت رکھتے ہوں اسی قدر زیادہ ان کی جماعت زندہ اور صحت مند اور طاقت ور اور متحد اور منظم ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہر مملکت اپنے تمام ذرائع تعلیم و تربیت کو جن میں اسکول، کالج، یونیورسٹی، پریس، پلیٹ فارم، مطبوعات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن شامل ہیں، اپنے نصب

العین کی محبت کو مخالف تصورات کی مخالفانہ محبت سے بچانے اور ترقی دے کر درجہ کمال پر پہنچانے کے لئے کام میں لاتی ہے۔ ہر ریاست اپنے نصب العین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نصب العین کے مطابق نہ صرف اپنا مخصوص تعلیمی نظام برپا کرتی ہے، بلکہ اپنے مخصوص سیاسی، قانونی، اقتصادی، اخلاقی، اطلاعاتی، تجارتی، صنعتی، مالیاتی اور فوجی نظامات بھی قائم کرتی ہے۔

ان تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ جو قوت ایک ریاست کو پیدا کرتی ہے، اسے متحد اور منظم کرتی ہے اور اس کے تمام اعمال وافعال کی نوعیت اور سمت مقرر کرتی ہے اور اسے زندہ اور قائم اور ترقی پذیر رکھتی ہے، وہ خدا یا خدا کے کسی قائم مقام غلط تصور کی محبت ہوتی ہے اور جس قدر اور جب تک یہ محبت طاقت ور ہوتی ہے، اسی قدر اور اس وقت تک وہ ریاست بھی ترقی پذیر اور طاقت ور اور متحد اور منظم ہوتی ہے۔ (صفحہ ۳۴۴)

(۸) احساس حسن اور جذب مسلمانی سرّ کائنات ہے

احساس حسن کو اقبال جذب مسلمانی بھی کہتا ہے کیونکہ یہ مسلمان کا خاص امتیاز ہے اور اسے شرع مسلمانی سے ممیز کرتا ہے۔ شرع مسلمانی تو یہ ہے کہ مسلمان نماز کو اس کے ظاہری آداب کے ساتھ ادا کر دے اور جذب مسلمانی یہ ہے کہ مسلمان جب نماز ادا کرے تو خدا کے حسن و کمال کا سچا احساس یا عشق اس کی نماز کا رفیق ہو۔ یہی احساس حسن یا جذب مسلمانی اقبال کے نزدیک سرّ کائنات ہے، کیونکہ اسی کی خاطر کائنات پیدا کی گئی ہے اور یہی انسان اور کائنات کو معراج کمال پر پہنچانے کا ذریعہ بننے والا ہے۔ یہی مومن کے تمام اعمال وافعال کی قوت محرکہ ہے جس کے بغیر مومن کے لئے صحیح قسم کے عمل کی راہ پیدا نہیں ہوتی۔ یہی وہ چیز ہے جو یقین یا ایمان کی شاخ کو زندہ سبز یا نمناک رکھتی ہے۔

اک شرع مسلمانی اک جذب مسلمانی
ہے جذب مسلمانی سر فلک الافلاک
بے جذب مسلمانی اے رہرو فرزانہ
نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقین نمناک

شریعت اسی احساس حسن یا عشق یا خدا کی محبت کے اظہار کے معین طریقوں کا نام ہے۔ اگر احساس حسن یا عشق مفقود ہو تو نماز ہی نہیں، بلکہ ساری شریعت ایسے تصورات کا ایک مجموعہ بن جاتی ہے، جن کا مقصد خدا طلبی یا خدا شناسی نہیں ہوتا، بلکہ جو خدا کی بجائے خود مطلوب اور معبود بن جاتے ہیں اور لہٰذا بتوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ (صفحہ ۲۵۶)

Marfat.com

غیر اللہ کی محبت آرزوئے حسن کی راہ میں رکاوٹ ہے

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات

اقبال ذکر کو کبھی آہ سحر گاہی کہتا ہے اور کبھی فغان صبح گاہی اور کبھی آداب سحر خیزی کا نام دیتا ہے۔ جب تک انسان غیر اللہ کی محبت میں گرفتار رہتا ہے، وہ اپنی آرزوئے حسن کی مکمل تشفی نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ آرزو سوائے خدا کے اور کسی چیز سے مطمئن نہیں ہوتی، اس وقت تک نہ تو اس کی شخصیت اپنے کمال کو پاتی ہے اور نہ ہی وہ مکمل طور پر اطمینان قلب سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، لیکن انسان ذکر کے بغیر خدا کی محبت کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا، جہاں وہ غیر اللہ کی محبت سے بے نیاز ہو جائے۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد کھوئی ہوئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغان صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ہو میں

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے خود بھی ذکر نیم شبی کو اپنا شعار بنایا، جس کو لندن کے جاڑے کی نہایت سرد ہوا بھی ترک نہ کروا سکی۔

زمستانی ہوا میں گو کہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹا مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

ذکر کے بغیر فکر نہ کامل ہوتا ہے اور نہ اپنے مقصد کو پا سکتا ہے۔ ذکر اور فکر کو ساتھ ساتھ رہنا چاہیے۔

فقر قرآن اختلاط ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

عبادت دو بچھڑے ہوئے عاشقوں کی ملاقات کا ذریعہ ہے

انسان کا وہ عمل جسے خدا کی عبادت کا نام دیا جاتا ہے اور جس کا بڑا عنصر ذکر ہے۔ انسان کے تجربات میں سب سے زیادہ قیمتی اور اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اس کے ذریعہ سے انسان اپنی زندگی کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی آرزو کو اپنا صحیح اور قدرتی اظہار

Marfat.com

پانے کا موقعہ دیتا ہے اور اس طریق سے اس کی مکمل اور مستقل تشفی کر کے اپنی شخصیت کے ارتقا کو نکتہ کمال پر پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے، یہ گویا انسانی خودی کا اپنے مبداء کی طرف عود اور اپنی منزل مقصود کی طرف رجوع ہے۔ یہ دو بچھڑے ہوئے عاشقوں کی ملاقات ہے، جو کروڑہا برس کے ارتقائی عمل کی صورت اختیار کرنے والی ایک دوسرے کی طویل جستجو کے بعد ان کو میسر آتی ہے۔ اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ عبادت ایک فطری عمل ہے، جو اپنی اصل کے اعتبار سے سائنس دانوں کی جستجوئے صداقت کا ہی ایک تتمہ ہے۔

"عبادت کا منبع انسان کی فطرت میں ہے۔ فکر کے ذریعہ سے شعور حقیقت کے عمل کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ ذکر کے دوران یہ ست رفتاری سے منکشف ہونے والے عالمگیر اصولوں کی جستجو کی قوت کی حیثیت سے اپنا کام ترک کر دیتا ہے اور فکر سے بالا ہو کر براہ راست حقیقت کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہے، تاکہ اس کے کام میں ارادی طور پر شرکت کر سکے۔ اس میں کوئی مخفی یا ناقابل فہم بات نہیں۔ عبادت حصول تجلی کے ایک ذریعہ کے طور پر ایک قدرتی حیاتیاتی فعل ہے، جس سے ہماری شخصیت کا چھوٹا سا جزیرہ اچانک ہی زندگی کی بڑی وحدت میں اپنا مقام دریافت کر لیتا ہے۔ (صفحہ ۲۵۹)

عبادت کے ذریعہ حاصل ہونے والی قوت کو خدا کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا

اگر مومن درحقیقت سچا مومن ہے تو ذکر اور تسبیح اور عبادت سے جو قوت اسے حاصل ہوتی ہے، وہ اسے مسجد کے ایک کونے میں بیٹھکر ضائع نہیں کرتا، بلکہ دنیا کو اپنے محبوب کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لئے کام میں لاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ دنیا کی کوئی چیز نہیں، جو خدا کی تسبیح بیان نہیں کرتی۔ اگر انسان ذکر و تسبیح پر ہی اکتفا کرے تو اس کا درجہ جمادات اور نباتات سے بلند نہیں ہوگا، جو بے شعور ہیں یا نیم شعور ہیں، لیکن انسان چونکہ خود شناس اور خود شعور ہے، کائنات میں اس کا اصل کردار یہ ہے کہ وہ کائنات کی تعمیر اور تکمیل میں خدا کا شریک کار بنے اور اس غرض کے لئے فقط زبان سے نہیں، بلکہ اپنی مسلسل عملی جدوجہد سے نعرہ تکبیر بلند کرے۔ زبان سے ذکر اور تسبیح کرنا اس کردار کی تیاری کے ذرائع ہیں، کیونکہ ان سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو اس کردار کو مؤثر طریق پر انجام دینے کے لئے کام آتی ہے۔ افسوس کہ اکثر علماء دین ذکر اور تسبیح پر زور دیتے ہیں لیکن خدا کی مرضی کے مطابق دنیا کو بدلنے پر زور نہیں دیتے، حالانکہ قرآن حکیم کے ارشادات کی رو سے خدا مؤمنین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی دنیا کو اس کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لئے جدوجہد کریں اور ان سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو اس کی مدد ان کے ساتھ ہوگی۔ ان تنصرو الله ینصر کم۔

(اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہیں نصرت دے گا)

خدا کی مدد یہی ہے کہ خدا کائنات کو ترقی دے کر جس کمال پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کا چاہنے والا مرد مومن بھی یہ کوشش کرے کہ کائنات اس کمال پر پہنچے۔ اقبال نے ان حقائق کو تین زوردار شعروں میں بیان کیا ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل،
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ملا و نباتات و جمادات
(صفحہ ۲۶۰)

۹۔ خودی کی محبت کے عمل کے ساتھ ہی صحیح اور غلط تصورات کی باہمی آویزش کا شروع ہونا

جہان خودی کا بھی ہے صاحب فراز و نشیب
یہاں بھی معرکہ آراء ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فراز خودی سے ہو وہ جمیل
جو ہو نشیب میں پیدا قبیح و نامحبوب

اقبال کے یہ دو شعر ایک جدید فلسفہ اخلاق کی کلید ہیں۔ ان میں اقبال نے فعل جمیل کی تعریف ہی نہیں کی، بلکہ اس کے منبع اور مصدر کو بھی بیان کیا ہے اور اس کے علل و اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس کی مزاحمتوں اور رکاوٹوں کی بھی توضیح کی ہے اور پھر یہ بھی بتایا ہے کہ فعل قبیح یا فعل نامحبوب کیا ہے اور کیسے پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں خودی سے مراد انسانی خودی ہے۔ انسانی خودی کے جہاں میں خدا کی محبت کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا جہان خودی کا مطلب خدا کی محبت کی دنیا ہے۔ جو انسانی خودی میں آباد ہوتی ہے۔ مومن کی خودی کو فراز یا بلندی اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب مومن کے دل میں خدا کی محبت ترقی پا کر اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ مومن کی خودی کا نشیب اس کی وہ حالت ہے، جو اس کے دل میں خدا کی محبت ابھی اپنے ارتقا کی ابتدائی منزلوں میں ہوتی ہے اور کمزور ہوتی ہے۔ جہان خودی میں خوب و ناخوب کے معرکہ کا باعث یہ ہے کہ مومن جب ایمان لاتا ہے تو اس کی ساری فطری استعداد محبت خدا کے تصور کے لئے فوراً نہیں

Marfat.com

بلکہ رفتہ رفتہ ترقی پا کر مہیا ہوتی ہے۔ خدا کی محبت جو اس کے دل میں ایمان لانے کے بعد پیدا ہوتی ہے، شروع میں غلط تصورات کی محبت سے گھری ہوئی ہوتی ہے۔ غلط تصورات مومن کی فطری استعداد محبت کا بہت سا حصہ اپنے تصرف میں لئے ہوئے ہوتے ہیں اور مومن کی محبت ان تصورات کو سخت مقابلہ کے بعد بتدریج بے اثر کرتی ہے اور محبت کا جو حصہ ان کے تصرف میں آچکا ہوتا ہے اس کو رہا کر کے اور اپنے ساتھ ملا کر اپنے آپ کو ترقی دیتی ہے، یہاں تک کہ آخر کار اس کے دل میں خدا کے سوائے ہر تصور کی محبت مٹ جاتی ہے۔ خودی کے صحیح تصورات جو خدا کے تصور سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اس کے غلط تصورات پر جو غیر اللہ سے متعلق ہوتے ہیں، غلبہ پانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا دونوں میں کشمکش ہوتی ہے، جو تصور خودی کی محبت کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، وہی مقابل کے تصورات پر غالب آجاتا ہے اور وہی خودی کی قوت عمل کا مالک بن جاتا ہے اور خودی مقابل کے تصورات کو پس پشت ڈال کر اسی کے مطابق عمل کرتی ہے، صحیح اور غلط تصورات کی یہ باہمی آویزش خودی کی محبت کے آغاز کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے اور جب تک خودی کی محبت کا سارا ذخیرہ جو فطرت نے اسے دے رکھا ہے، خدا کے تصور کے تصرف میں نہیں آتا، جب تک خدا کا تصور غلط تصورات پر پوری طرح سے غالب نہیں آجاتا۔ دوسرے لفظوں میں جب تک مومن کے دل میں خدا کی محبت اپنے کمال کو نہیں پہنچتی۔ اس وقت تک صحیح اور غلط تصورات کی باہمی کشمکش جاری رہتی ہے، کیونکہ اس وقت تک غلط تصورات خودی کی محبت کو خدا کے تصور سے ہٹا کر اپنے استعمال میں لاتے رہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۶۲)

خواہشات کی خصوصیتیں: حیاتیاتی دباؤ اور حیاتیاتی لذت کا ہونا

غلط تصورات جو اس طرح سے خدا کے تصور کے ساتھ الجھ جاتے ہیں۔ بالعموم انسان کی جبلتی یا حیوانی خواہشات اور ان کے ماتحت پرورش پانے والی عادات سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان خواہشات میں خدا نے دو اہم خصوصیتیں رکھی ہیں، جن کی وجہ سے وہ خدا کی محبت کی حریف بن جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے اندر ایک حیاتیاتی زور یا دباؤ ہوتا ہے، جو خودی کو ان کی تشفی کے لئے مجبور کرتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان کی تشفی کے اندر ایک حیاتیاتی قسم کی لذت ہے۔ قدرت میں ان دونوں خصوصیتوں کا مقصد یہ ہے کہ حیوان کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی زندگی اور نسل کو قائم رکھنے کے لئے بروقت ضروری اقدامات کرتا رہے۔ (صفحہ ۲۶۳)

محبت کی کمزوری کے نتیجہ میں خواہشات کا معبود کی صورت اختیار کرنا

جب تک ایک مومن کے دل میں خدا کی محبت کمزور ہوتی ہے، اس وقت تک وہ اپنی محبت

Marfat.com

کے عملی تقاضوں کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتا۔ جب تک ہماری محبت بیدار نہیں ہوتی، ہم اپنی حیوانی جبلتی خواہشات کی قوت اور لذت کی وجہ سے ان کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ ان کے دباؤ سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں اور ان کی لذت سے اس قدر مسحور ہو جاتے ہیں کہ ہم ان کے اصلی فطری مقصد اور مدعا کو بھول کر ان کو حد سے زیادہ اہمیت دینے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم بعض وقت ان کو تصورات حقیقت یا انسان و کائنات کے نظریات کی شکل دے دیتے ہیں، چنانچہ مارکسزم، فرائڈزم، ایڈلرزم اسی قسم کے نظریات ہیں، جو بالترتیب جبلت تغذیہ جبلت جنس اور جبلت تفوق پر مبنی ہیں۔ جبلتی خواہشات سے مغلوب اور مسحور ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری خواہشات ہماری محبت کی اس فطری استعداد کو استعمال کر لیتی ہیں جو نصب العین کے لئے مخصوص ہے اور اس طرح سے ان کی قوت اس حد سے بڑھ جاتی ہے، جو قدرت نے ان کے مقصد یعنی بقائے حیات کی ضرورت کے پیش نظر مقرر کی ہے۔ گویا ہماری خواہشات ہمارے نصب العین یا معبود کی جگہ لے کر خود ہمارا نصب العین یا معبود بن جاتی ہے۔ (صفحہ ۲۶۳)

خواہشات حیوانی کی عادت کا، راہ محبت میں شدید مزاحم ہونا

انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ اس کی ساری عملی زندگی محبت اور خوف کے دو محرکات سے طے پاتی ہے۔

طرح تعمیر تو از گل ریختند　　یا محبت خوف را آمیختند

لیکن انسان کے یہ دونوں محرکات عمل اس کے نصب العین زندگی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اس کا نصب العین ان حیوانی خواہشات پر مشتمل ہوگا، جو جسم سے تعلق رکھتی ہیں اور ماء و طین کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں لہٰذا غلط ہوگا تو اس کی محبت اور اس کا خوف دونوں غلط ہوں گے، وہ غلط چیزوں سے محبت کرے گا اور غلط چیزوں کا خوف رکھے گا اور اس کا ہر عمل غلط اور قبیح اور ناخوب اور نامحمود ہوگا۔

خوف دنیا، خوف عقبیٰ، خوف جان　　خوف آلام زمین و آسمان،
حب مال و دولت و حب وطن　　حب خویش و اقربا و حب زن
امتزاج ماء و طین تن پرور است　　کشتۂ فحشاء هلاک منکر است

اگر ایک ایسے غلط نصب العین سے پیدا ہونے والا عمل جو خواہشات حیوانی پر مشتمل ہو، بار بار ہوتا رہے تو تکرار کی وجہ سے وہ ایک عادت بن جاتا ہے، جس سے اس کی قوت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب ایک انسان خدا پر ایمان لاتا ہے اور اس کی فطری محبت آشکار ہوتی ہے تو وہ

محسوس کرتا ہے کہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی جبلتی خواہشات اور ان کے ماتحت پیدا ہونے والی عادات اس کی محبت کے عملی تقاضوں کے ساتھ مزاحمت کر رہی ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مزاحمت کا مقابلہ کر کے اسے ختم کر دے۔ یہ مقابلہ نہایت مشکل ہوتا ہے، لیکن مومن اپنی محبت کی حفاظت کی خاطر اس سے ہمت نہیں ہارتا اور اپنے آپ کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے سے دریغ نہیں کرتا، یہاں تک کہ ایک چیتے کی طرح اپنے آپ پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

مرد مؤمن زندہ وباخود بجنگ　بر خود　افتد　ہمچو　بر　آہو　پلنگ

(صفحہ ۲۶۴)

ذکر محبت کا وسیلہ اور ترقی یافتہ محبت اعمال صالحہ کا ذریعہ

محبت ہمیشہ اپنے اظہار اور اپنی تسکین اور تشفی سے ترقی پاتی ہے، جس طرح سے ذکر خدا کی محبت سے پیدا ہوتا ہے اور خدا کی محبت کی تشفی کا ایک عمل ہے اور خدا کی محبت کو ترقی دیتا ہے۔ اسی طرح سے فعل جمیل بھی خدا کی محبت کی تشفی کا ایک عمل ہے اور خدا کی محبت کو ترقی دیتا ہے، دراصل ذکر اور فعلِ جمیل دونوں خودی کی محبت کو ترقی دے کر نکتہ کمال تک پہنچانے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، کیونکہ دونوں خدا کی محبت کے اظہار اور اس کی تسکین اور تشفی کے طریقے ہیں، اگر کوئی شخص اچھے عمل سے بے پرواہ ہو جائے اور فقط ذکر ہی سے اپنی محبت کو ترقی دینا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں اسے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا ذکر اخلاص سے عاری ہوگا۔ اس سے برعکس وہ محبت کی منزلِ کمال سے ہر روز اور دور ہوتا جائے گا۔ اس کی مثال اس مسافر کی طرح ہوگی جو دو گھنٹہ کے لئے تو اپنی منزل کی طرف چلے اور پھر سارا دن اس سے عین مخالف سمت میں چلتا رہے، ایسا شخص منزل پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔ محبت کی ابتداء میں فعلِ جمیل ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ محبت کمزور ہوتی ہے اور غلط جبلی خواہشات اور ان کے ماتحت راسخ شدہ عادات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن جب ذکر سے محبت کچھ ترقی کر جاتی ہے تو مومن اپنی محبت کی قوت سے اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کی خاطر اپنی غلط خواہشات کو کسی قدر روک کر صحیح قسم کے عمل کی طرف مائل ہو اور پھر اس صحیح عمل سے اس کی محبت اور ترقی کرتی ہے، جس کی وجہ سے اسے ذکر کے اندر زیادہ گہری توجہ اور زیادہ لذت نصیب ہوتی ہے اور ذکر محبت کو ترقی دینے کے لئے اور بھی مفید اور مؤثر ہو جاتا ہے اور پھر یہ ترقی یافتہ محبت فعلِ جمیل کو اور آسان کرتی ہے اور ذکر اور فعلِ جمیل کا یہ تعاون جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خودی کی محبت اپنی بلندیوں کی انتہا تک پہنچ جاتی ہے۔ جہاں وہ فعلِ جمیل کا اکتساب کسی مجبوری سے یا کسی مشکل جدوجہد سے نہیں کرتی، بلکہ

Marfat.com

اس لئے کرتی ہے کہ یہ اس کی محبت کا ایک تقاضا بن جاتا ہے، جو اس کے دل کی گہرائیوں سے خود بخود ابھرتا ہے اور جسے روکنا اس کے بس کی بات نہیں رہتی، محبت کے درجہ کمال پر پہنچ کر خودی کے لئے فعلِ جمیل سے رکنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے، جتنا کہ محبت کی ابتدائی منزل میں فعل قبیح سے رکنا۔ اس حالت میں مومن دین کے اوامر اور نواہی کو فقط دوسروں کی سند کی بنا پر ہی نہیں جانتا، بلکہ ان کو اپنے دل کی گہرائیوں کے اندر محسوس کرتا ہے۔ اب وہ ان پر کسی مجبوری سے نہیں، بلکہ ایک ایسی خواہش سے عمل کرتا ہے، جس سے رکنا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔

فاش مے خواہی اگر اسرار دین   جز بہ اعماق ضمیر خود مبین

گر نہ بینی دین تو مجبوری است   ایں چنیں دیں از خدا مہجوری است

ظاہر ہے کہ اس مقام پر مومن کو کسی راہ نما کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ راہ نما کی عین مرضی کے مطابق وہ خود اپنی راہ نمائی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

کہے نہ راہ نما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو

یہ بات راہ رو نکتہ داں سے دور نہیں

(صفحہ ۲۶۸-۲۶۹)

متضاد تصورات کا، خودی کے صحیح اخلاقی فیصلوں کو تغلیط کرتے رہنا

اب یہ بات غور طلب ہے کہ ایک طرف سے تو جب تک انسان کچھ عرصہ کے لئے متواتر فعل قبیح سے اجتناب اور فعلِ جمیل کا اکتساب نہ کرتا رہے، اس کی محبت ذکر و فکر میں مشغول رہنے کے باوجود ترقی کر کے درجہ کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور دوسری طرف سے جب تک اس کی محبت درجہ کمال پر نہ ہو، اس وقت تک فعلِ قبیح سے متواتر اجتناب اور فعلِ جمیل سے متواتر اکتساب تو درکنار وہ اپنے دل سے اور اپنے پورے احساس اور یقین سے یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکتا کہ فعلِ جمیل کیا ہے اور فعلِ قبیح کیا ہے۔ اور کیوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی کی محبت جب تک کمزور رہتی ہے، متضاد قسم کے تصورات میں بٹی رہتی ہے اور یہ تصورات خودی کے صحیح اخلاقی فیصلوں کو غلط کرتے رہتے ہیں (صفحہ ۲۶۹)

خودی اور جسم کی دو متضاد غذائیں اور انجذاب کا بھی مختلف طریق

جس طرح سے جسم کی ایک زندگی ہے، اسی طرح سے خودی کی بھی ایک زندگی ہے۔ جس طرح سے جسم مر سکتا ہے خودی بھی مر سکتی ہے۔ جسم اس وقت مرتا ہے، جب قوت حیات اس سے رخصت ہوتی ہے، جس سے وہ نشو و نما پاتا ہے، اسی طرح سے خودی کو بھی غذا کی اشتہا ہوتی ہے،

جس سے وہ نشوونما پاتی ہے، اگر جسم کی غذا مادہ اور مادی طیبات رزق ہیں تو خودی کی غذا حسن اور صفات حسن ہیں۔ جسم جب نشوونما پاتا ہے تو حیاتیاتی طور پر طاقت ور ہو جاتا ہے۔ خودی جب نشوونما پاتی ہے تو نفسیاتی طور پر طاقتور ہو جاتی ہے۔ یعنی نیکی اور صداقت کے لئے اس کی قوت ارادی مضبوط ہو جاتی ہے۔ جس طرح سے جسم کی غذا بعض وقت ناکارہ ہوتی ہے اور جسم کی پرورش نہیں کر سکتی۔ جس طرح سے ناقص غذا سے جو جسم کی ضروریات کے مطابق نہ ہو، جسم کمزور اور بیمار ہوتا ہے، اس طرح سے ایک ایسے ناقص نصب العین کی محبت سے جو اپنے اوصاف میں خودی کی ضروریات کے مطابق نہ ہو۔ خودی اخلاقی اور روحانی طور ر کمزور اور بیمار ہوتی ہے۔ خودی کی غذا، وہ نہیں، جو جسم کی غذا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک فرد جسم کو خوب کھلائے اور موٹا کرے اور خودی کو بھوکا اور کمزور رکھے اور بہت سے افراد ایسا ہی کرتے ہیں۔ جسم کی غذا جب عمدہ اور مکمل ہو تو اس میں پروتین اور حیاتین اور فلزات اور نشاستہ وغیرہ عناصر پوری مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔ خودی کی غذا جب عمدہ اور مکمل ہوتی ہے تو اس میں حسن کی تمام صفات بدرجہ کمال موجود ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا نصب العین خدا ہوتا ہے۔ جسم غذا کو چبا کر اور اعضائے انہضام کی مدد سے ہضم کر کے جذب کرتا اور اپنا جزو بناتا ہے۔ خودی خدا کی صفات کے حسن کو اپنے فکر و عمل یعنی عبادت اور نیک عملی کے ذریعہ سے جذب کر کے اپنا جزو بناتی ہے۔ جسم جب تندرست اور توانا ہو تو وہ بیماریوں کی سرایت کو قبول نہیں کرتا اور بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے یا بیمار ہونے کی حالت میں مرض کا کامیاب مقابلہ کرتا ہے۔ اسی طرح سے خودی جب توانا ہو تو اس کا یقین محکم ہوتا ہے، وہ مسرور اور مطمئن ہوتی ہے۔ اس کی قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے۔ وہ غلط تصورات سے متاثر نہیں ہوتی۔ اپنی سفلی خواہشات اور ہوا و ہوس سے محفوظ رہتی ہے اور ان کے ہجوم کے وقت ان کا کامیاب مقابلہ کرتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خودی کی ضروریات جسم کی ضروریات سے یکسر مختلف ہیں۔ (صفحہ ۴۰۱)

فطرت انسانی کے علوم کے بغیر تہذیب جدید کو لاحق خطرات

جب ہم انسانی اعمال کی قوت محرکہ کے علم کے بغیر انسان کے کسی عمل کا علم مرتب کریں گے تو ہماری کوشش اس علم کی بنیاد کو نہ جاننے کی وجہ سے ناکام ہو جائے گی اور ہمارا علم محض جہالت کا ایک مظاہرہ بن کر رہ جائے گا۔ انسانی اعمال کے مغربی علوم چونکہ انسانی اعمال کی قوت محرکہ کے علم کے بغیر لکھے گئے ہیں ان کی موجودہ حالت اسی قسم کی ہے۔ اس موضوع پر خود کچھ کہنے کی بجائے میں مغرب کے ایک سربر آوردہ ماہر نفسیات میکڈوگل کی ایک کتاب سے بعض حوالے نقل کرتا ہوں۔ میکڈوگل لکھتا ہے:

"فطرت انسانی کے متعلق ہماری لاعلمی اب تک تمام انسانی اور اجتماعی علوم کے ظہور کو

Marfat.com

روکتی رہی ہے اور اب بھی روک رہی ہے۔ یہ علوم ہمارے اس زمانہ کی ایک شدید ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر ہماری تہذیب زوال بلکہ شاید مکمل تباہی کے شدید خطرہ کا سامنا کر رہی ہے، ہم علم نفسیات کا، علم اقتصادیات کا، علم سیاسیات کا، علم قانون کا، علم معاشرت کا اور ان کے علاوہ اور بہت سے فرضی علوم کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن سیدھی بات یہ ہے کہ یہ تمام دلکش نام فقط ہمارے علم کے خلاؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ فقط ان وسیع و عریض غیر آباد بیابانوں کی دھندلی سی نشاندہی کرتے ہیں جن کی سیاحت ابھی تک نہیں کی گئی۔ لیکن یہ بیابان وہ ہیں کہ اگر ہماری تہذیب نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ان کو کسی قاعدے کے اندر لانا ہی پڑے گا۔۔۔ میرا مدعا یہ ہے کہ اپنی تہذیب کے توازن کو بحال کرنے کے لئے ہمیں انسان کی فطرت اور سوسائٹی کی زندگی کا علم (یعنی منظم کیا ہوا سائنسی علم) اس سے بہت زیادہ مقدار میں درکار ہے جو ہمیں اب تک حاصل ہے۔۔ لہذا اس کا ایک ہی طریق کار ہے جس سے ہم اپنی تہذیب کی موجودہ غیر یقینی اور دن بدن زیادہ خطرناک ہونے والی حالت کا علاج کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے انسانی اور اجتماعی علوم کو پوری کوشش سے ترقی دے کر فطرت انسانی اور اس کی فعلیتوں کے سچ مچ کی شکل دیں۔۔ انسانی اور اجتماعی علوم کی بنیادی حقیقت دریافت کرنے اور ان کی تدوین کے طریق کار کو مہیا کرنے کی ضرورت اتنی شدید ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی۔۔ تو پھر عملی نقطہ نظر سے علاج کیا ہوا؟ میں اپنے جواب کو بالاختصار پیش کرنے کی غرض سے یہ بتاؤں گا کہ اگر میں ڈکٹیٹر ہوتا تو کیا کرتا۔۔۔ میں ہر ممکن طریق سے کوشش کرتا کہ اپنی قوم کے بہترین دماغوں کو طبیعیاتی علوم سے ہٹا کر انسانی اور اجتماعی علوم میں تحقیق کے کام پر لگا دیا جائے۔" (ورلڈ کے آس "World Chaos" صفحات ۹،۵۹، ۱۱۲، ۱۱۵) (صفحہ ۴۷۹)

فطرت انسانی کا علم، نبوت کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں

اوپر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بعض ایسے حقائق کو پیش کیا گیا ہے، جن سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ فطرت انسانی کی لاعلمی نوع انسانی کے لئے کیا کیا برے نتائج پیدا کرتی ہے اور کیوں۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ میکڈوگل فطرت انسانی کی لاعلمی کو اپنی تہذیب کے لئے ایک عظیم خطرہ کیوں سمجھتا ہے۔ اس کا یہ خیال درست ہے کہ فطرت انسانی کے علم کے بغیر یہ جاننا ممکن نہیں کہ انسانی اور اجتماعی علوم کی وہ "بنیادی حقیقت" کیا ہے جو ان کی "تدوین کے طریق کار" کی طرف راہنمائی کر سکتی ہے اور جس کے مرکز کے ارد گرد ان علوم کو معقول اور مدلل سائنسی علوم کے طور پر منظم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ خارجی اور مادی کائنات کے علوم کی طرح داخلی اور غیر مادی فطرت انسانی کا علم فقط "قوم کے بہترین دماغوں" کی ذہنی کاوشوں اور کوششوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کی

پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کے اندر خود نگاہ ڈال کر دیکھے کہ وہاں کیا ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت (جس میں اطاعت بھی شامل ہے) کے ذریعہ سے خدا کی محبت کی پوری پوری نشوونما کرے، جو نبوت کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس تجربہ کی کامیابی اس حقیقت کا درجہ اول کا روشن ثبوت ہوگی کہ انسان کی فطرت خدا کی محبت کا ایک جذبہ ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کیونکہ یہ ثبوت ذاتی تجربہ پر اور ایک طرح کی چشم دید حقیقت پر مبنی ہوگا۔ تاہم اس کے عقلی اور علمی دلائل بھی موجود ہوں گے اور وہ خطا سے مبرا ہوں گے۔

گر دلیلت باید ازوے رومتاب
آفتاب آمد دلیل آفتاب

فطرت انسانی کا علم اور علوم کی طرح نہیں کہ اس میں خارجی تجربوں اور فکر واستدلال کی جدتوں سے قدم آگے اٹھ سکے۔ یہاں ہم علم کے اس میدان میں آنکلتے ہیں، جہاں ہمارا سابقہ حقیقت کائنات کے خارجی مادی اور حیاتیاتی مظاہر سے نہیں، بلکہ براہ راست حقیقت کائنات سے پڑتا ہے۔ لہٰذا فطرت انسانی کا علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں حقیقت کائنات کے ساتھ جو فطرت انسانی کا مقصود اور مطلوب ہے، ذاتی رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی رابطہ کا نام عبادت اور اسی سے فطرت انسانی کے اصلی اور قدرتی مقصود اور مطلوب کی ذاتی تصدیق ہوتی ہے۔ فطرت انسان کے علم کی اہمیت کے باوجود اس کے علم کے راستہ کی اسی مشکل کے پیش نظر خدا نے ایک لاکھ سے بھی زیادہ انبیاء کو مبعوث فرمایا اور آخرکار تعلیم نبوت کو ایک خاتم الانبیاء کے ذریعہ سے مکمل کیا جس کا نچوڑ یہ ہے کہ اے لوگو! اس خدا کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ تم اپنے آپ کو اور اپنے خدا کو پہچان سکو۔ (یا ایہا الناس اعبدو ربکم الذی خلقکم) (صفحہ ۴۸۱)

علم کی حد سے پرے لذت شوق بھی ہے اور نعمت دیدار بھی ہے

ذاتی تجربہ سے خودی کے ارتقاء کی بلند ترین منزلوں تک پہنچ کر خودی کو واشگاف دیکھے بغیر قوم کا بہترین دماغ بھی زیادہ سے زیادہ کچھ افکار اور تصورات کو جمع کر کے ان کو فطرت انسانی کا نام دے لے گا۔ لیکن اس سے خودی کے سربستہ اسرار و رموز منکشف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اقبال ماہر نفسیات کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ ذہنی افکار و تصورات کی دنیا سے گذر کر قلبی واردات اور احساسات کی دنیا میں آؤ۔ اگرچہ اس کام کے لئے ذرا جرات اور ہمت کی ضرورت ہے۔ تم شاید سمجھتے ہو کہ تم نے اپنے ذہنی افکار کی مدد سے انسانی خودی کو بڑی حد تک سمجھ لیا ہے، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ خودی کے بحر بیکراں میں ابھی اسرار و رموز کے بہت سے جزیرے چھپے ہوئے ہیں۔ انسان کی خودی ایک گہرا اور خاموش سمندر ہے۔ جب تک ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح

Marfat.com

ضرب عصا سے اس سمندر کو چیر کر نہ دیکھیں، ہم نہیں جان سکتے کہ اس کے اندر کیا ہے۔ لیکن یہ سمندر عصائے لاالہ الااللہ کی ضرب سے ہی چیرا جا سکتا ہے۔

جرات ہے تو افکار کی دنیا سے گذر جا
ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

عبادت کے ذریعہ سے خدا کی محبت کی نشو و نما کاشف اسرار خودی اس لئے ہے کہ اگر وہ جاری رہے تو بندہ مومن ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں اسے مستقل اور مکمل اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کے دل میں سوائے خدا کی محبت کے اور کسی چیز کی تمنا موجود نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر خدا انسان کا محبوب اور انسان کی فطرت کا مقصود اور مطلوب نہ ہو تو خدا کے ذکر سے اس کو اطمینان قلب کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو اس حقیقت کی طرف بڑے زوردار الفاظ سے متوجہ کیا ہے کہ دلوں کو خدا کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے (الابذکر اللہ تطمئن القلوب) تاکہ انسان سمجھ لے کہ اس کا قدرتی مقصود خدا ہی ہے:

اقبال لکھتا ہے:

"فلسفہ کا کام اشیاء کا علمی مطالعہ ہے اور اس حیثیت سے وہ ایسے تصور سے آگے بڑھنے کی فکر نہیں کرتا، جو تجربے کی گوناگوں انواع کو ایک نظام میں منسلک کر دیتا ہے۔ گویا وہ حقیقت کا مشاہدہ دور سے کرتا ہے۔ اس کے برعکس مکاشفہ قلبی حقیقت کو قریب سے دیکھتا ہے۔ اول الذکر محض نظریہ ہے اور آخر الذکر یعنی مکاشفہ، ایک زندہ تجربہ حقیقت کے ساتھ ایک رابطہ اور قرب کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ قرب حاصل کرنے کے لئے فکر کو اپنی سطح سے بلند ہونا چاہئے اور اپنی تکمیل قلب کے اس رجحان کی شکل میں کرنا چاہئے، جسے مذہب کی زبان میں عبادت کہتے ہیں اور یہی لفظ پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے آخری الفاظ میں سے ایک تھا۔"

(تشکیل الاہیات جدید)

اگر آدمی علم کی حد سے گذر کر عبادت کے میدان میں قدم رکھے تو وہ محبت کی شیرینی اور محبوب کے دیدار کی نعمت دونوں خوش بختیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لئے
لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے
(صفحہ ۴۸۲)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی کتاب "حکمت اقبال" کے بعد اب ہم ڈاکٹر موصوف کی دوسری کتاب "پاکستان کا مستقبل" سے تفصیلی اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں لکھی گئی تھی اور انہی دنوں میں شائع ہوگئی تھی۔

زندگی کی ساری کل کو حرکت میں لانے والی قوت

زندگی کی ساری کل کو حرکت میں لانے والی قوت فقط ایک ہے اور وہ نصب العین کی محبت ہے۔ نصب العین مختلف درجوں اور بلندیوں کے ہوتے ہیں۔ ہر نصب العین اپنا الگ ایک قانونِ اخلاق رکھتا ہے، جس پر اس نصب العین کو ماننے والے بشرطیکہ وہ دل سے اس کو مانتے ہوں، نصب العین کی اندرونی کشش کی وجہ سے پوری رغبت کے ساتھ اور کسی بیرونی مجبوری کے بغیر عمل کرتے ہیں۔ جس قدر کوئی نصب العین بلند ہوتا ہے یعنی اپنے اوصاف کے لحاظ سے تصور کامل کے قریب ہوتا ہے، اسی قدر اس کا قانون اخلاق بھی بلند ہوتا ہے۔ اور جس قدر کوئی نصب العین پست اور ناقص ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کا مقرر کیا ہوا قانونِ اخلاق بھی پست اور ناقص ہوتا ہے، تاہم جس قدر کوئی قوم اپنے نصب العین سے زیادہ محبت رکھے گی، اسی قدر وہ اس نصب العین کے مقرر کیے ہوئے قانونِ اخلاق پر سختی سے عمل کرے گی۔ اس وقت دنیا کی ہر قوم کا نصب العین ناقص اور پست ہے۔ لیکن چونکہ دنیا کی ہر قوم اپنے نصب العین سے شدید محبت رکھتی ہے وہ اس کے مقرر کیے ہوئے قانون اخلاق پر (اگرچہ وہ ایک پست اور ناقص نصب العین کا قانونِ اخلاق ہونے کی وجہ سے پست اور ناقص) شدت کے ساتھ عمل کرتی ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتی کہ اس راہ میں اسے کتنی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں میں اپنے نصب العین کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کرنے کی استعداد ہے۔ اس کے برعکس گو مسلمان کا نصب العین صحیح اور بلند ہے اور اس کا قانون اخلاق بھی ویسا ہی صحیح اور بلند ہے، لیکن چونکہ مسلمان اپنے نصب العین کی محبت سے محروم ہیں۔ وہ اس کے قانون اخلاق پر بھی عمل پیرا نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر بہت سی باتوں میں مسلمان پر سبقت رکھتا ہے (صفحہ ۳۲-پاکستان کا مستقبل: ڈاکٹر رفیع الدین)

پست نصب العین سے وقتی عروج کا حاصل ہونا

اگر دوسری قوموں کی طرح مسلمان وطنیت جیسے کسی پست نصب العین سے شدید محبت پیدا کرلیں تو وہ بھی دوسروں قوموں کی طرح محدود قسم کی اخلاقی خوبیوں سے آراستہ ہو کر ایک محدود عرصے کے لیے کچھ عروج اور ترقی حاصل کرسکتے ہیں، لیکن خواہ مسلمان اسلام سے پوری طرح عقیدت رکھیں یا نہ رکھیں، اسلام جیسے ایک کامل نظامِ تصورات سے ایک دفعہ آشنا ہونے کے

Marfat.com

بعد ان کے لیے ممکن نہیں رہا کہ اب وہ کسی پست نصب العین سے ایک ایسی شدید محبت پیدا کر سکیں، جو غیر مسلم قوموں کے لیے ممکن ہے۔ مسلمان قوم کے لیے واپس جانے کا راستہ کوئی نہیں، صرف آگے جانے کا راستہ موجود ہے۔ اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں تو ان کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ پھر اسلام ہی سے اپنی محبت کو زندہ کریں۔ اور اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ اس محبت کی راہ میں مغرب کے غلط تصورات نے جو رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں پہلے ان کو ہٹائیں۔ اگر مسلمان اسلام سے اپنی پہلی محبت کو پھر زندہ کر لیں (اور یہ ممکن ہی نہیں بلکہ اس کا ہونا ضروری ہے) تو پھر ان کو دوسری قوموں کی طرح عارضی عروج نہیں، بلکہ اختتام تک عروج حاصل رہے گا۔ (صفحہ ۳۴)

مخلصانہ عبادت سے جذبہ حسن کا سطح شعور پر ابھر آنا

قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں، جسے کسی مصنف نے لکھ کر یا لکھوا کر دوسروں کے سر تھوپ دیا ہو کہ تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے، اس پر عمل کرو، ورنہ تمہیں آگ میں جھونکا جائے گا۔ بلکہ قرآن انسان کے تحت الشعور کا وہ بے پناہ اور ناقابل گریز جذبہ حسن ہے جس کے اظہار اور اطمینان کے لیے ہر شخص بے تاب ہے، لیکن اس کے اظہار کی صحیح راہ نہیں پاتا۔ لیکن جب ایک مومن رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں مخلصانہ طور پر اور کثرت سے خدا کی عبادت کرتا ہے تو اس کا جذبہ حسن سطح شعور پر ظاہر ہو جاتا ہے اور اپنے صحیح مقصد کو پا کر اطمینان حاصل کرتا ہے۔ معرفت کے اس درجہ پر ایک انسان کو یوں نظر آتا ہے کہ وہ گویا اپنی آنکھوں سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کر رہا ہے اور یہ کیفیت اس کے دل کو انتہائی سرور اور لذت سے بھر دیتی ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے بڑے زوردار الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

الذین آمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (۱۳ : ۲۸)

(ترجمہ) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن کے دل خدا کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ خبردار ہو کہ خدا کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

یہی احسان کا درجہ ہے جس کی تشریح کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ (رواہ بخاری)

(ترجمہ ("احسان کے معنی یہ ہیں کہ تو خدا کی عبادت اس طرح سے کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ (صفحہ ۴۰)

Marfat.com

مشاہدہ حق کے مقام پر نئے علم کا عطا کیا جانا

مشاہدہ حق کے اس مقام پر مؤمن کو ایک علم دیا جاتا ہے، جس سے دین کے رموز و اسرار اس پر آشکار ہوتے ہیں اور وہ حقائق دینی کا ذاتی احساس کرتا ہے، لہٰذا اس مقام پر وہ احکام شریعت اور اصول و اخلاق کی پابندی مجبوری سے نہیں، بلکہ ایک ایسی رغبت اور خواہش سے کرتا ہے، جس کا روکنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اسے قرآن کے مطالب سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اصل علوم جو اس کی فطرت میں ودیعت کئے گئے تھے اس پر عیاں ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنی فطرت کے علوم کو جو اب اس کے لیے ایک زندہ اور متکلم علوم کی حیثیت اختیار کر چکا ہوتا ہے اس قرآن سے جو کتاب کی صورت میں اس کے سامنے ہوتا ہے، مقابلہ کر کے دیکھتا ہے تو دونوں کو ایک دوسرے کے عین مطابق پاتا ہے۔

قرآن نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

بل هو ایت بینت صدور الذین اوتوا العلم (۲۹:۴۹)

(ترجمہ) بلکہ یہ قرآن واضح آیات پر مشتمل ہے، جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں علم سے دینی حقائق کی ایسی واقفیت مراد نہیں، جو درس و تدریس، تفسیر اور عربی زبان کی لغت اور گرائمر کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔

بلکہ حقیقت کا وہ ذاتی مشاہدہ، تجربہ یا احساس ہے، جس کی بنا پر ایک انسان خدا اور اس کے فرشتوں کی طرح اپنے ذاتی علم سے قرآن کی صداقت کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کا علم رکھتے ہیں ان کے لیے قرآن نے اولوا العلم، راسخون فی العلم، الذین اوتوا العلم اور علماء کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

بل هو ایت بینت فی صدور الذین اوتوا العلم

ترجمہ: بلکہ یہ قرآن واضح آیات پر مشتمل ہے، جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جو علم دیے گئے ہیں۔ (صفحہ ۴۱)

قرآن کے داخلی علم کے بغیر قرآن کو خارجی ذرائع سے سمجھنے کی کوشش خواہ ان میں لغت کی موشگافیوں اور گرائمر اور منطق کی باریک بینیوں سے کتنا ہی کام لیا جائے، کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ مضر ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسلام میں فرقوں کے اختلافات ان ہی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ مطالب قرآن کا اندرونی علم ایسا ہے جیسے دن کے وقت راستہ پر چلنا اور اس کے بغیر قرآن کو سمجھنے کے لیے ذہنی کاوش سے کام لینا ایسا ہے، جیسے تاریکی میں راستہ ٹٹولنا۔ جو لوگ قرآن

Marfat.com

کا داخلی علم حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کو قرآن کے مضامین و مطالب ازبر ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس علم کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ مغزماری کے باوجود اس کے مطالب پر حاوی نہیں ہو سکتے۔ (صفحہ ۴۰ سے ۴۲)

ہدایت یافتہ فطرت، کتاب اللہ کے مفہوم کو بگڑنے نہیں دیتی

اب جوں جوں کائنات کا ارتقاء ہوگا یعنی جوں جوں نوعِ انسانی اپنے جذبہ حسن کا زیادہ سے زیادہ اظہار اور اطمینان کرنا سیکھے گی، وہ قرآن کو زیادہ صحیح، زیادہ واضح اور زیادہ منظم طریق سے سمجھنے لگے گی اور ہمارے اختلافات (اسلام کے اندر یا باہر) خواہ اس وقت کتنے ہی شدید نظر آتے ہیں، رفتہ رفتہ کم ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ آخر کار بالکل مٹ جائیں گے، اللہ کی کتاب ہماری فطرت کی راہنمائی کرتی ہے اور ہماری ہدایت یافتہ فطرت کتاب اللہ کے مفہوم کو بگڑنے نہیں دیتی۔ اور اس طرح سے کتاب اللہ اور فطرۃ اللہ جو اصل میں دونوں ایک ہیں، دونوں ایک دوسرے کی حفاظت کرتی ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون۔

ترجمہ: بے شک ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان بھی ہیں۔

انسان کے فطرتی جذبۂ حسن ہی کی وجہ سے ایک پیغمبر خدا کی وحی پاتا ہے اور اسی کی وجہ سے ایک غیر معمولی ذہانت کے انسان genious کے دل میں علمی صداقتوں کا القاء ہوتا ہے۔ (صفحہ ۴۳)

انسانی نفسیات کا قوی ترین جذبہ نصب العین کی کشش ہے

خوش قسمتی سے اس بیسویں صدی میں علم کے دونوں شعبوں یعنی علم الانفس اور علم الآفاق میں علم کی ترقی اس مقام پر پہنچ گئی ہے، جہاں قرآن کا یہ نظریہ آسانی کے ساتھ فطرتِ انسانی کے ایک ایسے گوشے "منظم اور عقلی طور پر مرتب علم" کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے، جس کی ضرورت میکڈوگل اور اس جیسے دوسرے لوگ اس زمانہ میں شدت سے محسوس کر رہے ہیں اور یہ کام فلسفۂ خودی کی صورت میں انجام کو پہنچا ہے۔ شعور انسانی سے باہر کی دنیا کو قران کی اصطلاح میں آفاق کہا گیا ہے اور شعور انسانی کی دنیا کو انفس۔ علم الآفاق میں طبعیات Physics اور علم الحیات شامل ہیں اور علم الانفس علم النفس Psychology پر مشتمل ہے۔

ارتقاء کو تین بڑی منزلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور وہ ہیں مادہ، حیوان اور انسان اور ان کے مقابل میں علم کی بھی تین ہی بڑی قسمیں ہیں۔ علم طبیعیات جو مادہ کے خواص سے تعلق رکھتا ہے۔

Marfat.com

علم الحیات جو حیوان کی ماہیت کا مطالعہ کرتا ہے اور علم النفس جو انسان کے شعور سے تعلق رکھتا ہے۔ جس علم کو ہم فلسفہ کہتے ہیں اور جس کا کمال فلسفہ خودی ہے وہ درحقیقت نفسیات کائنات کا مطالعہ ہے اور علم کی تینوں اقسام اس کی شاخیں ہیں۔

اگر انفس اور آفاق کے تازہ علم کی روشنی میں ہم فطرتِ انسانی کے متعلق قرآن کے نظریہ کا جائزہ لیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس کی تہ میں علم النفس کی وہ قیمتی حقیقت پوشیدہ ہے، جس کے نہ جاننے کے سبب سے تمام فلسفیوں نے اپنے اپنے استدلال میں ٹھوکریں کھائی ہیں اور غلط اور گمراہ کن فلسفے پیدا کیے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان کی نفسیات کا قوی ترین جذبہ نہ تو روٹی کی کشش Urge for hunger ہے، جیسا کہ کارل مارکس کے ذہن میں آیا، نہ جنس کی کشش sex urge ہے جیسا کہ فرائڈ نے خیال کیا اور نہ حب استیلاء Urge for power ہے، جیسا کہ میکڈوگل کو نظر آیا۔ بلکہ وہ نصب العین کی کشش Urge for ideal ہے اور فلسفۂ خودی اس کے تصورِ ثبوت میں ایسے علمی شواہد اور حقائق مہیا کرتا ہے، جن کی روشنی میں اس کے مقابل کے تمام تصورات جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے غلط نظر آتے ہیں اور جن کی وجہ سے کسی دیانت دار شخص کو اس تصور کے تسلیم کر لینے میں دقت نہیں ہوتی۔ (صفحہ ٦٠-٦١)

سارے اجتماعی انسانی علوم میں فساد کی جڑ

دنیائے علم میں اس تصور کے داخل ہونے سے سارے علم کا رخ بدل جاتا ہے اور تمام علمی حقائق کے اندر ایک اطمینان بخش ترتیب اور دلکش انتظام پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز بھی اس بات کا ایک ثبوت ہے کہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ اس تصور کے تسلیم کرنے کے بعد ہم علم کی ایک ایسی توجیہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور علم کی ایک ایسی شاہراہ پر چل نکلتے ہیں، جو ہمیں بالآخر کائنات کے سربستہ رموز تک پہنچا دیتی ہے۔ فلسفۂ تاریخ معاشیات، علم النفس، فلسفۂ اجتماع، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ تعلیم اور سارے انسانی اجتماعی علوم میں جس قدر انتشار اس وقت موجود ہے اور فطرتِ انسانی کے متعلق دورِ حاضر کی جس قدر لاعلمی ہے، وہ اپنے تمام ہلاکت خیز نتائج سمیت صرف اس تصور کی لاعلمی سے پیدا ہوئی ہے۔ اس تصور کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی اب تک انسان کے لیے ممکن نہیں ہوا کہ وہ انصاف، نیکی، آزادی، سچائی، اخوت اور مساوات کی مانند اصطلاحات کی کوئی ایسی واضح اور معین تعریف کر سکے، جو سب کے لیے قابلِ قبول ہو۔ یا رنگ، نسل، قوم، ذات پات اور طبقات کے جھگڑوں کا کوئی علمی حل پیدا کر سکے یا افراد اور اقوام کو اخلاقی اصولوں کی پابندی پر آمادہ کر کے خونریزی کا انسداد کر سکے۔ یا امن و اتحادِ عالم کی تعمیر کے لیے صحیح خطوط پر کوئی ایسا کام کر سکے، جو دن بدن اسے کامیابی کے قریب تر لاتا جائے۔ (صفحہ ٦٢)

Marfat.com

خودی کا نیا جنم کیسے ہو؟

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے نور محبت یا علم سے بہرہ ور ہوں تو ہمیں چاہئے کہ ہم کچھ عرصہ کے لیے عقل بہانہ جو کی کشمکش کو موقوف کر کے رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اس طرح سے انحصار کریں، جس طرح سے ایک جنین اپنی نشوونما کے لیے ماں کے جسم پر پورا پورا انحصار کرتا ہے۔ فقط اسی صورت میں ہم اپنی خودی کا وہ جنم پا سکتے ہیں، جس کے بعد خودی کا ارتقا شروع ہوتا ہے۔ پھر رسول کی پیہم اطاعت کی وجہ سے ہماری خودی کے ارتقاء کا ایک ایسا دور بھی آئے گا، جب دین کے اسرار ہم پر کھل جائیں گے اور ہم نیک و بد کا ذاتی امتیاز کرنے لگ جائیں گے، ارتقائے خودی کے اس نقطہ پر ہمیں اعتقاد اور عمل میں رسول ﷺ کے ساتھ ایسی مشابہت حاصل ہو گی، جو بیٹے کو شکل و صورت میں اپنے باپ سے ہوتی ہے، کیونکہ ہمیں رسول ﷺ کی روحانی ابنیت کا فخر حاصل ہو گا۔ قرآن میں بارہا آل (اولاد) کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو ایک آقا سے جذباتی اثر یا کسی نصب العین کی محبت قبول کرتے ہیں۔

جس طرح حرارت ایک بلند درجۂ رکھنے والے جسم سے گذر کر کم درجۂ حرارت رکھنے والے اجسام میں جو اس سے چھوتے ہوں، سرایت کرتی ہے یا جس طرح پانی ایک بلند سطح سے بہہ کر ان مقامات کو سیراب کرتا ہے، جو اس کے آس پاس نیچے کی سطح پر واقع ہوں۔ اسی طرح سے زندگی کی لہر اس مقام سے گذر کر جہاں وہ سب سے زیادہ بلندی پر ہوتی ہے، نوانسانی کو مستفید کرتی ہے۔ خودی کا نور پہلے ایک مقام پر فراہم ہوتا ہے اور پھر وہیں سے اردگرد میں پھیلتا ہے۔ خاتم النبیین کی ذات عالم انسانی میں خودی کا بلند ترین مقام ہے جہاں زندگی کا پانی فراہم ہوا ہے، تاکہ نوع انسانی کی فطرت کی پیاس کو بجھائے، اگر ہم زندگی کے پانی سے سیراب ہونا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے سرچشمہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ ایک گہرا دلی تعلق قائم کریں۔ ورنہ ہمیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ان تصریحات سے اگر یہ پتا چلتا ہے کہ خودی کا ارتقاء رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اطاعت جو ایک شدید محبت یا قلبی تعلق کا نتیجہ نہ ہو۔ اور محض ایک رسم یا عادت کی صورت میں رہ گئی ہو، ارتقائے خودی کے لیے مفید نہیں۔ کیونکہ دراصل وہ اطاعت ہی نہیں، بلکہ پابندی رسم یا زور عادت کا ظہور ہے۔ بظاہر رسمی یا عادی اطاعت والی اطاعت سے مختلف نہیں ہوتی۔ لیکن درحقیقت پہلی قسم کی اطاعت ضعف عقائد کا نتیجہ ہے اور پھل کے ایک چھلکے کی طرح ہے، جو بظاہر پھل نظر آتا ہے لیکن مغز سے خالی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی اطاعت بھی جسمانی تکلیف کے بغیر نہیں ہوتی۔ تاہم انسان کی خودی کی تربیت نہیں کرتی اور اسے

Marfat.com

روحانی ترقی کی منزلوں پر آگے نہیں لے جاتی، بلکہ کولھو کے بیل کی طرح وہیں کا وہیں رکھتی ہے۔ دوسری قسم کی اطاعت پختگیٔ عقائد سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ اس کا منبع ایک اندرونی جذب یا کشش ہوتا ہے اور وہ ایک بے ساختہ قدرتی عمل کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اس لیے اس میں مومن کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہ نوافل کی صورت میں رفتہ رفتہ اپنا پھل لاتی ہے۔ یعنی مومن کی محبت میں اضافہ کر کے اسے نوافل پر مائل کرتی ہے اور وہ خود بخود نوافل میں اضافہ کرتا جاتا ہے اور ان میں ایک دلی رغبت محسوس کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسے فرائض سے کم ضروری نظر نہیں آتے، جن عبادات کو نوافل کہا جاتا ہے۔ وہ درحقیقت فالتو اور غیر ضروری نہیں، جیسا کہ ہم میں سے بعض کا خیال ہے، وہ حد درجہ ضروری ہونے کے باوجود نوافل اسی لیے ہیں کہ ان پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ فرائض کی مخلصانہ ادائیگی سے جو مقامات مومن کی خودی کو یقینی طور پر حاصل ہوتے جاتے ہیں، ان مقامات پر وہ ایک زبردست اندرونی کشش کے ساتھ ان نوافل کی طرف زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ مائل ہوتا جاتا ہے اور اس طرح سے اپنی ترقی کا سامان خود بخود پیدا کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بنیادی احکام یا فرائض کے اندر جو انتہائی مقاصد مخفی ہیں ان کو خود بخود پالیتا ہے۔ شارع علیہ السلام نے مومن کی آزادانہ ریاضت اور عبادت کے لیے بہت سا میدان چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ خودی کی آزادانہ اور اختیاری جدوجہد اس کی انتہائی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ پس مخلصانہ اطاعت سے انسان کی خودی اپنے ارتقاء کی منزلوں کو طے کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی منزل پر جا پہنچتی ہے۔ جہاں اسے کہا جاتا ہے:

یا ایتھا النفس المطمئنہ، ارجعی الیٰ ربك راضية مرضيه فادخلی فی عبادی، وادخلی جنتی(۸۹ : ۲۷)

ترجمہ: اے روح مطمئن، اپنے پروردگار کی طرف چل۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ میرے بندوں میں شامل ہو اور میری بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ (صفحہ ۸۷ سے ۸۹)

قدرت کے مقاصد کے لئے عدم استعمال کی وجہ سے گرائے جانے کا خطرہ اور نئی قوم کو کھڑا کرنے کا امکان

خواہ ہم اسلام سے کتنے ہی روگرداں ہوں اور خواہ یہ بات ہمیں اس وقت کیسی ہی مشکل نظر آئے، لیکن اسلام پھر بھی اس دور کے غلط نظریات پر جو اسے برباد کر دینے پر تلے ہوئے ہیں، غالب ہو کر زندہ رہے گا۔ البتہ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہم سازگار حالات کے باوجود جو قدرت ہمارے لیے پیدا کر رہی ہے، قدرت کے ارادوں کے ساتھ تعاون کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس

Marfat.com

صورت میں ہم مقاصدِ ارتقا کے لیے بیکار بلکہ مضر سمجھ کر نظروں سے گرا دیے جائیں گے۔ سلطنت کی نعمت ہم سے چھین لی جائے گی اور ہمیں ذلت کی زندگی بسر کرنے اور آخرکار مٹ جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا اور ہماری جگہ کسی اور قوم کو کھڑا کر دیا جائے گا، جو اسلام کی خدمت کرنے اور لوگوں کی ملامت سے بے پرواہ ہو کر زمانہ کے باطل کے ساتھ ٹکر لینے کے لیے تیار ہو گی۔ پھر سلطنت، دولت، علم اور دنیا کی تمام نعمتیں اسی قوم کو دے دی جائیں گی۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محض میرے تخیل کی پیداوار نہیں، بلکہ قرآن حکیم کی متعدد آیات اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں:

یا ایها الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبهم و یحبونه اذلة علی المؤمنین اعذة علی الکفرین یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم. (۵ : ۵۴)

ترجمہ: مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین سے منحرف ہو جائے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اسے دوست رکھیں گے۔ مسلمانوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت ہوں گے۔ خدا کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کا باک نہ رکھیں۔

ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لایکونوا امثالکم. (۴۷ : ۳۸)

ترجمہ: اگر تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو خدا تمہیں مٹا کر تمہارے عوض میں اور قوم لائے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

جب ہم ارتقاء کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ زندگی تخلیق کے اس حصہ کو فروغ نہیں دیتی، بلکہ قائم نہیں رکھتی، جو مقاصد اور ارتقاء کے لیے مفید ثابت نہ ہو سکے۔ اسی بنا پر حیوانات کی لاکھوں قسمیں آج تک مٹ چکی ہیں اور اسی بنا پر سینکڑوں تہذیبیں اور ان کی حامل قومیں دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں اور قرآن نے ہمیں ان قوموں کی تاریخ سے بار بار عبرت دلائی ہے تاکہ ہم ان کی طرح نہ ہوں، بلکہ اپنے آپ کو مقاصد قدرت کے مددگار ثابت کر کے خدا کے انعامات کے حقدار بنیں۔

اولم یروا کم اهلکنا قبلهم من القرون انهم الیهم لا یرجعون. (۳۶ : ۳۱)

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کیا ہے اور وہ ہلاک ہونے کے بعد ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے۔

قدرت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کائنات میں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جہاں حالات سازگار پاتی ہے، وہاں ایک قدم آگے بڑھاتی ہے۔ پھر اگر حالات یعنی انسانوں کے اعمال اور افعال اس

Marfat.com

قدم کی موافقت کریں تو دوسرا اور تیسرا قدم اٹھاتی چلی جاتی ہے۔ اگر اس راستہ کے کسی مقام پر وہ مزید ترقی کے لیے حالات سازگار نہ پائے تو پھر پہلا قدم بھی واپس لے لیتی ہے اور ایک نئی کوشش کا آغاز کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی پیہم ترقی کے لیے موافق حالات پالیتی ہے۔ جب قدرت کے پہلے قدم کی واپسی عمل میں آتی ہے تو ایک قوم کا عروج زوال میں بدل جاتا ہے اور پھر ایک دوسری قوم کو آزمایا جاتا ہے اور اسے وہی مواقع دیے جاتے ہیں، جو اس قوم کو دیے گئے تھے۔ یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا:

ان تنصروا اللہ ینصرکم (۴۷ : ۷)

ترجمہ: اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ (صفحہ ۹۵ : ۹۷)

اسلام کے کامل نظریے کو اختیار کرنے والی ریاست کا مستقبل

بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ پاکستان ایک کمزور اور چھوٹا سا ملک ہے، جو بالخصوص ایٹم بم کے اس زمانہ میں دنیا کی بڑی طاقتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن قوموں کا عروج و زوال نہ تو ان کے ظاہری مادی اسباب پر منحصر ہے اور نہ ان کی قوت سعی و عمل پر، بلکہ اس کا دارومدار کائنات کی باطنی قوتوں کے عمل پر ہے۔ جو قوم بھی ان قوتوں کے نہ رکنے والے عمل کو اپنے موافق اور مطابق کرے گی، وہ زندہ رہے گی اور دوسری قومیں خواہ ان کے ظاہری اسباب کچھ ہوں، مٹ کر فطرت کی اس چہیتی قوم کے لیے راستہ صاف کر دیں گی۔ جس طرح سے ایک فرد کی خودی کے اندر جذبۂ حسن و کمال موجود ہے، اسی طرح سے کائنات کی خودی میں بھی ایک جذبۂ حسن کمال ہے اور قوموں کا عروج و زوال بلکہ کائنات کی ساری ارتقائی حرکت اس جذبۂ کے اظہار و اطمینان کے لیے ہے اور قدرت نے جو انسان میں جذبۂ حسن و کمال رکھا ہے، وہ بھی اسی غرض سے ہے کہ انسان اس کے ساتھ مل کر کام کرے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے، جو قوم کائنات کے اندرونی جذبۂ حسن و کمال کی موید ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں جو قوم آخر کار کامل نظامِ تصورات کو اپنی زندگی کی حقیقی بنیاد بنائے گی، وہ روئے زمین پر حکومت کرے گی۔ کیونکہ اس کے ظاہری حالات خواہ کیسے ہی مایوس کن ہوں، فطرت اسے عروج و کمال پر پہنچانے کے لیے بیتاب ہے، اگر وہ تہی دست و نادار ہوگی تو دولت دوسروں سے چھین کر اسے دے دی جائے گی۔ اگر اس کے پاس سامانِ جنگ نہ ہوگا تو اسے اجازت دے دی جائے گی کہ دوسروں کا سامانِ جنگ چھین کر اپنے قبضہ میں لے لے۔ اگر وہ بے علم و بے ہنر ہوگی تو اسے علم و ہنر سے آراستہ کیا جائے گا۔ اگر وہ عمل سے محروم ہوگی تو دوسروں کے ہاتھ پاؤں شل کیے جائیں گے اور اسے قوتِ سعی و عمل سے نوازا جائے گا۔ قدرت ان تمام ترقیوں سے جو وہ نوعِ انسانی کو آج تک نصیب کرتی رہی ہے، صرف ایک قوم کی تعمیر کرنا چاہتی ہے

اور وہ خاتم النبیین کی امت ہے۔ اگرچہ اس قوم کی تعمیر کے سامان کا بہت سا حصہ اس وقت دوسری قوموں میں بکھرا ہوا ہے، لیکن بالآخر وہ یکجا کر کے اسی قوم کے سپرد کیا جائے گا۔ مسلمان مطمئن رہیں کہ جو کچھ دنیا پیدا کر چکی ہے، وہ ان ہی کا ہے اور جو کچھ دنیا نے ابھی تک پیدا نہیں کیا، وہ خود پیدا کرنے والے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اسلام کو فی الواقع ایک کامل نظامِ تصورات کی حیثیت سے کام میں لائیں یعنی اسے اپنی سیاسی زندگی کا روحِ رواں بنائیں۔ (صفحہ ۹۹)

Marfat.com

راہ محبت کے نشیب و فراز

(حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل کتاب فوائد الفوائد سے انتخاب)

عمر کو ضیاء سے بچانے کی مثال

ایک بزرگ پیوستہ یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے کبھی خلق سے اختلاط نہ کرتے، ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کیوں خلق خدا سے احتراز کرتے ہیں۔ دنیاداروں سے کبھی گفتگو نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ دیکھئے، میں اپنے پیدا ہونے سے پہلے ایک مدت دراز تک جس کی تعداد سے اللہ تعالیٰ واقف ہے، معدوم تھا اور اب پھر معدوم ہو جاؤنگا اور سیکڑوں برس حالت معدومی میں گذر جائینگے۔ بس اس چند روزہ عمر کو جسے اس کثیر تعداد عدم کے درمیان پایا ہے۔ کیونکر ضایع کروں اور اشتغال خلق اور امور دنیا میں کھودوں۔ (۱۱۵)

تھوڑی سی عبادت کیلئے بہت زیادہ صدق و اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ (جو ظاہر ہے کہ طویل مجاہدات سے حاصل ہوتا ہے) اس کے بعد گفتگو ثمرہ مجاہدات کے بارے میں ہوئی۔

اصل مقصود دنیا سے بے نیازی ہے

فرمایا خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو مرید کیا اس کو یہ تلقین فرمائی کہ جو چیز اپنے لئے روا نہ رکھو، اسے دوسرے کیلئے بھی پسند نہ کرو، جو اپنے لئے چاہو، وہی دوسرے کے واسطے بھی چاہو۔ وہ مرید سن کر چلا گیا، کافی عرصہ کے بعد آیا، عرض کی کہ میں جس روز سے آپ کی حلقہ بگوشی میں داخل ہوا ہوں، اس روز سے

Marfat.com

اس امر کا منتظر ہوں کہ آپ مجھے نماز وروزہ درودووظائف کے متعلق کیا تلقین فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، جس روز تم مرید ہوئے ہو، اس روز تم کو کیا سبق دیا تھا، وہ شخص حیران ہوا آپ نے فرمایا، جب ایک سبق بھی یاد نہ ہو تو آگے اور کیوں کر دیا جائے۔

ارشاد فرمایا، ایک بزرگ تھے، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ نماز روزہ و درود ووظائف یہ جملہ ضروریات دیگ ہیں، اصل دیگ میں گوشت ہونا چاہئے۔ جب گوشت ہی نہ ہوگا ان مصالحوں سے کیا ہوسکتا ہے۔ فرمایا، گوشت ترک دنیا ہے۔ نماز اور وردووظائف مصالحہ جات ہیں۔ مرد کو لازم ہے کہ اول ترک دنیا کرے۔ ترک دنیا کا مطلب اپنی طبیعت کو کسی شے کی جانب نہ کرے (٦٥)

راز ظہور محرومی کا موجب ہوتا ہے

ارشاد فرمایا راز فاش کرنے سے محرومی ہوتی ہے، اور راز دیگر شایان نہیں رہتا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب ایک شخص اپنے کسی دوست سے راز کہے اور وہ اسے آشکارا کردے، یہ کہنے والا دوبارہ اس سے راز نہ کہے گا۔

پھر فرمایا، اولیاء جب غلبہ شدت میں ہوتے ہیں اس عالم مدہوش میں کوئی راز ان سے ظاہر ہوجاتا ہے۔ لیکن کامل وہ ہیں جو کسی حال میں بھی راز فاش نہیں ہونے دیتے۔ (٧١)

عمدہ چیز کے حصول کے لئے مکروہ چیز کا ترک ضروری ہے

ترک دنیا کے بارے میں بہت غلو فرمایا۔ اسی ضمن میں ارشاد فرمایا کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہوا جس نے مکروہ چیز کو چھوڑا ہو اور اسے کوئی شریف و عمدہ چیز حاصل نہ ہوئی ہو۔ (٢٩)

حضرت ابا بکر کا عظیم ایثار

ارشاد فرمایا ایک بار حضرت ابو بکر صدیقؓ چالیس ہزار دینار برائے نذر حضرت سرور کائنات ﷺ لائے تھے، آپ کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور جابجا اس میں پیوند لگے ہوئے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اسی وقت تشریف لائے، پوشش حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بھی کمبل تھی، جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل، آج کیسا لباس پہنے ہوئے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آج جملہ ملائک زمین و آسماں کو حکم ہوا ہے کہ ہموافقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کمبل اسی طرح کا اوڑھیں۔ (صفحہ ۱۰۵)

(مہمان کی خدمت نہ کرنا مردنی کی علامت ہے)

فرمایا حدیث شریف میں وارد ہوا ہے من زار حیاولم یرزق منه شیئا فکانما زار میتا یعنی جس نے زندہ آدمی سے ملاقات کی، اس نے اسے کوئی چیز نہ کھلائی تو گویا وہ مردہ سے ملا تھا۔

اس کے بعد حضرت زکریا بہاؤالدین ملتانیؒ کی یہ حکایت بیان فرمائی کہ ان کی رسم تھی کہ جب کوئی شخص ان کے پاس آیا تھا تو وہ اسے کھانا نہ دیتے تھے، اسی نے ان سے اوپر کی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا بیشک یہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن اہل خلق اس حدیث کے معنیٰ نہیں جانتے، خلق اللہ دو قسم پر منقسم ہے۔ خاص و عام۔ مجھے عام سے تعلق نہیں اور خاص سے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں کرتا ہوں اور وہ اس سے مستفید ہوتے ہیں اور سیر ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا صحابہ آنحضرت کی خدمت میں آتے تھے البتہ کچھ کھا کر واپس جاتے تھے۔ (صفحہ ۲۴۳)

Marfat.com

نصیحت تنہائی میں کرنا چاہیئے

ارشاد فرمایا جب کسی شخص کو نصیحت کرو، لازم ہے کہ تنہائی میں کرو، علانیہ نصیحت کرنا اس کو ملامت کرنا ہے، نصیحت ہمیشہ تنہائی میں کرنا چاہیئے۔ (۲۴۵)

بقائے زندگی اور قوت عبادت کی خاطر ازدواجی تعلق رکھنا اور غذا کھانا

ایک حکایت بیان فرمائی، ایک بزرگ دریا کے کنارے رہا کرتے تھے، اس دریا کے پار ایک دوسرے بزرگ کا قیام تھا، ایک روز انہوں نے کھانا اپنی اہلیہ کو دیا اور کہا کہ یہ کھانا سر پر رکھ کر دریا عبور کر کے اس مرتاض شخص کو دے آؤ۔ بیوی نے کہا کہ دریا میں پانی زیادہ ہے۔ دریا عبور کرنا مشکل ہے۔ شیخ نے کہا کہ دریا کے کنارے پہنچ کر تو دریا سے کہنا کہ اے پانی تو اس حرکت سے کہ میرے شوہر نے مجھ سے کبھی صحبت نہیں کی ہے۔ مجھے راستہ دیدے۔ عورت یہ سن کر سخت متعجب ہوئی اور دل میں کہنے لگی کہ مجھے ان سے کئی بچے ہیں۔ یہ بات میں کس طرح کہہ سکتی ہوں، بہر حال عورت یہ سوچتی ہوئی دریا کے کنارے پہنچی اور پانی سے اس نے وہی کچھ کہا، جو اس کے شوہر نے کہا تھا، پانی اسے راستہ دیدیا۔ اس نے بزرگ کو کھانا پہنچایا۔ بزرگ نے کھانا کھایا۔ اس نے بزرگ سے کہا کہ دریا سے گذرنے کے لئے گر بتایئے۔ بزرگ نے کہا پانی سے کہنا کہ اسی شخص کی حرمت سے جس نے تیس برس ہوئے کھانا نہیں کھایا۔ مجھے راستہ دو۔ دریاء نے عورت کو گذرنے کا راستہ دیا۔ عورت نے خاوند سے اس کی تشریح پوچھی، اس نے کہا، میں نے تجھ سے ہوائے نفس کی خاطر کبھی صحبت نہیں کی، جب بھی صحبت کی تیرے حق کی ادائیگی کی نیت سے کی، اسی طرح اسی مرد صالح نے ہوائے نفس کی خاطر کھانا نہیں کھاتے۔ جب بھی کھانا کھایا۔ بقائے زندگی و قوت عبادت کے کھایا۔

حضوری کا سیر ہونا

فرمایا سالک کو ہر وقت حضور میسر ہونا سخت مشکل ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ اگر

Marfat.com

تھوڑی سی دیر حضور حاصل ہو جائے تو غنیمت ہے کہ دن کا باقی وقت بھی اس کے صدقے میں راحت سے گذر یگا۔ اسی طرح کسی جماعت میں اگر کوئی شخص صاحب ذوق ہو تو اس مجلس کے سارے لوگ اس کی پناہ میں ہونگے۔

فرمایا، جو شخص صاحب ذوق نہ ہو، اس کے سامنے اگر سارے زمانے کے ڈھول بجائے جائیں تو اس کو مطلق خبر نہ ہوگی۔ (۱۹۰)

فرمایا، اگر کوئی شخص ساری عمر روزے رکھے اور ہمیشہ قیام شب کرے اور زائر الحرمین بھی ہو، اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اصل چیز کو دنیا کی محبت سے خالی کرنا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویدار ہو اور اس کے دل میں دنیا کی محبت موجود ہو تو وہ شخص جھوٹا ہے۔ (۱۷۴)

نفس میں دو عالموں کی موجودگی

ایک جوگی نے مجھے بتایا تھا کہ ہماری کتب میں مرقوم ہے کہ انسانی نفس میں دو عالم موجود ہیں (دو دنیائیں) ایک سفلی دوسرا علوی عالم علوی سر سے ناف تک ہے، اور عالم سفلی ناف سے قدم تک ہے۔ عالم علوی میں جملہ صدق و صفا نیک اخلاق و حسن معاملہ وابستہ ہے اور عالم سفلی میں کل نگہداشت پاکی و پارسائی کا ذکر ہے۔ (۱۷۳)

اللہ کی ذات پر عدم اعتماد کے نتائج

فرمایا، ہر حالت میں بھروسہ اللہ پر رکھنا چاہئے اور کسی شخص کی امداد کا خیال نہ رکھنا چاہئے۔ بندہ کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک متاع دنیا اس کو اونٹ کے مینگنی کے برابر محسوس نہ ہونے لگے۔

اس کے بعد ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک کفن چور حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوا۔ سلطان العارفین نے اس سے پوچھا تو نے کتنے آدمیوں کا کفن چرایا ہے۔ اس نے جواب دیا، ایک ہزار آدمیوں کا۔

Marfat.com

آپ نے پوچھاان میں سے کتنے آدمیوں کارخ قبلہ کی طرف تھا۔جواب دیا،دو شخصوں کا منہ قبلے کی طرف تھاباقی سب کا پھرا ہوا تھا۔حاضرین نے خواجہ بایزید رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ اس کی وجہ بیان بیان فرمایئے، آپ نے فرمایا کہ صرف ان دو شخصوں کو اللہ کی ذات پر اعتماد تھا۔(۱۹۸)

شریعت محمدی ﷺ میں سہولتیں

دیگر انبیاء کے زمانے میں نماز سوائے اس جگہ کے جو اس کیلئے مقرر کی گئی تھی اور کہیں نہیں ہو سکتی تھی، مگر عہد رسول کریم ﷺ میں یہ مہربانی ہوئی کہ جہاں ممکن ہو سکے پڑھی جائے۔اسی طرح زکواۃ بھی انبیاء سابقین کی امتوں پر چوتھائی حصہ کا مال تھا۔جب کہ اپنی شریعت میں دو سو روپے پر پانچ روپے ہے۔

امر بالمعروف کے لئے نفس کو ابتلا و آزمائش کے مراحل سے گذارنا حضرت عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا انہوں نے ایک مدت سے خلوت اختیار کی تھی، ایک روز انہیں الہام ہوا کہ اگر ایک ہزار بلاو سزا کا تحمل کر سکو تو خلق خدا کو امر بالمعروف کرو، انہوں نے قبول کیا اور اپنے مقام سے باہر نکلے، ایک شخص نے دو تھپڑ مارے، اسی وقت ایک شخص نے پتھر کھینچ مارا، آپ ان ساری تکلیفوں کو شمار کرتے جاتے تھے، جب پورے ایک ہزار ہوئے۔اس وقت ان کو الہام ہوا کہ اب منبر پر چڑھکر وعظ کہو، انہوں نے عرض کی الٰہی، میں تو جاہل ہوں اور کوئی کمال علمی مجھے حاصل نہیں، میں وعظ کس طرح کہہ سکتا ہوں، اسی وقت الہام ہوا کہ تم منبر پر پاؤں رکھو، میں عطا فرماؤنگا۔(۱۷۴)

نافرمانی کے نتیجہ میں بادشاہوں کے دل کو سخت کر دینا

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کا دل میرے ہاتھ میں ہے۔جب خلق میرے ساتھ راستی اختیار کرتی ہے تو میں بادشاہوں

کو ان پر مہربان کر دیتا ہوں، جب ان کا معاملہ میرے ساتھ نافرمانی کا ہوتا ہے تو میں بادشاہ کو ان کیلئے سخت کر دیتا ہوں۔ (صفحہ ۲۲۲)

قلب کے کمال سے دوسرے کے قلب کو جذب کرنے کی صلاحیت کا پیدا ہونا

فرمایا: ایک بزرگ کا فرمودہ ہے کہ جو شخص میرے روبرو کھانا کھاتا ہے، میں اس کا مزہ اپنے حلق میں محسوس کرتا ہوں، باالفاظ دیگر وہ کھانا میں خود کھاتا ہوں۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخؒ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ کے سامنے کسی دیوانے کو ایک رسی زور سے ماری گئی، آپ نے ایک آہ اس شدت سے کھینچی گویا وہ ضرب آپ کو لگی ہے۔ اسی مجلس میں مدعی درویشانِ منکر بھی موجود تھا، اس نے تبسم ظاہر کیا۔ حضرت ابو سعید ابو الخیر نے اپنی پیٹھ کھولی اور اس کو دکھلائی، فی الواقع اس ضرب کا نشان آپ کی پیٹھ پر اس طرح تھا جس طرح مضروب کے جسم پر موجود پایا گیا۔

ایک شخص نے حضرت خواجہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ یہ امرِ محال ہے، کہ ایک شخص کو چوٹ لگے اور اس کا اثر دوسرے کو پہنچے، آپ نے ارشاد فرمایا جب روح قوی ہو کر کمال کو پہنچ جاتی ہے تو قلب کو جذب کر لیتی ہے اور قلب جب قوی ہوتا ہے اور کمال کو پہنچ جاتا ہے تو دوسرے کے قلب کو جذب کر لیتا ہے، اور اس حکم اتحاد سے جو قلب پر پہنچتا ہے، ممکن ہے صاحب کمال کے قلب پر بھی وہی واردات ظاہر ہو اور جسم اس کی طبیعت کرے۔ (فوائد الفوائد صفحہ ۱۶۳)

درویشی کی شرط

ارشاد فرمایا: درویشی یہ ہے کہ جب کوئی شخص آئے تو سلام کے بعد اس کے سامنے کھانا لایا جائے، اس کے بعد کلام کیا جائے۔ حدیث ارشاد فرمائی۔ ابدؤ بالسلام ثم بالعمام ثم بالکلام (صفحہ ۱۶۳)

Marfat.com

نور معرفت کے مقام سے نکلے ہوئے الفاظ کے اثرات

جب کوئی بات یا وعظ و نصیحت، صاحب نعمت کی زبان سے سننے میں آتی ہے تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور اس کے سننے سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہی بات کسی اور شخص سے سنی جائے تو اس سے کچھ ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا سبب خاص یہ ہے کہ بزرگ کی زبان سے وہ الفاظ ایسے مقام سے نکلتے ہیں جو نور معرفت سے آراستہ ہے۔

نفس سے ایک گھڑی کا مجادلہ ستر برس کی عبادت سے افضل ہوا

بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، اس نے ستر برس تک لگاتار اللہ کی عبادت کی تھی، اس قدر مجاہدے کے بعد اس کو ضرورت پیش آئی، اس نے حاجت کیلئے دعا کی، لیکن اس کی حاجت پوری نہیں ہوئی۔ وہ شخص تنہائی میں گیا اور اپنے نفس سے مجادلہ کرنا شروع کیا کہ اے نفس تو نے ستر سال تک اللہ کی عبادت کی ہے۔ اس میں اخلاص نہ ہوگا۔ اگر اخلاص ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا رد نہ کرتا۔ وہ اپنے نفس سے یہ مجادلہ کر رہا تھا کہ اس زمانے کے پیغمبر کو وحی آئی کہ اس عابد سے جاکر کہو کہ ایک گھڑی کا یہ مجادلہ ہمارے نزدیک ستر برس کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲۲۳)

اللہ کے بندہ کو یاد کرنا

بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، اس نے برسوں اللہ کی عبادت کی تھی، اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم ہوا کہ زاہد سے ملاقات کر کے اسے کہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے لئے فرماتا ہے کہ تو ناحق اس قدر عبادت کرتا ہے۔ ہم نے تجھے عذاب کیلئے پیدا کیا ہے۔ جس وقت پیغمبر وقت نے اسے یہ بات کہی، وہ شخص بے ساختہ ہو کر رقص کرنے لگا، پیغمبر نے کہا کہ عجز اور زاری کرنے کا مقام تھا یا فرحت و خوشی کا۔ زاہد نے کہا کہ مجھے تو دوزخ و بہشت سے کچھ تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ مجھے جہاں رکھے، میری عبادت

Marfat.com

قبول کرے یانہ کرے، میرے لئے یہی بات کافی ہے کہ میری یاد کی گئی۔ (صفحہ ۲۲۸)

نفس کے ساتھ ساتھ قلب سے کام لینا ضروری ہے

فرمایا دو چیزیں ہیں، ایک نفس دوسرا قلب۔ جب کوئی شخص نفس کی مطابقت کرنے لگے تو اسے قلب کی مطابقت بھی ضرور کرنی چاہئے۔ نفس میں تو ساری خصوصیت دشمنی اور شر ہی شر ہے، جب کہ قلب میں رضا و سکون اور اللہ سے محبت ہے۔ نفس کے ساتھ ساتھ قلب سے بھی کام لیا جائے تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے اور اگر نفس کا مقابلہ نفس سے کیا جائے تو فتنہ و فساد بڑھ جائیگا۔ (۲۲۷)

عُجب کا نتیجہ

حسن بصری کا واقعہ

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ہر شخص کو اپنے سے بہتر تصور کیا ہے، مگر ایک روز ایک شخص کو اپنے سے کم خیال کیا تھا، اس کی سزا مجھے دی گئی، اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک روز میرا گذر دریا کے کنارے پر ہوا، میں نے ایک حبشی کو دیکھا کہ وہ ایک صراحی اور جام اپنے پاس رکھے ہوئے ایک عورت کو اپنے برابر بٹھائے ہوئے تھا اور اس سے مکالمہ کر رہا تھا اور صراحی سے کچھ چیز نکال کر پی رہا ہے۔ یہ دیکھکر مجھے خیال ہوا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ میں یہ خیال کر رہا تھا کہ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کشتی جس میں سات آدمی سوار ہیں بھنور میں آکر غرق ہونے لگی، اور قریب تھا کہ وہ آدمی ڈوب جائیں، حبشی اس صورتحال کو دیکھکر فوراً دریا میں کودا اور چھ دفعہ کود کر چھ آدمیوں کو نکال لایا، ساتویں آدمی کے بارے میں اس نے مجھے کہا کہ اے حسن، اس کو تم نکالو، خواجہ حسن فرماتے ہیں کہ یہ حال دیکھ کر میں سخت متحرک ہو گیا کہ وہ ساتویں شخص کو بھی نکال لایا۔ اور کہنے لگا کہ اے حسن، اس صراحی میں شربت ہے اور

یہ عورت میری والدہ ہے، تیرا امتحان لینے کیلئے میں یہاں بیٹھا تھا۔ خیر، معلوم ہوا کہ تم ظاہر بین ہو۔ (صفحہ ۱۵۴)

کچھ اہم نکات

حضور علیہ السلام کی خدمت میں جبرئیل علیہ السلام آئے، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱) جوان توبہ کرنے والا۔ (۲) آنکھ رونے والی (۳) دل خوف خدا سے ڈرنے والا۔

اس کے بعد گفتگو اس بارے میں ہوئی کہ اہل خلق بزرگان دین کی خدمت میں تحفہ و نذر لاتے ہیں۔ پس کون سی چیز نذر کرنا بہتر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کی خدمت میں ایک شخص نے چھری بطور نذر پیش کی، آپ نے واپس فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے پاس چھری نہ لائی جائے کہ اس کا کام قطع کرنا ہے۔ میرے پاس سوئی ہونی چاہئے کہ اس کا کام پیوند کرنا ہے۔ میں فصل کرنے کے واسطے نہیں ہوں، پیوند کرنے کے واسطے ہوں۔ اس کے بعد گفتگو اس بارے میں ہوئی کہ اہل خلق ایک دوسرے کا عیب بیان کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، عیب جو عیب گو سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ عیب مجھ میں ہے یا نہیں۔ اگر وہ عیب اس میں موجود ہو تو اس کو شرم کرنی چاہئے کہ میں کس منہ سے دوسرے کا عیب بیان کروں، کہ خود معیوب ہوں، اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تو شکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عیب سے اپنی پناہ میں رکھا ہے۔ اور زبان طعن نہ کھولنی چاہئے۔ (صفحہ ۳۵۳)

طالب کے ورود و وظائف میں ناغہ اس کے لئے موت کے برابر ہے

فرمایا مرد متعبد سے جب کوئی وظیفہ یا ورد فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کے واسطے موت کے برابر ہے۔ (صفحہ ۳۵۱)

Marfat.com

ایک ہی قسم کے خوابوں کی دو مختلف تعبیریں

اس کے بعد فرمایا ایک لشکری نے شیخ بہاؤالدین ذکریا رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا، آپ نے تعبیر میں ارشاد فرمایا کہ تیری موت قریب ہے۔ توبہ و استغفار میں مشغول ہو۔ اس کے خانقاہ سے نکلتے ہی ایک صوفی نے حاضر ہو کر اسی طرح اپنا خواب بیان کیا، شیخ متحیر ہوئے کہ وہ مرد لشکری ہے۔ کسی لڑائی میں اس کا واقعہ ہو گا۔ مگر یہ صوفی ہے، اس کا لڑائی بھڑائی سے کیا کام جو شہید ہو۔ آپ متفکر تھے کہ اس وقت خبر پہنچی کہ وہ لشکری لڑائی میں مارا گیا اور اس صوفی کی صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ (صفحہ ۲۵۱)

آخرت کا غنی

ارشاد فرمایا جو شخص دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو، وہ بہشت میں سب سے زیادہ غنی ہو گا۔ مگر شرط اسلام ہے۔ (صفحہ ۳۵۱)

فرد کی خرابی کا سبب بڑا پن ہے

فرمایا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا فرد کب بد (خراب) ہوتا ہے، آپ نے فرمایا جب وہ خود کوئی چیز سے اچھا سمجھنے لگتا ہے۔

اسی وقت یہ حکایت فرمائی کہ فرزدق نامی ایک شاعر تھا، ایک مرتبہ وہ حضرت حسن بصری کی مجلس میں حاضر تھے، اس وقت کسی نے زور سے پکار کر کہا کہ لوگوں میں سے ایک بہترین آدمی اور لوگوں میں سے ایک بدترین شخص اس مجمع میں موجود ہیں۔ فرزدق شاعر نے یہ سنتے ہی حضرت بصری سے کہا کہ آپ نے اس شخص کی آواز سنی، خواجہ حسن نے ایجاب کیا اور ارشاد فرمایا کہ واللہ اعلم۔ اس مجمع میں اچھا اور برا کون ہے۔ فرزدق نے یہ سنتے ہی کہا کہ اس مجمع میں بدترین مرد میں ہوں۔ جب فرزدق کا

Marfat.com

انتقال ہوا، کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا، فرزدق نے کہاجب مجھے کرسی، قضا کے روبرو لے گئے تو میں ڈرنے لگا، اسی وقت فرمانا ہوا کہ ہم نے اُس کو اس روز بخش دیا تھا، جس روز اس نے خود کو بدترین مرد ماں سمجھا تھا۔ (صفحہ ۳۴۲)

بوعلی سینا کے علم کے بارے میں شیخ ابوسعید کی رائے

فرمایا: شیخ ابوسعید ابوالخیر اور حکیم ابوعلی سینا کی آپس میں ملاقات تھی۔ ابوعلی سینا نے ایک شخص آپ کی خدمت میں اس لئے چھوڑ رکھا تھا کہ میری غیبت میں آپ کچھ ارشاد فرمائیں تو وہ مجھے لکھکر بھیجدیں۔ حضرت ابوسعید کو کیا غرض تھی جو ابوعلی سینا کا ذکر کرتے، اس وجہ سے وہ مخبر ایک عرصہ تک تحریر سے قاصر رہا۔ آخر الامر حکیم ابوعلی سینا نے اپنے حاضرباش کو تحریر کیا کہ اگر شیخ میرا ذکر خود نہیں کرتے تو تم میری نسبت دریافت کرو کہ ابوعلی سینا کیسا آدمی ہے۔ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل میں اس شخص نے ایک روز آپ سے دریافت کیا۔ ابوعلی کیسے آدمی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ ایک مرد ہے حکیم دانا۔ عالم اور طبیب لیکن مکارم اخلاق نہیں رکھتا ہے۔ اس شخص نے وہ واقعہ ابوعلی سینا کو یہ واقعہ لکھ کر بھیجا، اس نے حضرت کو لکھا کہ میں علم اخلاق کا عالم ہوں اور میں نے بہت سی کتابیں علم اخلاق میں لکھی ہیں۔ آپ مجھے کس وجہ سے بے خبراز علم اخلاق فرماتے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھو ابھیجا کہ میں نے تم کو علم اخلاق سے جاہل نہیں کہاہے بلکہ یہ کہاہے کہ ابوعلی سینا کو مکارم اخلاق حاصل نہیں ہے۔ (۳۰۹)

فرمایا، حضرت بایزید بسطامی نے ماا عظم شانی کہا تھالیکن آخر عمر میں اس سے توبہ کرلی تھی اور فرماتے تھے کہ میں اس سے پیشتر یہودی تھا اب اپنا زنار توڑتا ہوں اور از سر نو مسلمان ہوتا ہوں اور اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ کہتا ہوں۔ (۳۱۴)

Marfat.com

عمر سے قوت وضعف کے اثرات

ارشاد فرمایا: مولانا نور الدین ترک کو ایک صاحب نے دو من چاول نذر کئے، آپ نے قبول فرمائے، اس شخص کو بڑا تعجب ہوا، اس لئے کہ اسے معلوم تھا کہ ایک مرتبہ سلطان رضیہ نے آپ کی خدمت میں زر خطیر بھیجا تھا اور آپ نے قبول نہ فرمایا تھا اور لانے والے پر بہت خفا ہوئے تھے۔ آپ سے اس کا باعث دریافت کیا، ارشاد فرمایا، میں اس زمانے میں جوان تھا۔ اب وہ قوت وحدت مجھ میں باقی نہیں رہی۔ کیونکہ ضعیف ہو گیا ہوں۔ (صفحہ ۳۱۹)

اسراف کی حدود وعدم حدود

بندہ نے دریافت کیا، اسراف کی حد کہاں تک ہے۔ ارشاد فرمایا، جو کچھ بے نیت دیں، واسطے خدا کے نہ دیں، اگرچہ ایک دمڑی بھی دیں، وہ اسراف ہے۔ اگر خدا کے واسطے تمام دنیا دے ڈالیں تو اسراف نہیں۔ (۳۲۱)

دنیا کا نہ چاہنا، خود چاہنے کی دلیل ہے

فرمایا، ایک شخص کہتا ہے مجھے دنیا نہیں چاہئے۔ یہ نہ چاہنا بھی اس کے چاہنے کی دلیل ہے۔ اصل میں خواست حق پر شاکر رہنا چاہئے۔ بندہ کو چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا کام۔ (صفحہ ۳۲۲)

قفل سعادت کی کنجیاں

معمولی کنجی کو بھی لاحاصل نہ سمجھا جائے

سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ اس میں سے کون

Marfat.com

سے کنجی سے سعادت کا تالا کھلے گا۔ بس تمام کنجیوں سے تالا کھولنا چاہئے۔ کہ اگر ایک سے نہ کھلے تو دوسرے، تیسرے۔ چوتھے سے ضرور کھلے گا۔(۳۲۳)

دل کی صفائی سے صورتوں کا دکھائی دینا

جب آدمی کا دل صاف ہو جاتا ہے تو اسے بہت ساری صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ افعال صبیح سے دل پر زنگ رہتا ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جب دل صاف ہو، ایسے ایسے بہت واقعات دکھائی دیتے ہیں۔(۳۲۶)

ایک عورت کو حضور کی رہنمائی

ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کیا مجھے دائم خون رواں رہتا ہے۔ میں وضو کیلئے کیا تدبیر اختیار کروں، آپ نے فرمایا ہر نماز کیلئے وضو کر لیا کرو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں۔ اگر خون بمقدار زیادہ رواں ہو گا وہ نماز اسی وضو سے ہو جائیگی۔(۳۲۴)

لسان قال کے بجائے لسان حالِ ہی انقلاب کا سبب بنتا ہے

ارشاد فرمایا۔ دو زبانیں ہیں ایک لسان قال دوسرے لسان حالِ پند و نصیحت لسان حال کی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ لسان قال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا مرشد اپنے مریدوں کو منع کریگا تو اس منع کرنے کی کچھ تاثیر نہ ہوگی۔(۳۰۷)

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی خوش خوراکی

ارشاد فرمایا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا فرض روزوں کے علاوہ دوسرے روزے بہت کم رکھتے تھے۔ عمدہ کھانا کھاتے تھے، لیکن عبادت بہت کرتے تھے۔ اکثر ارشاد فرماتے کلو من الطیبات و عملو صالحا یہ ارشاد فرما کر آپ نے فرمایا یہ آیت ان کے حق میں صادق

Marfat.com

تھی اور یہ مرتبہ ان کو حاصل تھا۔ (صفحہ ۳۰۰)

بزرگی کے دعویٰ کے اثرات و نتائج

خواجہ ابوالحسن نوری ایک روز دجلہ کے کنارے پر گئے، وہاں ماہی گیر کو دریا میں مچھلی پکڑتے دیکھا۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا تم دریا میں جال ڈالو، اگر میں صاحب کرامت ہوں گا تو جال میں پورے ڈھائی من کی آئیگی۔ الغرض اس ماہی گیر نے جال ڈال کر کھینچا، بڑی مچھلی پھنسی۔ جب وزن کیا گیا تو پورے ڈھائی من نکلی۔ جب یہ خبر حضرت جنید بغدادیؒ کو پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کاش اس جال میں سانپ پھنستا اور ابوالحسن کو ڈستا کہ ان کا خاتمہ اچھا ہوتا۔ اب نہ معلوم ان کا خاتمہ کس حال میں ہوگا۔ (۲۸۹)

تصرفات کے نتائجِ بد

فرمایا، ایک درویش تھے، جب کوئی درد شکم کا مریض آپ کے پاس آتا، آپ اس کو شکنبہ کھانے کو کہتے اور درد سر والے کو سری بریاں کھانے کو کہتے، الغرض جو زبان سے کہتے، اس کے کھانے سے درد اچھا ہو جاتا۔ علی شوریدہ نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کیجئے، ورنہ کسی بلا میں مبتلا ہو جائینگے۔ عاقبت الامر ایسا ہی ہوا وہ ایک بلا میں مبتلا ہوئے۔ اور علی شوریدہ سے دعا کے ذریعہ مدد چاہی، لیکن انہوں نے دعائے خیر نہ کی اور وہ درویش اسی حالت میں مر گئے۔ (۲۸۹)

خاتمہ بالخیر کے بارے میں لرزاں و ترساں ہونا

ایک بزرگ کا فرمودہ ہے کہ اگر مجھے اس امر کا اختیار دیا جائے کہ تم اپنی جان اپنے مکان میں نکلواؤ گے یہاں تم کو دولت ایمان ملے گی، اور فلاں جگہ دروازے سے باہر نکلوانے میں شہادت نصیب ہوگی، تو میں مکان میں جان نکلوانا قبول کروں گا کیونکہ

Marfat.com

مجھے امید نہیں ہے کہ اس جگہ تک پہنچتے پہنچتے میرے اعتقاد کا کیا حال ہو اور میں کس اعتقاد سے مروں اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد ہزار مسلمان مرتد ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کہا تھا کہ اگر زکواۃ معاف فرمائیں تو ہم مذہب اسلام میں رہیں گے۔ (۲۸۴)

عشاق کو کشاں کشاں بہشت میں لے جانا

فرمایا، ایک روایت میں آیا ہے کہ کل قیامت کے روز آمنا صدقنا طائفہ محبان کو بہشت بریں میں جانے کا حکم ہو گا، وہ عذر کرینگے کہ ہم نے تیری عبادت بہشت کی آرزو اور دوزخ کے خوف سے نہیں کی ہے۔ صرف تیری محبت کی وجہ سے عبادت کی ہے۔ ہمیں دوزخ یا بہشت سے سروکار نہیں۔ دوبارہ حکم ہو گا کہ بہشت میں جاؤ کہ وعدہ دیدار وصال اسی جگہ مقرر کیا گیا ہے۔ وہ پھر بھی نہیں جائینگے آخر الامر فرشتوں کو حکم ہو گا کہ ان کی گردنوں میں نور کی زنجیریں ڈال کر کھینچو، اور کشاں کشاں بہشت میں لے جاؤ۔ (۲۶۲)

تکریم قرآن کی بدولت بخشش کا ہونا

سلطان محمود غزنوی کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا، انہوں نے جواب دیا کہ مجھے بخش دیا اور سبب میری بخشش کا یہ ہوا کہ ایک شب مجھے ایک مکان میں رہنے کا اتفاق ہوا، وہاں طاق میں قرآن شریف رکھے ہوئے تھا، جس وقت نیند کا غلبہ ہوا، میرے دل نے چاہا کہ لیٹ جاؤں، لیکن طاق میں قرآن شریف رکھا ہوا ہونے سے میں نے یہ امر خلاف ادب جانا اور یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ اپنے آرام کے واسطے قرآن شریف کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھوں، چنانچہ اس رات ساری رات بیٹھا رہا اور جاگ کر صبح کی۔ اللہ تعالیٰ نے ادب کی وجہ سے مجھے بخش دیا۔ (صفحہ ۲۸۱)

Marfat.com

دجال کے خروج کا وقت

حضرت علیؓ کے دو اشعار ہیں۔ جب عورتیں گھوڑوں پر سوار ہونگی اس وقت دجال کے خروج کا خوف ہوگا (صفحہ ۳۸۳)

حسد اور غبطہ میں فرق

حسد اور غبطہ دو چیزیں ہیں۔ حسد یہ ہے کہ دوسرے شخص کی نعمت دیکھ کر جلے اور اس کا زوال چاہے۔ مگر غبطہ یہ ہے کہ دوسری کی نعمت دیکھ کر خود بھی منعم ہونے کی آرزو کرے۔ حسد حرام ہے اور غبطہ روا ہے۔ (۳۸۳)

لوگوں کے تین اقسام

ارشاد فرمایا، خلق کا معاملہ آپس میں تین قسم کا ہے۔

ایک وہ ہوتے ہیں جو نہ کسی کو نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان۔ ان کا حکم پتھر کے مانند ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔ لیکن نقصان نہیں پہنچاتے۔ یہ قسم اچھی ہے تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں، جو اپنی ذات سے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ جو شخص ان کو مضرت پہنچاتا ہے۔ اس پر صبر کرتے ہیں۔ درپے مکافات نہیں ہوتے۔ تحمل اختیار کرتے ہیں۔ یہ کام صدیقوں کا ہے۔ (صفحہ ۳۶۸)

بُرا کہنا اور بُرا چاہنا

بُرا کہنا خراب ہے لیکن بُرا چاہنا اس سے زیادہ بُرا ہے۔ پھر فرمایا: بزرگان دین کا فرمودہ ہے کہ مال صوفی کا وقف اور خون اس کا مباح ہے۔ جب یہ ارشاد ہے تو پھر بُرا

Marfat.com

ماننااور خصومت ہر گز نہ کرنا چاہئے۔ صفحہ (۱۸۹)

دنیا کیا ہے ؟

ارشاد فرمایا، دنیا روپیہ پیسہ اور اسباب ہی نہیں ہے ایک بزرگ کا قول ہے بطنک دنیاک یعنی تیرا پیٹ ہی دنیا ہے۔ اگر کم کھائیگا۔ تارک الدنیا ہوگا۔ اگر زیادہ کھائیگا دنیادار ہوگا۔

مزید فرمایا، شیطان کا مقولہ ہے کہ جو شخص پیٹ بھر کر نماز میں مشغول ہوتا ہے، میں اس سے معانقہ کرتا ہوں۔ جب وہ بھوکا سوتا ہے تو میں اس سے بھاگ جاتا ہوں۔ (صفحہ ۱۵۶)

امت کے پانچ طبقات والی حدیث کی تشریح

ارشاد فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرے بعد میری امت کے پانچ طبقے ہونگے، ہر طبقہ کی مدت چالیس سال ہوگی۔ طبقہ اول علم و مشاہدہ۔ طبقہ دوم صلاح و تقویٰ۔ طبقہ سوم تواصل وتراحم۔ طبقہ چہارم تقاطع وتدابیر طبقہ پنجم برج ومرج۔

برج و مرج طبقہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، یہ طبقہ چاروں طبقوں سے سخت ترین ہے۔ اس طبقے کے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونگے اور دنیاوی غرض کی خاطر انسانی جان کو مارنے سے دریغ نہیں کرینگے۔ ان پانچ طبقوں کی مدت دوبرس ہوگی۔

یہ فرماکر ارشاد فرمایا اس دو برس کے بعد ہمشکل انسانی اولاد پیدا ہونے سے سانپ اور کتا پیدا ہونا بہتر ہے۔ یہ فرماکر رونے لگے اور ارشاد فرمایا، یہ حکم پیغمبر ﷺ کے وصال کے بعد سے تھا جو آپ کے دوسو برس ختم ہوچکا ہے، اب اس وقت کا حال خود ہی سمجھ لینا چاہئے۔ (صفحہ ۱۸۳)

Marfat.com

خدا اور خلق دونوں کے ساتھ مصروف رہنا

فرمایا ایک مرد درویش نے مجھے کہا کہ مرد کو لازم ہے کہ اول مشہور نہ ہو، جب مشہور ہو گیا تو مستور (چھپنے کی) کوشش نہ کرے، ورنہ کل بروز حشر حضور مقبول ﷺ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑیگا۔ یہ بھی کہا کہ یہ کس قدر پست حوصلگی ہے کہ خلق سے گوشہ پکڑ کر حق سے مشغول ہوں، عالی ہمتی چاہئے کہ خلق میں بھی رہیں اور خدا سے بھی مشغول ہوں۔ (صفحہ ۲۵۰)

راہ سلوک کے تین درجات

فرمایا، اس طریقہ میں کوشش کرنے والا کمال کا طالب ہو تا سالک جب تک سلوک میں ہے امیدوار کمالیت کا ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا، اس کے تین درجہ ہیں، سالک، واقف اور راجع۔ سالک وہ ہے جو راہ چلے اور واقف وہ ہے جس کو وقفہ ہو، بندہ نے عرض کیا کہ سالک کو بھی وقفہ ہو تا ہے۔ جس وقت سالک کی طاعت میں فتور ہو جاتا ہے، ذوق طاعت اس کو حاصل نہیں ہو تا۔ جب تک اس کو ذوق حاصل نہ ہو، وقفہ میں رہتا ہے۔ اگر جلد ذوق حاصل کرنا چاہے انابت لائے۔ پر مقالات سلوک کا سالک ہو جاتا ہے۔ اگر عیاذاً باللہ اسی حالت میں گرفتار رہے پس وہ راجع ہو تا ہے۔ (صفحہ ۲۷)

دعا اور سورۃ پڑھنے کے اثرات

فرمایا کہ ایک شب میں حضرت خواجہ فرید الدینؒ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ روز سو مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له الملك وله الحمد يحي و يميت و هو حي لا يموت ذوالجلال والاكرام بيده الخير وهو على كل شيء قدير. پڑھا کرو میں نے بیدار ہوتے ہی موظبت اس ارشاد کی شروع کی اور

Marfat.com

اپنے دل میں کہا کہ حضرت کا اس ارشاد سے کوئی خاص مطلب ہوگا۔ چند روز بعد مجھے کسی کتاب میں نظر آیا کہ جو شخص اس دعا کو پڑھتا رہے گا وہ بغیر اسباب کے زندگی خوش بسر کرے گا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت کا یہ ارشاد خاص اسی غرض کے واسطے تھا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص ان کلمات کو ہر نماز کے بعد دس مرتبہ کہے گا۔ چار غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب اس کو حاصل ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے حضرت خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں فرمایا کہ بعد نماز عصر پانچ مرتبہ سورہ عم یتسائلون پڑھا کرو میں نے بیدار ہوتے ہی آپ کے اس حکم کی تعمیل شروع کی اور اپنے دل سے کہا کہ اس میں بھی کوئی ضرور بشارت ہے۔ چنانچہ ایک تفسیر میں لکھا دیکھا کہ جو شخص ہر روز بعد نماز عصر پانچ مرتبہ سورہ نباء پڑھے گا دل اس کا اسیر محبت حق سبحانہ ہوگا۔ یعنی خدائے تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں بیٹھ جائے گی۔ جیسے اس دار فانی میں کوئی کسی کا عاشق و گرفتار دامِ محبت ہو جاتا ہے۔ اس سورت کا پڑھنے والا اسی طرح گرفتار محبت الٰہی ہوگا۔ یہ فوائد تمام فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے حاضرین تم بھی ان ادعیات کی مواظبت کرو الحمد للہ علیٰ ذالک۔ (صفحہ ۱۸۸)

عذر کے بغیر اوراد کا ترک نقصان سے خالی نہیں

اگر کوئی ایسا شخص کہ معاملات مسلمانوں کے اس کی ذات سے وابستہ ہوں اور اجرائے مہمات اس کی ذات پر موقوف ہوں اور وہ ورد اس طرح پر کہ اس کو فرصت نہ ملے کہ وہ مسلمانوں اور عوام کی اصلاح اور قضایا کے فیصل کرنے کی طرف متوجہ ہو سکے پس وعید اس کا صاحب الورد ملعون ہوگا۔ بندہ نے اس وقت عرض کیا کہ اگر کسی شخص کو کوئی ضروری کام درپیش ہو یا ایسا عذر ہو کہ وہ ورد کو اس کے وقت مخصوص پر ادا نہ کر سکے اور رات کو بوقت فرصت پڑھے اس سے کسی قسم کا ہرج تو نہیں۔ آپ نے

Marfat.com

ارشاد فرمایا کہ کچھ ہرج نہیں اگر دن کا وظیفہ رہ جاوے رات کو پڑھے اور اسی طرح رات کا ورد دن کو پڑھے۔ کیونکہ شب خلیفہ روز اور روز خلیفہ شب ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ بے عذر تارک الورد کا حال تین حال سے خالی نہیں ہوگا۔ یا اسے میل شہوت بحرام ہوگا۔ یا حشمت پر محل ہوگی یا کوئی اور اس پر نازل ہوگی۔ اسی امر کے ضمن میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ ایک روز گھوڑے سے گر پڑے۔ چوٹ سخت لگی۔ ان سے حال پوچھا گیا۔ فرمانے لگے کہ میں ہر روز سورۃ یسین پڑھا کرتا تھا۔ آج نہیں پڑھی تھی اس وجہ سے مجھے یہ نقصان پہنچا۔ (صفحہ ۱۹۶)

امداد کے لئے دوسروں کی طرف ملتفت نہ ہونا

ارشاد فرمایا کہ ہر حالت میں بھروسہ اللہ تعالیٰ کا رکھنا چاہئے اور کسی شخص کی امداد کا خیال نہ کرنا چاہئے اور یہ فرمایا کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک متاع دنیا اس کو اونٹ کی مینگنی کے برابر نہ معلوم ہونے لگے۔

اس کے بعد یہ حکایت اس امر کی متضمن فرمائی کہ شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کعبہ شریف کے سفر میں تھے۔ آپ کو ایک لڑکا ملا جس کے پاس اسباب اور زاد راحلہ بالکل نہ تھا۔ آپ نے اس طفل سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے اس نے جواب دیا کہ خانہ کعبہ کو جاتا ہوں۔ آپ نے اسباب کی نسبت سوال کیا۔ لڑکا کہنے لگا کہ حضرت، اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے زاد و راحلہ دنیا میں بھیجا ہے کیا اس سے یہ بعید ہے کہ مجھے بغیر اسباب کے خانہ کعبہ پہنچادے فی الجملہ جب حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ خانہ کعبہ میں پہنچے اس لڑکے کو دیکھا کہ آپ سے پہلے آگیا تھا اور طواف کعبہ کررہا تھا اور ابراہیم خواص کو دیکھتے ہی کہنے لگا اے ضعیف الیقین اپنے ضعف یقین سے توبہ کر اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے۔ (صفحہ ۱۹۸)

اس کے بعد خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے ارشاد فرمایا کہ مشائخ نے رزق کو چار قسم پر

Marfat.com

تقسیم کیا ہے۔ رزق مضمون، رزق مقسوم، رزق مملوک، رزق موعود۔ رزق مضمون کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ اس کو خرچ روزمرہ پہنچے وہ کافیہو کہ اللہ تعالیٰ کا ضامن ہے بمصداق آیۃ ومادابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا اور رزق مقسوم یہ ہے کہ بروز اجل اس کی قسمت اور لوح محفوظ میں اس کے واسطے لکھا گیا ہے اور رزق مملوک یہ ہے کہ اس کے پاس ذخیرہ حوائج ضروری کا ہو اور رزق موعودہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے صالحین وعابدین سے وعدہ کیا ہے۔ **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب**۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ توکل رزق مضمون میں ہوتا ہے اور دوسرے رزقوں میں نہیں ہوتا کہ جو رزق مقسوم ہے۔ اس میں توکل کا کیا دخل ہے اور جو پاس ہے اس سے توکل کو کیا واسطہ ہے اور جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی پہنچے گا اس سے توکل کو کیا واسطہ ہے۔ توکل رزق مضمون میں ہے یعنی جانے کہ جو کچھ کہ میری کفالت کے لیے ہے وہ مجھے ضرور پہنچے گا۔ (صفحہ ۱۹۸)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

آئینہ وحدت سالکین

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی سالکین طریقت کے لئے ایک لازوال تحفہ ہے۔ ہم مکتوبات کی ایک تلخیص "تعلیمات مجدد الف ثانی" کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ یہ دوسری تلخیص ہے، جو حضرت مولانا شاہ محمد ہدایت علی صاحب کی مکتوبات کی تلخیص "دُرلا ثانی" سے لی گئی ہے۔

نماز مقصود ہے

جو لذت نماز کے ادا کرنے کے وقت حاصل ہوتی ہے، نفس کا اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے، بلکہ عین اس لذت کے حاصل کرنے کے وقت نالہ و فغاں میں ہے۔ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں رؤیت کے رتبہ کی طرح ہے، دنیا میں نہایت قرب نماز میں اور آخرت میں نہایت قرب رؤیت کے وقت اور تمام عبادات نماز کے وسیلے ہے اور نماز اصلی مقصد ہے۔ (مکتوب ۳۰۷ دفتر اول بنام حاجی خضر افغانی)

بے چینی میں کار فرما حکمت

دوست رنج و آرا گی چاہتا ہے تاکہ اس کے غیر سے پوری طرح انقطاع ہو جائے، یہاں آرام بے آرامی میں ہے اور ساز سوز میں ہے، قرار بے قراری میں ہے اور راحت جراحت میں ہے۔ اس مقام میں آرام طلب کرنا اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے، اپنے

Marfat.com

آپ کو محبوب کے حوالے کرنا چاہئے اور جو کچھ اس کی طرف سے آئے، اس کو خوشی قبول کرنا چاہئے (مکتوب ۴۰ بنام ملا معصوم کابلی)

غیروں کی غلامی سے خلاصی کی صورت

غیروں کی غلامی سے پوری پوری خلاصی اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب کہ فنائے مطلق سے مشرف ہو اور ماسوی اللہ کے نقش بالکل دل سے مٹ جائیں۔ (مکتوب ۴۳ ۵ بنام شیخ مزمل)

منازل سلوک کے طے کرنے سے مقصود ایمان حقیقی کا حاصل ہونا ہے اور یہ ایمان حقیقی حاصل نہیں ہوتا مگر فنا و بقا کے بعد (مکتوب ۶۱ بنام ملا صالح بدخشی)

ہم فقراء پر جو چیز لازم ہے، وہ یہ ہے کہ ہمیشہ ذلیل و محتاج اور عاجز اور روتے رہیں اور حدود شرعی کے پابند رہیں اور اپنے باطن کو خالص اور ظاہر کو سلامت رکھیں اور اپنے عیبوں کو دیکھتے رہیں اور گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ علام الغیوب کے انتقام سے ڈرتے رہیں اور اپنی نیکیوں کو تھوڑا سمجھیں، اگرچہ بہت ہوں اور اپنی برائیوں کا بہت خیال کریں، اگرچہ تھوڑی ہوں اور خلقت کی شہرت سے ڈرتے رہیں اور دنیا کے مال جمع کرنے اور اس کی محبت سے بچتے رہیں اور دنیاداروں کی صحبت اور ان کی محبت سے بچیں۔ (مکتوب ۷۱ بنام ملا طاہر بخشی)

کچھ اہم اور بنیادی نصیحتیں

عقائد اور عمل علمائے اہل سنت و جماعت کے موافق ہونا چاہئے کہ وہ علوم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، اگر تمام احوال و مواجید ہمیں دیدیں اور حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے، جہاں تک ہو سکے احکام شریعت کے اجراء میں کوشاں رہیں، ہزارہا عبادتوں سے بہتر ہے۔

Marfat.com

حضرت نبی کریم ﷺ نے اصحاب صفہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "تم ایسے زمانے میں موجود ہو کہ اگر اوامر ونواہی میں سے دسویں حصہ کو ترک کرو تو ہلاک ہو جاؤ اور تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ وامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو بجا لائیں تو نجات پائیں گے"، اب یہ وقت وہی وقت ہے اور یہ آدمی وہی آدمی ہیں۔ (مکتوب ۱۹۳ بنام شیخ فرید)

پیدائش کا مقصود

آدمی کو عیش وعشرت اور کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود اس کی ذلت، انکسار، عجز اور محتاجی ہے، جو بندگی کی حقیقت ہے۔ لیکن انکسار و ذلت وغیرہ شریعت کے تحت ہو نہ کہ غیر مذاہب کے مجاہدے و ریاضتیں جو نامقبول ہیں (مکتوب ۶۰۶ ملا عبدالغفور سمرقندی)

ذکر مبتدی و منتہی

ذکر کا مقصد غفلت کا دور کرنا ہے، بعض کو اسم ذات کا ذکر فائدہ بخش ہوتا ہے، بعض کو نفی اثبات، ظاہر کو چونکہ باطن سے غفلت ہوئے بغیر چارہ نہیں، اس لئے مبتدی ہو یا منتہی، ذکر کے بغیر چارہ نہیں، ابتدا میں یہ دونوں ذکر متعین ہیں اور متوسط اور منتہی کو متعین نہیں، متوسط کو تلاوت قرآن کریم اور منتہی کو نماز فائدہ بخش ہے۔ (مکتوب ۲۴۲ بنام ملا بدیع الدین)

ارواح طیبات کی دید کوئی ترقی نہیں

احکام شریعت کے پھیلانے میں کوشاں رہیں اور ہمت بلند رکھیں، ذکر قلبی، احکام شریعت بجالانے میں مدد دینے والا اور نفس امارہ کی سرکشی کو دور کرنے والا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک دوست کے لئے چھ ماہ ہوئے ہیں کہ اتنی ترقی ہوئی ہے

Marfat.com

کہ جو کچھ اس کو غیب اور بے شعوری کی حالت میں ارواح طیبات سے دکھائی دیتا تھا، اب وہ حالت بیداری اور ہوش میں دیکھتا ہے، میرے مخدوم، یہ دید کچھ ترقی پر دلالت نہیں کرتی، خواہ شعور میں دیکھیں یا بے شعوری میں، کیونکہ اس راہ میں قدم اول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ دیکھیں اور خیال میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی خیال نہ رہے۔ (مکتوب ۵ ۷ ۲ بنام ملا احمد)

محاسبہ

اکثر مشائخ نے محاسبہ کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ بموجب ارشاد "وحاسبو قبل ان تحاسبو" یعنی اپنے سونے سے پہلے دن بھر کا اعمال نامہ سامنے کرلو اور اس کی معافی از جناب باری گریہ وزاری سے اور ندامت سے کرلو، شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عمل محاسبہ میں سب سے زیادہ ہوں۔ فقیر کے نزدیک سونے سے پہلے سوبار تسبیح وتحمید وتکبیر کا کہنا جس طرح کہ مخبر صادق حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، محاسبہ کا حکم رکھتا ہے اور محاسبہ کا کام کر دیتا ہے۔ (مکتوب ۳۰۹ بنام حاجی محمد فرکیتی)

ذکر اسم ذات

لوگ تکرار کلمہ، نفی اثبات اس لئے کرتے ہیں کہ اس عالم کا وجود نظر میں باقی نہ رہے اور بہ صورت حق نظر آئے اور حضرات نقشبندیہ اس واسطے تکرار کلمہ طیبہ کرتے ہیں کہ ذات حق کے سوا جو کچھ نظر آئے، وہ اس کو غیر اللہ جانیں، خواہ کشف میں، خواہ شہود میں، خواہ ادراک میں، خواہ خیال میں، بعض لوگ اسم ذات اللہ کا ذکر کر کے پھر اسماء وصفات کی طرف اتر آتے ہیں، صرف ذکر اسم ذات پر کیوں کفایت نہیں کرتے اور ذات حق کو اپنا قبلہ توجہ کیوں نہیں بناتے، کیا ذکر اسم ذات اور ذات حق کافی نہیں ہے۔ حضرات نقشبندیہ کی صحبت بلند مقامات پر پہنچاتی ہے اور سؤچلوں کا کام کرتی ہے۔

اور ان کا ذرا سا التفات برسوں کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بہتر ہے۔ (مکتوب ۳۳۶ بنام خواجہ محمد عیسی)

کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر

کلمہ لا الہ الا اللہ حق تعالیٰ کے غضب کو دور کرنے کے لئے ہے اور اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ فائدہ منداور کوئی شے نہیں اور کیونکر نہ ہو، غضب خدا کو یہ کلمہ دور نہ کرے کہ جو غضب کے اسباب ہیں (یعنی دنیا میں ملوث ہو جانا اور خدا کو بھول جانا) یہ دنیا کے تعلقات کو اور غفلت کو دور کر کے خدا سے قریب کرتا ہے۔ فقیر اس کلمہ طیبہ کو ننانوے حصہ خزانہء رحمت اور آخرت کی کنجی جانتا ہے۔ کفر کی ظلمت، شرک کی کدورت دور کرتا ہے اور خدا کی جناب میں اس سے زیادہ کوئی شفیع نہیں"۔ (مکتوب ۳۵۰ بنام عبدالحی)۔

یہ کلمہ طیبہ طریقت، حقیقت اور شریعت کا جامع ہے۔ جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے، طریقت میں ہے، اور جب نفی سے پوری طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور اس کی نظر سے غیر اللہ محو ہو جاتا ہے تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ جب نفی کے بعد مقام اثبات میں آجاتا ہے اور سلوک سے جذبہ کی طرف رغبت کرتا ہے تو مرتبہ حقیقت کے ساتھ متحقق اور بقا کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے، ان باتوں کے طے کرنے کے بعد اس پر ولایت کا لفظ صادق آتا ہے اور نفس امارہ پن چھوڑ کر مطمئنہ اور پاک صاف ہو جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے جزو اول کے ساتھ جو نفی اثبات سے وابستہ ہے باقی رہا، اس کلمہ کا دوسرا جزو جو خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو ثابت کرتا ہے، یہ دوسرا جزو شریعت کو کامل و مکمل اور تمام کرنے والا ہے۔ جو کچھ ابتداء اور وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا، وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم اور رسم تھی، شریعت کی اصل حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے"۔ (مکتوب ۳۵۹ بنام مولانا حمید الدین بنگالی)

Marfat.com

دوران سلوک اور اختتام سلوک کی ذمہ داریوں میں فرق

ولی اپنے بھلے کے لئے ذکر میں مشغول رہتا ہے اور قرب حق چاہتا ہے اور اس کا مقصود اس سے بہت دور ہے اور اس میں اپنی رضا مضمر ہے۔ اور وہ ولی جو کمالات نبوت کے فیضان سے مشرف ہو چکا ہے، وہ مقصد تک پہنچ کر رضائے حق کو اپنی رضا کے اور خواہش کے مقابلے میں ترجیح دے کر وصل سے فصل کو قبول کر کے خلق کی طرف ہدایت کے واسطے آتا ہے۔ صاحب ولایت ابھی ظلال اسماء و صفات میں پڑا ہے اور صاحب کمالات نبوت کا قرب تجلی ذات بے پردہ صفات ہے۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک کی مثال صادق ہے اور یہ مرتبہ ہدایت کا ایسا عالیشان ہے، جس کی تکمیل کے واسطے اللہ تعالیٰ نے بہترین جملہ مخلوق حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آجائے گی کہ ایک شخص ذکر و فکر میں مشغول ہے اور ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ ان دونوں کے سامنے ایک اندھا آیا اور کنویں میں گرنے کے قریب ہے تو ذکر کرنے والا ذکر میں سے نہ اٹھا، اور دوسرے شخص نے اٹھ کر اندھے کو کوئیں میں گرنے سے بچالیا تو اس صورت میں اندھے کو بچانے والا بدرجہا افضل ہے۔ بمقابلہ ذاکر کے، اس لئے فیضانِ حق حاصل کر کے خلق کو دوزخ سے بچانے والا اور خدا سے ملانے والا افضل ہے، اس ولی سے جو خود کو خدا کی طرف لے جا رہا ہے۔ (مکتوب ۲۵۹ بنام مولانا حمید الدین بنگالی)

صحبت اور ذکر

آپ کی استعداد بلند ہے۔ لیکن ہمت پست ہے۔ صحبت میں ایک ساعت رہنا مجاہدوں کے کئی چلوں سے بہتر ہے، خدا سے شرمانا چاہئے کہ ہزار دنوں میں سے ایک دن بھی صحبت کے لئے نہیں نکالتے۔ اگر صحبت میسر نہ ہو تو ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول ہونا چاہئے۔ (مکتوب ۲۶۰ بنام محمد قاسم بدخشی)

Marfat.com

شریعت کی صورت اور اس کی حقیقت

"شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے، صورت شریعت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان تمام چیزوں پر جو اللہ کی طرف سے آئی ہیں مانے اور اس کے بعد نفس امارہ کے خلاف شرعی احکام بجالائے، اس مقام میں اگر ایمان ہے تو وہ ایمان کی صورت ہے، اگر نماز روزہ ہے تو نماز روزے کی صورت ہے، اسی طرح تمام احکام شرعیہ کو سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ نفس جو کفر اور انانیت اور انکار پر اڑا ہوا ہے وہ بدستور اڑا ہوا ہے، ایسی صورت میں اعمال صالحہ کیونکر متصور ہو سکتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر جنت کی خوش خبری دی ہے جو اس کی رضا کا مقام ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ نفس (اصل) ایمان میں تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نفس کے مان لینے کی تکلیف نہیں فرمائی"۔

"جب شریعت کی صورت درست ہو گئی تو گویا دولت ولایت عامہ حاصل ہو گئی۔ بموجب ارشاد حق تعالیٰ اللہ ولی الذین آمنوا۔ اس صورت میں شریعت کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آدمی اس لائق ہو جاتا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایت خاصہ کی طرف توجہ کرے اور نفس امارہ کو اطمینان کے درجہ تک پہنچائے، لیکن یہ یاد رہے کہ اس ولایت خاصہ کے منزلوں کا طے کرنا بھی شریعت کے اعمال پر وابستہ ہے، ذکر الٰہی جل شانہ جو اس راستہ میں سب سے بہتر و عمدہ ہے وہ بھی شرعی امور میں سے ہے اور منہیات (برائیوں) سے بچنا، فرائض کا ادا کرنا اور راستے کے واقف کار پیر کا طلب کرنا تاکہ وہ وسیلہ ہو سکے یہ بھی شرعی امور میں سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وابتغو الیہ الوسیلۃ یعنی خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو، غرض شریعت کے بغیر چارہ نہیں، خواہ شریعت کی صورت ہو یا اس کی حقیقت"۔ (مکتوب ۳۶ ۳ بنام مرزا شمس الدین)۔

نفسانی ظلمات کے اثرات

شریعت پر عمل میں دشواری

بعض کو جو احکام شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی نہیں ہوتی، یہ بات "ظلمات نفسانیہ" اور "کدورات طبعیہ" کی بنا پر ہے۔ یہ ظلمات نفسانیہ اور کدورات طبعیہ، نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں اور نفس امارہ ظاہر ہے عداوت حق پر جو کہ ڈٹا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "دشوار واقع ہوئی مشرکوں پر وہ بات جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں۔" نیز فرماتا ہے۔ بے شک نماز دشوار ہے، مگر ان پر دشوار نہیں جو عاجزی اور فروتنی کرنے والے بندے ہیں۔" پس جس طرح ظاہری مرض ادائیگیٔ احکام میں دشواری کا سبب ہو جاتا ہے، ایسے ہی باطنی مرض بھی دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ، نفس امارہ کو کچلنے اور اس کے وسوسوں کو دور کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے۔ خواہش نفس اور اتباع شریعت دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہٰذا جب کوئی احکام شریعیہ میں دشواری محسوس کرے گا، یہ بات اس کے اندر خواہش نفسانی کے موجود ہونے پر دلالت کرے گی، جس قدر دشواری محسوس ہوگی، اسی قدر سمجھا جائے گا کہ خواہش نفس موجود ہے اور جب نفس امارہ کی خواہش کلیۃً دفع ہو جائے گی، احکام شریعیہ میں احساس دشواری کا وجود بھی نہ رہے گا۔ (مکتوب ۲۸۹ بنام مولانا بدرالدین)

فنا و بقا کے وقت سالک کے احوال

فنا کے وقت سارے علوم ذہن انسان سے جاتے رہتے ہیں، اور بقا کے وقت واپس آجاتے ہیں۔ فنا سے پہلے نفس اپنی شرارت میں شیطان سے بھی زیادہ شریر ہو

ہے اور فنا اور بقا کے بعد یہی نفس صفت مطمئنہ سے مرادف ہو کر فرشتوں سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔ لیکن باوجود ان کمالات کے وہ سارے خیر و کمالات کو ذات حق کی طرف منسوب کرتا ہے اور سارے شر و فساد کو اپنی جانب جانتا ہے۔ (مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی مکتوب نمبر ۲۶۵ بنام حضرت خواجہ محمد معصومؒ)

فنا اور بقا اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ

ولایت کا مقدمہ طریقت ہے، جہاں اللہ کے سوا سب سے نفی مطلوب ہے اور غیر اور غیریت کا ہٹ جانا مقصود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر نظر سے بالکل دور ہو جاتا ہے اور دید میں یار و اغیار کا نام و نشان باقی نہیں رہتا تو فنا حاصل ہو جاتی ہے اور مقام طریق ختم ہو جاتا ہے اور سیر الی اللہ ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد مقام اثبات میں سیر شروع ہوتی ہے، جسے سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی مقام بقا ہے، جو حقیقت موطن ہے۔ جو ولایت سے اعلیٰ مقصد ہے، اس طریقت و حقیقت پر جو فنا اور بقا ہے، ولایت کا کام اس پر صادق آتا ہے اور نفس امارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے، اور کفر و انکار سے ہٹ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائشی کراہت دور ہو جاتی ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ نفس مطمئنہ کے بعد بھی اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔

ہر چیز کہ نفس مطمئنہ گردد
ہرگز صفات خود نہ گردد

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ "رجعنا من الجہاد الاکبر" یعنی ہم چھوٹے جہاد کو چھوڑ کر بڑے جہاد کی طرف آتے ہیں۔ اس سے مراد نفس سے جہاد ہے لیکن فقیر کے نزدیک بعد مطمئنہ ہونے کے پھر نفس شرارت نہیں کرتا اور کوئی شخص کمال ولایت و کمال نبوت کے بعد بھی اتباع شریعت سے مستثنیٰ (بری) نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شریعت بنیاد ہے تمام کمالات حاصل کرنے کی، جیسے بلا بنیاد مکان نہیں بن سکتا اسی طرح بلا اتباع شریعت کسی کمال پر نہیں پہنچ سکتا۔ (ایضاً)

Marfat.com

ذکر اور درود شریف اور مبتدی کے لئے دستور العمل

ذکر حق تعالیٰ، درود شریف پڑھنے سے افضل ہے، بشرطیکہ وہ ذکر کسی خاصان خدا سے اخذ کیا ہو، بلا رہنما شیخ کے بتلائے ہوئے ذکر سے درود شریف پڑھنا افضل ہے۔ درود شریف اور ذکر دونوں کا ثواب اور اجر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برابر پہنچتا ہے۔ لیکن ذکر قلبی کا اجر و ثواب درود شریف کے اجر و ثواب سے کئی گنا زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقت قدس سرہ مبتدی کے لئے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ جائز نہیں سمجھتے اور اس کے حق میں صرف فرضوں اور واجبات اور سنتوں پر کفایت کرتے ہیں اور امور نافلہ سے منع کرتے ہیں۔ (مکتوب ۳۰۷ بنام ملا غازی)

روحوں کی شکلیں اور ان سے استفادہ کی نوعیت

اس عالم شہادت میں آنے سے پہلے بعض اکابر سلسلہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض اولیاء اللہ کی روح سے خدا نے وہ کام لئے ہیں، جو عالم شہادت میں آنے کے بعد آدمی کرتا ہے۔ روح بلا جسم وہ کام کر سکتی ہے، جیسے جسم کے ساتھ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کون سی تعجب کی بات ہے کہ خدا نے صرف روحوں سے بلا جسم ظاہری کے کام لے لیا۔

اکثر اولیاء اللہ کے یہ واقعات معلوم ہوئے ہیں کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ اسی شکل میں یا بصورت دیگر ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ شکلیں حقیقۃً لطائف کی شکلیں ہوتی ہیں، جو عالم شہادت میں عالم مثال میں ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ان واقعات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حال مسئلہ تناسخ سے مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ فقیر کو لوگوں نے مکہ معظمہ میں دیکھا اور بعض نے بغداد اور روم وغیرہ میں بھی، لیکن فقیر کہیں نہیں گیا۔ اسی طرح حاجتمند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت مدد طلب کرتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا اور ان بزرگوں کو ان بلا

Marfat.com

کے دفع کرنے کی کبھی اطلاع ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو ہزاروں آدمی ایک ہی وقت بشکل مختلف دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں۔ (مکتوب ۱۷ ۳ بنام محمد تقی)

احتیاج اور ضرورت سے کوئی مستثنیٰ نہیں

اکثر اس زمانے کے دولتمند درویشی اس بات کو جانتے ہیں کہ کسی چیز کی حاجت نہ ہو، ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے، احتیاج انسان کیا، بلکہ ممکنات کا خاصہ ہے اور اسی احتیاج (وحاجت) میں انسان کی خوبی ہے اور ذلت و بندگی اسی احتیاج سے پیدا ہوتی ہے، اگر بالفرض انسان سے احتیاج زائل ہو جائے اور استغنیٰ پیدا ہو جائے تو سوائے سرکشی، عصیان اور نافرمانی کے، اس سے کچھ صادر نہ ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ یعنی انسان جب اپنے آپ میں استغنیٰ پاتا ہے تو نافرمانی کرتا ہے، اگرچہ صوفیہ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ لیکن حکیم مطلق کے اسباب پیدا کیے ہوئے کو برتنا پڑتا ہے، اگر مسبب کے اسباب کو نہ لیں تو کارخانہ عظیم باطل ہو جاتا ہے۔ ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحانك. یعنی اے رب تو نے کوئی چیز باطل پیدا نہیں کی، تو پاک ہے۔ (مکتوب ۵ ۷ ۳ بنام خان خانان)

نماز کا حسن اور عدم حسن اور اس کے اثرات

رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے، سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نمازوں میں رکوع اور سجود اچھی طرح ادا نہیں کرتا، جو شخص اچھی طرح رکوع و سجود کو ادا کرتا ہے وہ نماز بشکل نورانی ہوتی ہے اور فرشتے اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور نماز اپنے نمازی کے لئے دعا کرتی ہے کہ جیسے تو نے میری حفاظت کی اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے اور جو شخص اچھے طریقہ پر رکوع و سجود کو ادا نہیں کرتا وہ نماز بشکل سیاہ ہوتی ہے، فرشتے

اسے آسمان پر نہیں لے جاتے اور وہ نماز اپنے نمازی کے حق میں بد دعا کرتی ہے کہ جیسے تو نے مجھے ضایع کیا خدا تجھے ضایع کرے۔

تہجد طریقت کا جزو ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری مردہ سنت کو زندہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے سو شہیدوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اعمال نیت کے ساتھ درست ہوتے ہیں۔ اس طرح آپ دار الحرب کے کفار کے ساتھ جہاد کرنے جا رہے ہیں، اس میں یہ نیت چاہئے کہ اسلام کا بول بالا ہو، نماز تہجد کو لازم پکڑیں، کیونکہ (تہجد) طریقت کی ضروریات میں سے ہے۔ اگر آپ کو اس وقت اٹھنا دشوار معلوم ہو تو متعلقین میں سے کسی کو اس بات پر مقرر فرما دیں کہ وہ آپ کو تہجد کے وقت جبراً جگا دیا کرے۔ (مکتوب ۳۸۲ بنام مراد بدخشی)

دنیا کی تکلیفیں گناہوں کا کفارہ ہیں

دنیا کی مصیبتیں اور رنج اور تکلیفیں دوستوں کے قصوروں کا کفارہ ہیں، عاجزی، زاری اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے معافی اور عافیت مانگنا چاہئے۔ محبوب حقیقی کی طرف سے جو کچھ آئے، اس کو بطیب خاطر قبول کرنا چاہئے (مکتوب ۳۸۸ بنام مرزا مظفر)

ولی کا مرتبہ اور اس کی پہچان

بہت سے ولی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو اپنی ولایت کی خبر نہیں ہوتی تو وہ دوسروں کی کیفیت و حالات سے کیا واقف ہو سکتے ہیں۔ ہاں، البتہ نبی ﷺ کو اپنی نبوت کی خبر ضروری ہے اور نبی کے لئے معجزہ بھی ضروری ہے۔ علماء صرف ظاہری شریعت بتلاتے ہیں اور اولیاء اللہ شریعت و طریقت دونوں کی تعلیم کرتے ہیں اور تاکید

Marfat.com

کرتے ہیں کہ ظاہر میں شریعت کی پیروی کرو اور دل کو ذکر الٰہی میں مشغول رکھو تاکہ ذکر حق غالب آجائے اور مذکور کے سوا دل میں کچھ نہ رہے، عام لوگوں کے نزدیک خدا کے نزدیک دل مردہ کو ذکر حق سے زندہ کر دینا افضل ہے۔ خدا کے مقبول بندے کی شناخت یہ ہے کہ وہ شریعت کا پابند ہوگا اور اس کی صحبت میں حق تعالیٰ کی جانب رغبت ہوگی اور ماسوئ اللہ سے نفرت۔ (مکتوب ۴۰۴ بنام خواجہ محمد سعیدؒ)

اولیاء کا انبیاء کے مقامات میں سیر و سفر کا مفہوم

اولیائے سالکین کا صحابہؓ یا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقام میں اپنے آپ کو دیکھنا ایسا ہے، جیسے کوئی فقیر غنی کے مقام میں چلا جائے یا چوبدار یا نقیب یا جاروب کش بادشاہوں کے محلوں میں پہنچ جائے۔ فقیر کا غنی کے مکان میں پہنچنا فقیر کو غنی نہیں کرتا اور بادشاہوں کے مکان میں پہنچنا انہیں پادشاہ نہیں کرتا، اس کے برخلاف جو سالک اپنے کو ان کے برابر جانے، اس کی سراسر غلطی ہے یا جو عارف جمعیہ حضرات صحابہ یا حضرات انبیاء علیہم السلام بطور مثال مندرجہ بالا پہونچے، ان پر طعن کرنا بھی غلطی سے خالی نہیں، جب صحابہ میں سے کوئی صحابیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مرتبہ کو نہیں پہونچتا تو غیر صحابہ حضرات صحابہؓ یا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی برابری کیسے کر سکتا ہے اگر کوئی ان کی برابری کا خیال کرے تو وہ زندیق اور کافر ہے۔ (مکتوب ۴۱۲ بنام میر محمد نعمان)

دنیا کی مصیبتیں دوستوں کے لئے انعام ہیں

دنیا نعمت ولذت کے لئے نہیں ہے۔ آخرت نعمت ولذت اور آرام کے واسطے بنائی گئی ہے، چونکہ دنیا و آخرت ایک دوسرے کے لئے سوت اور ضد ہیں اور ایک کی رضامندی میں دوسرے کی ناراضگی ہے، اس لئے ایک میں لذت پانا دوسرے میں رنج والم کا باعث ہوگا۔ پس انسان جس قدر دنیا میں رنج والم میں مبتلا ہوگا، وہ آخرت میں اسی

Marfat.com

قدر ناز و نعمت میں ہوگا۔ کاش دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ اتنی ہی نسبت ہوتی جیسے کہ قطرہ کو دریا کے ساتھ ہے۔ لیکن دنیا کو آخرت کے ساتھ اتنی بھی نسبت نہیں، اس لئے دوستوں کو اپنے فضل و کرم سے اس جگہ کی چند روزہ محبت و مصیبت میں مبتلا کیا، تاکہ ان کو دائمی ناز و نعمت میں محظوظ و مسرور رکھے اور دشمنوں کو مکر و استدراج کے مطابق تھوڑی لذتوں کے ساتھ محظوظ کردیا، تاکہ آخرت میں بے شمار رنج و الم میں گرفتار رہیں۔ (ایضا)

کرنے کے اصل کام

ہر راحت اور تکلیف کے وقت خدا کی حمد کرنا چاہئے۔ ہر قسم کی بلا و مصیبت میں تکلیف ضرور معلوم ہوتی ہے، لیکن فرصت کو غنیمت جان کر تین چیزوں میں مشغول رہیں۔ یا قرآن مجید کی تلاوت یا نماز لمبی قرات کے ساتھ یا ذکر کلمہ شریف میں اور کلمہ شریف کے ذکر کے وقت سوائے ذات حق کے سب معبودوں، آرزوں اور مقصودوں کی نفی کریں، تاکہ سوائے ذات حق کے کوئی مراد باقی نہ رہے اور یہ مطلب بلا ابتلاء کے وقت آسانی سے میسر ہوتا ہے۔ راحت کے وقت ہوا و ہوس سدِ سکندری بن جاتی ہیں۔ سوائے ذکر الٰہی کے کسی کام میں مشغول نہ ہوں۔ اب کتابوں کے مطالعہ کا وقت نہیں ہے۔ ذکر حق کا وقت ہے۔ (مکتوب ۲۱۴ بنام حضرت محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصومؒ)

عارف کا فنا و بقا کے بعد اسرارِ قرآن سے آشنا ہونا

قرآن پاک ایسی کتاب ہے، جس کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ پاک لوگ وہ ہیں، جو تعلقات بشری کی آلودگیوں سے پاک ہوگئے ہیں، قرآن پاک ان کے چھونے اور پڑھنے کے لائق ہے، جن کے نفس ہوا و ہوس سے پاک ہوگئے ہیں اور شرک خفی و جلی اور انفسی اور آفاقی خداؤں سے صاف ہوگئے ہیں، لیکن یہ دولت فنا و بقا کے بعد ملتی

Marfat.com

ہے۔ عارف اس وقت قرآن مجید کے اسرار اور رموز سے کچھ واقف ہوتا ہے۔ مبتدی کے واسطے ذکر افضل ہے اور منتہی کے لئے تلاوت قرآن پاک افضل ہے۔ فنا وبقا سے پہلے تلاوت کرنا ابراروں میں شمار کیا جاتا ہے اور بعد فنا وبقاء کامل تلاوت کرنا عارفوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابرار کے اعمال عبادات کی قسم سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات کی قسم سے ہیں۔ فکر کرنا ایک ساعت کا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ پس جس قدر فرق ابرار اور مقربین میں ہے اسی قدر فرق عبادت اور فکر میں ہے۔ (مکتوب ۴۱۶ بنام میر محمد نعمان بدخشی)

مبتدی کے لئے نفی اثبات کا ذکر

آپ نے دریافت کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی جناب میں دعا، تضرع، زاری اور التجا بہتر ہے یاذکر کرنا یا سب کچھ ذکر کے ساتھ ملا ہوا بہتر ہے۔

عزیز میرا جواب یہ ہے کہ ذکر کرنا ضروری ہے، اس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے دولت نعمت ہے، وصول الی اللہ کا دارومدار ذکر پر منحصر ہے دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ آپ نے دریافت کیا ہے کہ ذکر نفی اثبات اور تلاوت قرآن شریف اور طول قنوت کے ساتھ نماز ادا کرنا، ان تینوں میں کون سا بہتر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نفی اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے، جو نماز کی شرط ہے، جب تک طہارت درست نہ ہو، نماز کا شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے، تب تک فرائض و واجبات اور سنتوں کے سوا عبادت نافلہ جس قدر کریں، سب وبال میں داخل ہے۔ پہلے مرض کو دور کرنا چاہئے۔ جو نفی اثبات کے ذکر پر وابستہ ہے۔ بعد ازاں دوسری عبادات وحسنات میں جو بدن کے لئے اچھی غذا کی طرح ہیں، مشغول ہونا چاہئے۔ مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا (عمدہ) کھائی جائے، فاسد و مفسد ہے۔

دنیا کے مال و متاع اور زیب و زینت جو لاشے ہیں، عقلمند اس پر مفتون اور مبتلا

Marfat.com

نہیں ہوتا، آخرت کے معاملات اور ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔ یہ ضروی نہیں ہے کہ ذکر میں لذت پیدا ہو اور چیزیں دکھائی دیں، یہ سب کچھ لہو و لعب اور کھیل کود میں داخل ہے۔ ذکر میں مشقت ہو بہتر ہے۔ نماز پنج وقت ادا کرنے کے بعد ذکر الٰہی میں اپنا وقت گذاریں۔ (مکتوب ۴۲۴ بنام میر محمد نعمان)

اتباع شریعت اور صحبت شیخ

خدا کی جناب سے ناامیدی کفر ہے، اس کی رحمت سے امیدوار ہونا چاہئے۔ اگر دو کاموں میں فرق نہ آئے تو کچھ غم نہیں۔ ایک حضور نبی کریم ﷺ کی متابعت، دوسرے شیخ طریقت سے اعتقاد اور محبت۔ اپنے وقت کو ذکر الٰہی میں آباد رکھیں، ذکر قلبی میں مشغول رہیں، اگر چاہیں تو ذکر زبانی بھی کریں۔ لیکن وہ بھی پوشیدہ، کیونکہ طریقہ نقشبندیہ میں ذکر جہر کرنا منع کرنا۔ (مکتوب ۴۲۵ بنام محب اللہ مانکپوری)

آگاہی: یہاں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی توضیح پیش کرنا بھی افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں: حضرت مجدد الف ثانی نے خوب فرمایا ہے کہ سالک کو اگر دو چیزیں حاصل ہو جائیں یعنی اتباع اور حب شیخ تو اگرچہ وہ ہزاروں ظلمات (اندھیروں) میں بھی مبتلا نظر آئے تو در حقیقت وہ انوار میں ہے۔ اور جس میں یہ دو چیزیں نہیں وہ اگرچہ بظاہر انوار کا مشاہدہ کرے، مگر حقیقت میں وہ ظلمات میں گھرا ہوا ہے اور میر امذاق یہ ہے کہ چونکہ شیخ بھی اصل مقصود نہیں ہے بلکہ وہ بھی اتباع سنت کا ذریعہ ہے۔

سلوک میں ذکر نوافل اور تلاوت کی ترتیب

مبتدی کے واسطے ذکر کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس کی ترقی ذکر کی تکرار پر وابستہ ہے بشرطیکہ شیخ کامل سے اخذ کیا ہو، اگر اس شرط کے ساتھ نہ ہو تو وہ ابرار کے اوراد کے قسم سے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر وسیلہ شیخ کے اللہ تعالیٰ کسی کو ولی بنادے یہ

شرط اکثر اور اعتبار سنت اللہ کے اعتبار سے ہے اور جب وہ معاملہ ترقی کا جو ذکر سے تعلق رکھتا ہے حاصل ہو جائے تو پھر ذکر سے ترقی نہیں ہوتی، بلکہ تلاوت قرآن مجید اور نماز طول قرات کے ساتھ ترقی ہوتی ہے۔ ابتداء میں ذکر تلاوت کا حکم رکھتا ہے اور انتہا قرآن مجید اور نماز ذکر کا حکم اور فائدہ رکھتا ہے۔ ہر عمل کا وقت، مقام اور موسم ہے، اگر کوئی عمل خلاف وقت و موسم ہوتا ہے تو وہ سراسر خطا ہوتا ہے۔ جیسے کہ تشہد (التحیات) کے وقت فاتحہ (الحمد) پڑھنا، اگرچہ وہ ام الکتاب ہے (مکتوب ۲۳۷ بنام ملا طاہر)

اپنی خواہشوں سے دستبرداری فناوبقا کے بعد ہی ہو سکتی ہے

بندہ کو چاہئے کہ اس کی مراد سوائے حق تعالیٰ کے کچھ نہ ہو اور اگر مراد ہو تو حق تعالیٰ کے مراد کے تابع اپنی مراد ہو، اگر ایسا نہ کیا تو اس کا سر بندگی کے رسے سے باہر اور اس کا پاؤں قید غلامی سے نکلا ہوا ہوگا۔ اور جو بندہ اپنی مرادوں میں گرفتار ہے اور ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور اپنی مرادوں پر خدا کی مرادوں کو قربان کرنا، یہ فناوبقا کے مرتبہ کے بعد ہی میسر ہو سکتا ہے۔ (مکتوب ۲۳۹ بنام ملا علی کشمی)

صوفیہ نے عالم ممکنات کی تین قسمیں مقرر کی ہیں، عالم ارواح، عالم اجساد، عالم امثال۔ عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ ہے اور صوفیہ بھی کہتے ہیں کہ عالم امثال عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان مثال آئینہ کے ہے کہ ان دونوں عالموں کے حقائق و معانی کا عکس اس پر پڑتا ہے، عالم مثال میں بذاتہ کوئی ہیئت اور اشکال نہیں ہیں، جس طرح آئینہ میں کوئی صورت اور شکل نہیں، اگر آئینہ میں کوئی صورت کوئی شکل ہے تو خارج سے آئی ہوئی ہے۔ (ایضا)

باطنی امراض سے لاپرواہی

آدمی کو امراض ظاہری میں کوئی مرض لاحق ہوتا ہے یا اس کے کسی عضو کو کوئی آفت و تکلیف پہنچتی ہے تو اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا، جب تک وہ مرض دفع نہ

Marfat.com

ہو جائے اور مرض قلبی جس سے مراد ماسوائے خدا میں گرفتاری و مشغولیت ہے، یہ مرض اس طور پر اس پر غالب آچکا ہے کہ قریب ہے اس کو ابدی موت تک پہنچادے اور عذاب سرمدی میں مبتلا کردے۔ اس مرض کے ازالے کی کوئی فکر نہیں کرتا ہے، نہ اس کے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (ایسا آدمی دو حال سے خالی نہیں) اگر اس گرفتاریٔ دنیا کو مرض نہیں سمجھتا تو احمق محض ہے اور مرض سمجھتا ہے اور پھر خوف نہیں کرتا تو ناپاک محض ہے۔ یقینی طور پر اس مرض باطن کو پہچاننے کے لئے عقل معاد درکار ہے۔ عقل معاش (بیچاری) اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے فقط ظاہر بینی تک محدود ہے۔ (مکتوب ۲۱۹ دفتر اول بنام مرزا ایرج)

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرا ہم میں سے جس بزرگ نے شطحیات زبان سے نکالی ہیں اور ظاہر شریعت کی مخالف باتیں کہی ہیں، وہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوئی ہیں، جو مستی و بے تمیزی کا مقام ہے، جو بزرگ اسلام کی دولتِ حقیقت سے مشرف ہوئے ہیں، وہ اس قسم کی باتوں سے پاک اور بری ہیں، وہ ظاہر و باطن میں انبیاء کے پیروکار اور متبع ہیں۔ (مکتوب ۹۵ دفتر دوم بنام سید احمد جوادری)

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی کچھ تفصیل

مثلاً ایک شخص کو آفتاب کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے، اس علم الیقین کے لئے لازمی نہیں ہے کہ اس وقت ستاروں کے وجود کو معدوم سمجھے، جس وقت وہ آفتاب کو دیکھے گا، ستارے نظر نہ آئینگے، آفتاب کے سوا اسے کچھ دکھائی نہ دے گا۔ تاہم وہ ستاروں کو معدوم نہ سمجھے گا، یہ بات اس کے علم میں ہوگی کہ ستارے موجود ہیں۔ البتہ سورج کی روشنی میں مغلوب ہونے کی وجہ سے (نگاہوں سے) اوجھل ہیں، جو لوگ اس وقت ستاروں کے وجود کا انکار کرتے ہیں، یہ شخص خوب جانتا ہے کہ ان کی معرفت درست نہیں ہے، لہذا وحدت الوجود (کا نظریہ) ماسوائے ذات حق ہر شے کی نفی پر مبنی ہے، عقل و شریعت دونوں کے خلاف ہے۔ اس کے برخلاف وحدت

Marfat.com

الشہود (یعنی سالک کو ایک کے سوا اور کچھ مشہود نہ ہونا) شریعت کے خلاف نہیں ہے، مثلاً آفتاب کی روشنی میں ستاروں کے وجود کی نفی کرنا اور ان کو معدوم سمجھنا، خلاف حقیقت ہے۔ لیکن اس وقت ستاروں کو نہ دیکھنا خلاف حقیقت نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب آفتاب کی روشنی کا غلبہ اور دیکھنے والے کی کمزوری ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کی روشنی سے منور اور قوی ہو جائے تو ستارے بھی واضح طور دیکھ سکے گا اور یہ نظارہ حق الیقین کے نظارہ میں ہوگا۔ (مکتوب ۴۳ بنام شیخ فرید بخاری)

وحدت شہود نام ہے ایک دیکھنے کا

وحدت وجود نام ہے ایک کو موجود جاننے کا

وہ توحید جو سلوک کے دوران حضرات صوفیاء کرام کو حاصل ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، توحید شہودی و توحید وجودی، توحید شہودی نام ہے، ایک دیکھنے کا، یعنی سالک کا مشہود سوائے ایک کے نہ ہو اور توحید وجودی نام ہے، ایک کو موجود جاننے کا اور غیر کو معدوم سمجھنے کا۔ (مکتوب ۴۳ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

درمیانی علوم و معارف دل بہلانے کی چیزیں ہیں

شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن ہے، کوئی مطلوب ایسا نہیں کہ اس کی تکمیل کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی احتیاج واقع ہو، طریقت و حقیقت جو صوفیاء کا مابعد الامتیاز ہے، دونوں شریعت کے خادم اور اخلاص کے حصول میں معاون ہیں۔ اس طرح طریقت و حقیقت کے حصول کا مقصد شریعت کو اس کی اصل روح کے ساتھ عمل میں لانا ہے۔ نہ کوئی اور بات جو شریعت کے دائرہ سے خارج ہو، وہ حالات، وجد کی کیفیات اور علوم و معارف جو صوفیاء کو سلوک کے درمیان حاصل ہوتے ہیں مقاصد میں داخل نہیں، وہ کچھ اشکال و خیالات ہیں جن کے ذریعے

اطفال طریقت کے دل بہلائے جاتے ہیں اور ان کی ہمت بڑھائی جاتی ہے۔ ان سب سے گذر کر مقام رضا پر پہنچنا چاہئے، جو مقامات وسلوک وجذبہ کی انتہا ہے۔ (مکتوب ۳۶ دفتر اول بنام ملا حاجی محمد لاہوری)

صوفیائے خام کی فرائض وسنن کی ادائیگی سے غفلت

صوفیائے خام ذکر و فکر کو اہم الہام سمجھکر فرائض و سنن کی ادائیگی میں تساہل برتتے ہیں۔ چلوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت ترک کر دیتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ جماعت کے ساتھ ایک فرض کی نماز کی ادائیگی ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے، ہاں ذکر و فکر جو آداب شرعی کے مراعات کے ساتھ ہو، بہت بہتر اور ضروری ہے، ناقص علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں اور فرائض کو خراب وابتر رکھتے ہیں۔ (مکتوب ۲۶۰ دفتر اول بنام مخدوم زادہ شیخ محمد صادق)

متصوفین خام اور ملحدین اس فکر میں ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی طوق غلامی سے آزاد اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ مخصوص بنادیں، ان کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت کے مکلّف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امراء وسلاطین محض عدل و انصاف کے مکلّف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے کا مقصد حصول معرفت ہے، جب معرفت میسر آگئی تکلیفات شرعیہ ساقط ہوگئیں اور اپنے استدلال میں یہ آیت پڑھتے ہیں:

واعبد ربك حتىٰ ياتيك اليقين. اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے، یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔ (مکتوب ۲۷۶ دفتر اول بنام میاں شیخ بدیع الدین)

صفات کفر کی وجہ سے ہونے والی ظلمات

فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی عیادت کو گیا تھا، جس کے اوپر نزع کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ اس مرنے والے کے حالات پر توجہ کی گئی تو محسوس ہوا کہ اس کا دل

Marfat.com

"ظلمات بسیار" رکھتا ہے، فقیر ہر چند ان ظلمات کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوا، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، بہت کچھ توجہ کرنے کے بعد (از راہ کشف والہام) معلوم ہوا کہ یہ ظلمات ان صفات کفر سے پیدا ہوئے ہیں، جو اس شخص کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان تمام کدورتوں اور تاریکیوں کا منبع اس کی دوستی کفر واہل کفر ہے۔ توجہ سے یہ ظلمات دور نہ ہونگے۔ ان ظلمات کا تنقیہ، عذاب نار سے ہوگا، جو جزائے کفر ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شخص ایمان کا ذرہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس ذرہ ایمان کی برکت سے آخرکار اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول بنام خواجہ عبداللہ")۔

خلوت درانجمن کی تشریح

جاننا چاہئے کہ "خلوت درانجمن" ایسے انداز پر ہے کہ وطن کے خلوت خانے کے دروازوں کو بند کر دیا گیا ہو اور اس کے سوراخوں کو بھی مسدود کر دیا ہو، یعنی انجمن کے تفرقہ میں کسی ایک چیز کی طرف بھی التفات نہ کرے اور (باطن میں) متکلم و مخاطب نہ ہو، نہ آنکھوں کو ڈھانپے اور نہ حواس کو جان بوجھ کر معطل کرے، کیونکہ یہ (باتیں) اس طریقے کے خلاف ہیں۔

اے بھائی! یہ سب حیلہ و تکلف ابتداء اور وسط کے درجوں میں ہیں اور انتہا میں اس قسم کے حیلوں کا کچھ کام نہیں، لہذا (منتہی) عین تفرقہ میں بھی (دل کی) جمعیۃ سے ہے اور نفس غفلت (کی انجمن) میں بھی حاضر ہے۔ اس جگہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مطلقاً منتہی کے حق میں تفرقہ و عدم تفرقہ ہر حالت میں مساوی ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ و عدم تفرقہ اس کے باطن کے نفس جمعیت میں برابر ہے، اس طرح اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلیں اور ظاہر سے بھی تفرقہ کو دفع کردیں تو بہت ہی بہتر ہے۔ (مکتوب ۲۲۱ بنام سید حسین مانک)

جمہور علماء اہل حق سے مطابقت

کتاب و سنت سے جمہور علماء اہل حق یعنی علماء اہل سنت و جماعت نے جو معانی و مطالب سمجھے ہیں، وہی معانی و مطالب بر قرار رکھنا ضروری ہیں۔ اگر فرض کرو، کشف و الہام سے ان معانی و مطالب کے خلاف کوئی معنیٰ ظاہر ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسی بات سے بچ کر پناہ خداوندی کو ڈھونڈھنا چاہئے۔ (مکتوب ۲۸۶ بنام امان اللہ فقیہ)

اگر علماء حق کا نور ہدایت نہ ہوتا

میں نے یہ جو کہا ہے کہ علماء حق کے سمجھے ہوئے معانی قابل اعتبار ہیں اور ان کے خلاف معتبر نہیں، اس وجہ سے کہا ہے کہ علماء حق نے ان معانی کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال کی تلاش و جستجو کر کے لیا ہے اور ان ہدایات کے ستاروں (صحابہ کرامؓ) کے انوار سے استفادہ کیا ہے۔ لہذا نجات اخروی اور فلاح سرمدی ان علماء حق کو نصیب ہوئی۔ "یہ اللہ والوں کا گروہ ہے اور اللہ والوں کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے" اگر کچھ علماء اپنے اعتقاد کو صحیح رکھتے ہوئے فروعی مسائل میں کچھ سستی برتیں اور اعمال میں کوتاہی کا ثبوت دیں تو اس سے تمام علماء سے برگشتہ ہونا اور سب کو نشانہ ملامت بنانا محض بے انصافی اور دھاندلی کی بات ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس صورت میں ضروریات دین سے ایک قسم کا انکار پایا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ علماء ہی تو ضروریات دین کو ہم تک منتقل کرنے اور کھرے اور کھوٹے کو پہنچاننے والے ہیں، اگر علماء حق کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے۔ وہ حضرات صحیح و غلط کو جدا نہ کرتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ علماء حق ہی نے دین مبین کا کلمہ بلند کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کی ہے۔ انہوں نے ہی کثیر التعداد لوگوں کو صراط مستقیم پر چلایا ہے، پس جس نے ان حقانی علماء کی پیروی کی وہ نجات پا گیا اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود گمراہ ہوا اور دوسروں

کو بھی گمراہ کیا اور جس طرح اعتقاد بمطابق کتاب و سنت ضروری ہے، اسی طرح کتاب و سنت پر عمل بھی اس طریقے پر کرنا ضروری ہے، جس طرح ائمہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے احکام اخذ کر کے بتایا ہے۔

ایک مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ مجتہد کی رائے کے خلاف خود کتاب و سنت سے احکام اخذ کر کے اس کے مطابق عمل کرے، جہاں تک ہو سکے، ائمہ کے اقوال کو جمع کرنے میں پوری کوشش کرے تاکہ ایسے قول پر عمل ہو، جو سب کے نزدیک مسلم ہو، مثلاً امام شافعیؒ وضو میں نیت کو فرض قرار دیتے ہیں، لہٰذا حنفی بے نیت وضو نہ کرے، اسی طرح وضو کے اندر اعضا کے دھونے میں ترتیب کو امام اور پے در پے وضو کرنے کو امام شافعی ضروری قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ترتیب وار اور پے در پے یعنی مسلسل بڑے وقفہ کے بغیر وضو کرنا چاہئے۔ امام مالک اعضا کے دھونے میں اعضا کا ملنا بھی فرض قرار دیتے ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ وضو میں اعضا کو اچھی طرح مل لیا جائے۔ ایسے ہی عورت کو چھو لینے اور شرمگاہ کے چھو لینے کو وضو کا توڑنے والا بتاتے ہیں، اس لئے اگر ایسا ہو جائے تو احتیاطاً وضو از سر نو کر لیا جائے۔ اسی پر اور بہت سارے مسئلوں کو قیاس کر لینا چاہئے۔ مثلاً چوتھائی سر کا مسح امام ابو حنیفہ کے نزدیک فرض ہے اور امام مالک کے ہاں تمام سر کا مسح فرض ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ حنفی پورے سر کا مسح کر لے، اس صورت میں اختلاف ائمہ سے بھی نکل جائیگا اور سنت بھی ادا ہو جائیگی۔ (مکتوب ۲۸۶ بنام مولانا امان اللہ فقیہ)

مشکوک چیزوں سے بچنا

اس راہ (سلوک) کی سب سے بڑی شرط نفس امارہ کی مخالفت کرنا ہے اور یہ مخالفت موقوف ہے، اس بات پر کہ مقام تقویٰ کی رعایت و پاسداری کی جائے۔ تقویٰ کہتے ہیں، حرام چیزوں سے باز رہنے کو اور حرام چیزوں سے اس وقت تک باز نہیں رہا جا سکتا، جب تک قدر ضرورت سے زائد مباحات سے پرہیز نہ کیا جائے، اس لئے کہ

Marfat.com

ضرورت سے زائد مباح کاموں میں ڈھیل دے دینا مشکوک اشیاء تک پہنچاتا ہے اور مشکوک حرام سے قریب ہے، مشکوک کے ارتکاب سے حرام میں داخل ہونے کا احتمال ہے۔

(حدیث میں آتا ہے) "جو چرواہا مخصوص شاہی چراگاہ کے قریب اپنی بکریاں چراتا ہے، بعید نہیں کہ ایسی صورت میں اس کی بکریاں اس چراگاہ خاص میں داخل ہو جائیں"۔ پس تقویٰ کے سلسلے میں زیادتی مباح سے بچنا بھی (خاص طور پر) قابل لحاظ ہے، ترقی و عروج، تقویٰ ہی سے وابستہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں، ایک اوامر کی تعمیل کرنا، دوسرے مناہی منع کئے ہوئے کاموں سے باز رہنا، اوامر کی تعمیل میں تو فرشتے بھی شامل ہیں۔ اگر (فقط) اوامر کی تعمیل ہی سے ترقی وابستہ ہوتی تو فرشتوں کے درجات میں بھی ترقی ہوتی، (لیکن ان کو اس سے ترقی درجات حاصل نہیں ہوتی) پس معلوم ہوا کہ انسان کو بھی صرف اوامر کی بجا آوری سے ترقی نہ ہوگی، جب تک وہ مناہی سے باز نہ رہے۔ مناہی سے باز رہنے کا سوال فرشتوں میں اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے معصوم ہیں۔ وہ مخالفت حکم کی طاقت نہیں رکھتے۔ (مکتوب ۲۸۶ بنام مولانا امان اللہ فقیہ)

تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مشغول رکھنا چاہئے، جو عمل بھی شریعت عزاء کے موافق ہوگا وہ داخل ذکر ہے۔ اگرچہ بیع و شراء ہو، پس تمام حرکات و سکنات میں احکام شرعیہ کی مراعات ہونی چاہئے، تاکہ وہ سب ذکر ہو جائے۔ اس لئے کہ ذکر نام ہی ہے غفلت دور کرنے کا اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی شرعیہ کی مراعات کی جائے گی تو کرنے والے کو ان کا حکم دینے والے (خدائے واحد) سے جو حقیقی آمر و ناہی ہے، غفلت سے نجات حاصل ہو جائے گی اور اس کو دوام ذکر کی دولت میسر آئے گی۔

(مکتوب ۲۵ دفتر دوم بنام خواجہ محمد شرف الدین)

ولایت میں عروج و نزول اور اس کے اثرات

ولایت سے مراد فنا و بقا ہے اور خوارق و کشفیات خواہ کم ہوں یا زیادہ، اس (فنا و بقا)

Marfat.com

کے لوازم میں سے ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں، اس کی ولایت بھی اتم واکمل ہو بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (کسی بزرگ سے) خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی ولایت اکمل ہوتی ہے اور خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے، عروج کے وقت میں بہت زیادہ عروج کرنا اور نزول کے وقت بہت کم نیچے اترنا، بلکہ کثرتِ خوارق کے ظہور میں کلیہ قائدہ قلت نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے۔ خواہ وہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو، کیونکہ صاحب نزول عالم اسباب میں اترتا ہے اور اسباب کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے، جس شخص نے نزول نہیں کیا اور نزول کے اسباب تک نہیں پہنچا۔ اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے، کیونکہ (مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) تمام اسباب اس کی نظر سے اٹھ گئے ہیں۔ پس حق سبحانہ و تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا، اس کا کام بغیر وسیلے کے مہیا کر دیتا ہے۔ حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی اس مطلب پر دلیل ہے۔

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہ کی حکمت اس مقام کے مناسب ہے۔ منقول ہے کہ ایک دن خواجہ حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے، کشتی کا انتظار کر رہے تھے تا کہ دریا سے پار ہوں، اسی اثنا میں حبیب عجمی بھی آنکلے اور پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں، فرمایا، کشتی کا انتظار ہے۔ حبیب عجمی نے کہا، کشتی کی کیا حاجت ہے۔ کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسن بصری نے کہا، کیا آپ علم نہیں رکھتے، غرض کہ حبیب عجمی کشتی کے بغیر دریا سے گذر گئے اور خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔ خواجہ حسن بصری نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا، اس لئے (کار کنان قضا و قدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے سے معاملہ

فرماتے تھے اور حبیب عجمی نے پورے طور پر اسباب کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس لئے (کار کنان قضاو قدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے کے بغیر معاملہ کرتے تھے، لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصری کے لئے ہے، جو صاحب علم ہیں اور جنہوں نے عین الیقین کو علم یقین کے ساتھ جمع کر لیا ہے اور اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں، سمجھ لیا ہے، کیونکہ قدت کی اصل حقیقت کو پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ حبیب عجمیؒ صاحب سکر ہیں اور فاعل حقیقی پر ایک ایسا یقین رکھتے ہیں، جس میں اسباب کا کچھ دخل نہیں۔ (مکتوب ۲۱۶ میرزا حسام الدین احمد)۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کہتے ہیں حرام چیزوں سے باز رہنے کو اور حرام چیزوں سے اس وقت تک باز نہیں رہ سکتا جب تک قدر ضرورت سے زائد مباحات سے پرہیز نہ کرے اس لئے کہ ضرورت سے زائد مباح کاموں کے کرنے میں ڈھیل دے دینا مشکوک اشیاء تک پہنچاتا ہے اور مشکوک حرام سے قریب ہے۔ مشکوک کے ارتکاب سے حرام میں داخل ہونے کا قوی احتمام ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے، جو چرواہا مخصوص شاہی چراگاہ کے قریب اپنی بکریاں چراتا ہے، بعید نہیں کہ ایسی صورت میں اس کی بکریاں اس چراگاہ خاص میں داخل ہو جائیں۔"

پس تقویٰ کے سلسلے میں زیادتیٔ مباح سے بچنا بھی (خاص طور پر) قابل لحاظ ہے۔ ترقی و عروج، تقویٰ ہی سے وابستہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں، ایک اوامر کی تعمیل کرنا دوسرے منع کئے ہوئے کاموں سے باز رہنا، اوامر کی تعمیل میں تو فرشتے بھی شریک ہیں، اگر فقط اوامر کی تعمیل ہی سے ترقی وابستہ ہوتی تو فرشتوں کے درجات میں بھی ترقی ہوتی۔ (لیکن ان کو اس سے ترقی درجات حاصل نہیں ہوتی) پس معلوم ہوا کہ انسان کو بھی صرف اوامر کی بجا آوری سے ترقی نہ ہوگی۔ جب تک وہ مناہی

Marfat.com

سے باز نہ آئے، مناہی سے باز رہنے کا سوال فرشتوں میں اس لئے نہیں پیدا ہوتا کہ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے معصوم ہیں، وہ مخالفتِ حکم کی طاقت ہی نہیں رکھتے کہ ان کو اس مخالفت سے منع کیا جائے۔ پس لازم آیا کہ ترقی ءمدارک، مناہی سے باز رہنے سے ہی وابستہ ہے"۔ (مکتوب ۲۸۶ بنام مولانا امان اللہ فقیہ)

حلت و حرمت کے معاملات میں صوفیاء کا قول معتبر نہیں

صوفیاء کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں، کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم انہیں معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں، اس معاملے میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی، ابو الحسن نوری کا عمل، اس زمانہ کے صوفیاء خام نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنے دین وملت کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت بنالیا ہے۔ اتخذو دینهم لهوا ولعبا انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے (مکتوب ۲۶۶ بنام خواجہ عبداللہ وعبید اللہ)

انبیاء کا مقصد عبادت ماسوائے حق کی نفی ہے

لوگ دلائل عقلیہ سے شریک وجوبِ وجود کی نفی تو کرتے ہیں اور ایک کے علاوہ کسی کو نہیں مانتے لیکن معاملہ استحقاقِ عبادت سے غافل اور شریک استحقاق عبادت کی نفی سے فارغ ہیں۔ ان کو عبادت غیر سے پرہیز نہیں اور مراکز اصنام کی تعمیر سے باز نہیں آتے۔ انبیاء علیهم السلام کا کام یہ ہے کہ وہ بتوں کے اڈوں کو منہدم اور عبادتِ غیر کے استحقاق کو ختم کردیں۔ ان بزرگوں کی اصطلاح میں مشرک وہ ہے جو غیر حق کی عبادت میں گرفتار ہے۔ اگرچہ واجب الوجود خدا ہی کو جانتا ہو۔ انبیاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ عبادت ماسوائے حق کی نفی ہو، جس کا تعلق عمل و معاملہ سے ہے اور اسی نفی سے یہ لازم آتا ہے کہ شریک وجوبِ وجود کی بھی نفی ہوئی۔ پس جب تک کوئی انبیاء

Marfat.com

علیھم السلام کی شریعتوں پر جو کہ استحقاق عبادت غیر کی نفی سے خبردار کرنے والی ہیں، عمل در آمادنہ کرے گا، شرک سے آزادنہ ہوگا اور آفاقی وانفسی معبودان باطل کی شرکت عبادت کے شعبوں سے نجات نہ پائے گا۔ انبیاء علیھم السلام کے شرائع، شرک سے رستگاری کے ضامن ہیں۔ بلکہ ان کے مبعوث ہونے کا مقصود ہی یہ دولت توحید تھی۔ انبیاء علیھم السلام کے علاوہ دوسروں کے یہاں شرک سے نجات میسر نہیں اور نہ ان کی ملت پر عمل کئے بغیر توحید ممکن ہے۔ (مکتوب ۳ میر محب اللہ مانکپوری)

جفائے محبوب، وفائے محبوب سے زیادہ لذت بخش ہے

تم نے لکھا تھا کہ ظہور فتنہ کے وقت (آپ کے قید میں جانے کے وقت سے) نہ ذوق باقی رہا نہ حال (ارے بھائی) چاہئے تو یہ تھا کہ اب ذوق وحال دوچند ہو جاتا۔ اس لئے کہ جفائے محبوب وفائے محبوب سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ تم بالکل عوام الناس کی سی باتیں کرتے ہو اور محبت ذاتیہ سے دور ہو گئے ہو۔ (ایسی باتیں نہ کرو) بلکہ اس کے بر خلاف جلال کو جمال سے بڑھ کر سمجھو۔ ایلام کو انعام سے زیادہ تصور کرو، اس لئے کہ جمال وانعام میں تو مرادِ محبوب ہماری اپنی مراد سے ملی جلی ہوئی ہے اور جلال وایلام میں خالص مراد محبوب ہوتی ہے، ہمارے مراد کے خلاف۔ ابتلاو ایلام کا وقت جمال وانعام کے وقت سے اونچا ہوتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے (مکتوب ۶۔ شیخ بدیع الدین)

کسی کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ اس کے اعمال حسن خرابی سے خالی ہیں۔ ذرا بھی غور و توجہ سے اگر وہ دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے اعمال حسنہ میں ساری خرابیاں دیکھے گا اور حسن وخوبی کی بو بھی ان میں محسوس نہ کرے گا۔ کیسا عجب اور کہاں کا احساس بالادستی، بلکہ اپنے ان اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں وکوتاہیوں کے احساس سے وہ شرمندہ اور دل شکست ہوگا اور یہی چیز اس کے اعمال کی قیمت عنداللہ بڑھادے گی اور اور اس کو قابل قبول بنادے گی، بس اس کی کوشش کریں کہ

Marfat.com

اپنے اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی عادت ہو جائے۔ اس کے بغیر کچھ نہیں۔

اللہ کے جن بندوں کو یہ چیز پوری طرح نصیب ہو جاتی ہے، وہ ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کی نیکیوں کا لکھنے والا داہنے طرف کا فرشتہ بالکل معطل اور بے کار بیٹھا ہے اور ان کے نامہ اعمال میں ایک نیکی بھی نہیں لکھی جارہی ہے اور گناہوں کا لکھنے والا بائیں جانب کا فرشتہ برابر لکھنے میں مصروف ہے اور ہر عمل سراسر قصور و گناہ ہے اور فرشتہ ہر عمل گناہوں کے خانہ میں لکھ رہا ہے۔ جب عارف اس سرحد پر پہونچ جاتا ہے تو کیا بتایا جائے کہ رب کریم کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ (مکتوب ۵۳ مشائخ عصر میں سے ایک صاحب کے نام ان کے ایک سوال کے جواب میں)۔

بدعت، دین کے کمال و حسن کے خلاف اعلان ہے

سمجھ میں نہیں آتا، لوگوں نے کہاں سے کسی ایسے کام میں حسن ہونے کا فیصلہ کیا جو اسلام کے دین کامل اور خدا کے پسندیدہ و مقبول مذہب میں اتمام نعمت کے بعد ایجاد کیا گیا ہو، کیا ان کو یہ موٹی بات معلوم نہیں کہ اتمام و اکمال اور قبولیت کے بعد کسی دین میں کوئی بات ایجاد کی جائے تو اس میں حسن نہیں ہو سکتا۔ فما ذا بعد الحق الا الضلال (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے)

اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ دین کامل میں کسی نو پیدا شدہ چیز کے حسن کا فیصلہ کرنا اس کے عدم کمال کو مستلزم ہے اور اس بات کا اعلان کہ نعمت ابھی تمام نہیں ہوئی تو وہ کبھی اس کی جرأت نہ کرتے۔ (مکتوب ۹ دفتر سوم بنام میر محب اللہ)

وحدت الوجود

اکثر ابنائے زمانہ بعض تقلید کی بنا پر بعض محض اپنے علم کے زور پر اور بعض ایسے

Marfat.com

علم کی بنا پر جس میں ذوق کی شمولیت ہے (خواہ کیسی محدود مقدار میں) اور بعض نے الحاد و زندقہ کی بنا پر اس توحید وجودی کا دامن تھام لیا ہے اور وہ ہر چیز کو حق کی طرف سے جانتے ہیں، بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور وہ اپنی گردنوں کو کسی نہ کسی ترکیب سے تکلیف شرعی کے طوق سے آزاد کر لیتے ہیں اور احکام شرعیہ کے بارے میں تساہل و مداھنت سے کام لیتے ہیں اور اس معاملے میں بڑے مسرور اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اوامر شرعیہ پر عمل کرنے کی ضرورت کا اگر اعتراف بھی کرتے ہیں تو اس کو ضمنی اور تبعی بات سمجھتے ہیں وہ مقصود اصلی شریعت کے ماوراء خیال کرتے ہیں۔ حاشاو کلا ثم حاشاو کلا ھم اللہ تعالیٰ سے ایسے اعتقاد فاسد سے پناہ مانگتے ہیں۔ (مکتوب ۴۳ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

اس زمانے میں اس گروہ کے بہت سے ایسے لوگ جو صوفیوں کے لباس میں اپنے کو ظاہر کرتے ہیں، توحید وجودی کا بر سر عام اعلان کرنے لگے ہیں، اور اس کے سوا وہ کسی چیز کو کمال نہیں جانتے۔ علم کے ذریعے حقیقت سے دور رہ گئے ہیں۔ مشائخ کے اقوال کو اپنے ذہن کے پیدا کیے ہوئے مضامین پر اتار لائے ہیں اور ان کو اپنا مقتدیٰ بنا رکھا ہے اور ان تخیلات سے اپنے بازاری سر کو گرم کر رکھا ہے۔ (ایضا)

Marfat.com

راہ محبت و وفا کے مدارج

مشکلات اور دشواریوں کی نشاندہی

عقل دور اندیش سے کام لینا

دنیا زراعت کی جگہ ہے، زراعت کے وقت عیش و آرام میں مشغول ہونا اور فانی لذتوں میں مبتلا ہونا، اپنے آپ کو اس سرمدی آرام سے جدا رکھنا ہے (جو دنیا میں صحیح طریقے پر زندگی گذارنے پر آخرت میں ملے گا) عقل دور اندیش "لذات باقیہ" کو چھوڑ کر "لذاتِ فانیہ مبغوضہ" پر ہرگز فریفتہ نہیں ہو سکتی۔ (صفحہ ۳۱)

بے ضرورت تعلقات سے نسبت باطن کا برباد ہونا

"ضبط اوقات" میں کوشش کرو اور اہم امور میں وقت صرف کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ وقت یوں ہی خرچ ہو جائے۔ "کثرت اختلاط مردم" سے بھی بچتے رہو کیونکہ (بے ضرورت زیادہ میل جول) "نسبت باطن" کی رونق برباد کرتا ہے۔ "بے نیت صالحہ" مخلوق سے (زیادہ) ملنا جلنا خالق سے انقطاع کا سبب بن جاتا ہے۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ "بُروں کی صحبت سے پرہیز کرو اور نیکوں کی صحبت بھی اتنی رکھو کہ حق عزوجل سے انقطاع نہ ہونے پائے۔" (صفحہ ۳۳)

تصوف بے چینی کا نام ہے

ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ "تصوف اضطراب و بے چینی کا نام ہے"۔ جب

Marfat.com

...گیا، تصوف نہ رہا۔ طالب، بے اضطراب اور بے سوزش نہیں ہوتا۔ کوئی عارف بغیر درد و حزن کے نہیں ہے۔ جب فخر کائنات علیہ افضل الصلوات "دوامِ فکر" اور "تواصلِ حزن" کے ساتھ موصوف تھے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ (صفحہ ۳۵)

نمازِ تہجد ضروریات طریقہ صوفیاء ہیں

اہل طریقت مبتدی کے لئے علاوہ فرائض و (واجبات) و سننِ مؤکدہ اور ذکر مقرر کے اور کچھ تجویز نہیں کرتے۔ اور میں مبتدی کے لئے توسع کر دیتا ہوں۔ تمہارے لئے کہ تم درجہ مبتدی سے بہت کچھ ترقی کر گئے ہو۔ بدرجہ اولیٰ اجازت ہے کہ اورادِ مسنونہ علاوہ ذکر کے پڑھا کرو، نماز تہجد و چاشت، اوابین اور اس کے علاوہ سننِ زوائد بھی ادا کرو، نمازِ تہجد اور قیامِ لیل تو یہ کہنا چاہئے کہ "ضروریات طریقۂ صوفیاء" سے ہے۔ تعلیم و تعلم، طریقت کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ کام نیتِ صالحہ کے ساتھ ہو تو نسبت باطنیہ کے لئے مؤید ہے، شوق سے کتبِ دینیہ کے مطالعہ میں مشغول رہو اور تعلیم و تعلم کی طرف رغبت کرو۔ البتہ ایک وقت مقرر کر کے تعلیم و تعلم کی طرف رغبت کرو اور باقی اوقات کو "ذکر و فکر" سے معمور کر دو۔ قرآن کی سورتیں ضرور حفظ کرو۔ (صفحہ ۳۷)

معرفت نظری اور معرفت شہودی کی تعریف

۱-وہ معرفت جس کو علمائے عظام بیان کرتے ہیں۔

۲-وہ معرفت جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں۔

معرفت کی پہلی قسم نظر و استدلال سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری کشف و شہود سے۔ پہلی قسم کی معرفت "دائرہ علم" میں داخل ہے اور "تصور و تعقل" کے قبیل سے ہے اور دوسری معرفت "دورہ حال" میں داخل ہے اور "تحقق" کی جنس سے ہے۔ پہلی قسم از قسم علم حصولی ہے اور دوسری از قبیل علم حضوری۔ اس لئے کہ

اس دوسری قسم کی معرفت میں نفسِ سالک فنا ہو جاتا ہے اور حق حاضر ہوتا ہے۔ پہلی قسم میں حصولِ معرفت، منازعتِ نفس اور انکارِ نفس کی کشمکش کے ساتھ ساتھ ہے (اس لئے کہ نفس ابھی اپنی صفات رذیلہ پر قائم ہے۔ تمرّد و سرکشی سے باہر نہیں ہو سکا ہے)۔ اس صورت میں اگر ایمان ہے تو محض "صورتِ ایمان" ہے۔ اور اگر اعمال صالحہ ہیں تو "صورت اعمال صالحہ" (حقیقت ایمان واعمال نہیں) وجہ یہی ہے کہ نفس ہنوز کفر میں مبتلا ہے اور مولیٰ تعالیٰ کی مخالفت کر رہا ہے۔ اس ایمان کو "ایمان مجازی" کہتے ہیں۔ یہ ایمان مجازی "زوال و خلل" سے محفوظ نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۴۱)

عزت کا ایمان و معرفت کے ساتھ وابستہ ہونا

تم نے بعض مادی چیزوں کے حاصل نہ ہونے کے بارے میں لکھا ہے، اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے وہ بہتر ہے۔ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو اور مادی اشیاء کے حصول میں خواہ مخواہ مشقت مت جھیلو۔ الیس اللہ بکاف عبدہ۔ یاد رکھو کہ ہماری عزت "ایمان و معرفت" کے ساتھ وابستہ ہے۔ مال و جاہ کے ساتھ نہیں، تکمیل ایمان میں کوشش کرو اور مراتب معرفت حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرو۔ جتنا بھی اس مقصدِ اعلیٰ میں مشقت جھیلو گے اتنا ہی زیادہ مستحسن ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "جو شخص اپنے تمام غموں کو ایک غمِ آخرت بنادے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام غموں کو دور کر دے گا۔" (صفحہ ۴۳)

دو دن کا یکساں ہونا، خسارہ کا موجب ہے

جس کے دو دن مساوی گذریں (اگلے دن پہلے دن کے مقابلہ میں کوئی دینی ترقی نہیں کی) وہ گھاٹے میں ہے، اپنے اوقات کو وظائف و طاعات میں مصروف رکھو۔ اس فرصتِ قلیلہ کو "تعمیر باطن" اور "تنور قلب" میں لگادو "تعمیر ظاہر" "تخریبِ باطن" کا سبب ہے اور "تخریبِ ظاہر" "تعمیر باطن کا اور ہم بوالہوس "تعمیر ظاہر" ہی کے پیچھے

Marfat.com

پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا باطن کی ایسی صورت میں کیا خاک خبر گیری ہو سکے گی۔ (صفحہ ۴۴)

نماز اور تلاوت قرآن کی اہمیت

مخدوما :- نماز معراجِ مومن ہے، اور نمونہ ء "حالتِ معراجیہ" ہے۔ ساجد، اللہ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے۔ تم نے یہ حدیث سُنی ہو گی۔ نیز حدیث میں آیا ہے۔ بندہ جب کہ نماز میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پھر فرائض کی خصوصیت جداگانہ ہے اور جماعت نور علیٰ نور ہے۔ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نور سے روشن و منور کردے گا جو اندھیروں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں۔" (اس کے بعد چند احادیث مسجد میں جانے اور مسجد میں نمازِ باجماعت پڑھنے کی فضیلت اور ثواب کے بیان میں تحریر کی ہیں) جو ترقی تلاوتِ قرآن مجید میں مفہوم ہوتی ہے، وہ دوسری چیزوں میں کم ہے۔ خصوصاً وہ تلاوت جو نماز میں طولِ قنوت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ہاں یہ ترقی، تلاوت و نماز دونوں کا (مجموعی) نتیجہ ہے۔ کلام، صفت حقیقی ہے۔ اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوا کرتا۔ اس صفت سے تعلق رکھنا موصوف سے کمالِ تقرب کا باعث ہے۔ (صفحہ ۴۵)۔

سلوک کے آخری مراحل میں بے چینی نہیں ہوتی

عشق حقیقی فنا و بقا تک پہنچاتا ہے، جو مقامات باطن سے ہیں۔ ہاں "مقامات ظل" میں مناسبت، درمیان محبّ و محبوب حقیقی پائی جاتی ہے۔ اگر یہاں سے اس کے آثار کچھ نہ کچھ ظاہر میں نمودار ہو جائیں تو البتہ گنجائش ہے، اسی وجہ سے عشق حقیقی میں بھی کبھی کبھی چیخ پکار اور نعرہ یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جب معاملہ "ظل" سے اوپر کو چلتا ہے اور غیب الغیب پر بات پہنچتی ہے تو اس منزل میں بے چینی اور بے آرامی کم ہو جاتی ہے، چنانچہ "کمالاتِ نبوت" کے مقام میں محبت بمعنیٰ "ارادۂ طاعت" رہ جاتی ہے اور بس، بے آرامی و بے چینی اس میں نہیں ہوتی، یہ محبت اس طرح کی ہوتی ہے جیسا کہ ہر

Marfat.com

کسی کو اپنی ذات کے ساتھ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ نازک و لطیف، اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے وجود سے زیادہ ظاہر کوئی محبوب نہیں، الا ماشاء اللہ۔ پھر بھی اس سلسلے میں کوئی بے آرامی اور تڑپ نہیں پائی جاتی۔ (صفحہ ۴۷)

سالکین کو اہم ہدایات

اے بھائی!- ناجنس اور مخالفِ طریق کی صحبت سے بچتے رہنا اور بدعتی کی مجلس سے گریزاں رہنا۔ یحیٰ معاذ رازی قدس سرہ کا مقولہ ہے کہ ان تین اصناف سے اجتناب کرو۔

(۱) علمائے غافلین (۲) قرائے مداہنین اور (۳) متصوفۂ جاہلین

جو شخص مسندِ مشیخت پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کا عمل موافقِ سنت رسول ﷺ نہیں ہے اور نہ خود زیورِ شریعت سے آراستہ ہے۔ خبردار، خبردار۔ اس سے دور رہنا، بلکہ (احتیاطاً) اس شہر میں بھی نہ رہنا، جس میں ایسا (مکار) رہتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ عرصے کے بعد اس کی طرف دل کا میلان ہو جائے اور کارخانۂ روحانیت خلل پذیر ہو۔ ایسا شخص ہرگز اقتداء کے لائق نہیں ہوتا۔ وہ تو درحقیقت ایک چور ہے پنہاں۔ ہر چند کہ اس سے طرح طرح کے خوارق عادات دیکھو اور اسے دنیا سے بظاہر بے تعلق بھی پاؤ (کبھی اس کی طرف ملتفت نہ ہونا) اس کی صحبت سے اس طرح بھاگنا، جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔ (صفحہ ۶۱)

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ "کامیابی کے تمام راستے بند ہیں، سوائے اس شخص کے راستے کے جو آنحضرت ﷺ کے نقشِ قدم کی پیروی کرے"۔ سید الطائفہ ہی کا یہ قول ہے کہ "مقربین صادقین" کا راستہ درحقیقت کتاب و سنت کے ساتھ سے وابستہ ہے اور وہ علماء جو شریعت و طریقت پر عامل ہیں اور وارث النبی کہلانے کے مستحق ہیں، وہ اقوال، اخلاق اور افعال میں آنحضرت ﷺ کے متبع ہوتے ہیں۔"

مکرر لکھتا ہوں کہ آدابِ نبوی کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی ﷺ کو

Marfat.com

چھوڑنے والے کو ہر گز ہر گز "عارف" خیال نہ کرنا، اس کے (ظاہری) تبتل وانقطاع، خوارقِ عادات، زہد توکل اور (زبانی) معارفِ توحیدی پر فریفتہ و شیفتہ نہ ہو جانا۔۔۔۔ مدارِ کار، اتباعِ شریعت پر ہے اور "معاملۂ نجات" "پیروی نقشِ قدم رسول" سے مربوط ہے۔ محق و مبطل میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز اتباعِ پیغمبر ہی ہے۔ زہد و توکل اور تبتل بغیر اتباعِ رسول ﷺ کے نا معتبر ہیں۔ "اذکار و افکار" اور "اشواق و اذواق" بے توسل سر کار دو عالم غیر مفید ہیں۔ خوارقِ عادات کا دار و مدار بھوک اور ریاضت پر ہے۔ اس کو معرفت سے کیا تعلق ؟۔ (صفحہ ۶۲-۶۱)

مردِ حق کی پہچان

شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہاں! گھاس کا تنکا بھی پانی پر چلتا ہے (یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے) پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے۔ فرمایا: (ٹھیک ہے) چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔ پھر کہا گیا کہ :- فلاں آدمی ایک لحظے میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے۔ فرمایا: (اس میں کیا رکھا ہے) شیطان تو ایک دم مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے۔ ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مردِ حق دراصل وہ ہے، جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھے۔ بیوی بچے رکھتا ہو اور پھر ایک لحظہ خدائے عزوجل سے غافل نہ رہے۔ (صفحہ ۶۲)

جوانمردی کی علامت بندہ کی جملہ ضروریات کا اہتمام ہونا

"ابو عبداللہ احمد مقری قدس سرہ فرماتے ہیں :- "جوانمردی یہ ہے کہ تو جس شخص سے کدورت رکھتا ہو اس سے حسنِ خلق سے پیش آئے اور جس آدمی سے کراہت کرتا ہو اس پر مال خرچ کرے اور جس سے نفرت ہو اس سے اچھا سلوک کرے۔" بات چیت کرنے میں "رعایت قلت" مدِ نظر رہے۔ زیادہ نیند اور زیادہ ہنسنا بھی درست

Marfat.com

نہیں کیونکہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرے اور خدمتِ مولیٰ میں چست ہو جائے۔ ایسا کرے گا تو تدبیر امور سے فارغ ہو جائے گا (اور سب کام غیب سے بن جائیں گے) سید الطائفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ :- دنیا کی تمام حاجتوں میں کامیابی کا راز ان حاجتوں کو ترک کر دینے میں پوشیدہ ہے۔ جب دل ایک جانب (خدا کی طرف ہو جائے گا۔ خداوند کریم سب کام پورے کر دے گا۔ حدیث میں ہے۔ "جو شخص اپنے تمام غموں کو ایک غم (غمِ آخرت) بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے تمام کام بنا دے گا۔" نیز ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تیرے اوپر مہربان کر دے گا کہ وہ تیرے کاموں کو (خود بخود) انجام دیں گے۔

یحییٰ معاذ رازیؒ فرماتے ہیں :- "جس قدر تجھے اللہ سے محبت ہو گی۔ مخلوقِ خدا بھی تجھ سے اتنی ہی محبت کرے گی۔ تجھے خدا کا جس قدر خوف ہو گا، مخلوق بھی تجھ سے اتنا ہی ڈرے گی اور تو جتنا خدا کے حکموں میں مشغول ہو گا، مخلوق بھی تیرا اتنا ہی کہنا مانے گی۔" (صفحہ ٦۵)

سالک کی کچھ صفات

سالک کو چاہئے کہ حوادث میں متذبذب نہ ہو۔ عیوبِ مردم پر نظر نہ کرے اور اپنے عیوب ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔ اپنے آپ کو کسی مسلمان پر ترجیح نہ دے، سب کو اپنے سے بہتر سمجھے۔ ہر مسلمان کے متعلق یہ اعتقاد رکھے کہ اس کی برکت اور دُعا سے مجھے کشودِ کار میسر ہو سکتا ہے۔ سلف صالحین کے حالات پیشِ نظر رکھے۔ مساکین کی ہم نشینی پسند کرے۔ کسی کی غیبت کی جانب خود بھی مائل نہ ہو اور جہاں تک ہو سکے دوسرے کو بھی اس سے روکے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شیوہ بنائے۔ اللہ کے راستے میں انفاقِ مال پر حریص ہو۔ حسنات کے صدور سے خوشی محسوس کرے اور سیئات کے ارتکاب سے دور دور رہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ :- "جو شخص ایہ

Marfat.com

ہو کہ اپنا گناہ اس کو ناگوار گذرے اور نیکی اس کو خوش کرے، بس وہ مؤمن (کامل) ہے"۔ (صفحہ ۶۵)

دوست کا اللہ سے جدائی کا ذریعہ بننا

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست — کہ دل ہر دو در تصرفِ اوست

جو شخص تم سے دوستی رکھتا ہے وہ تم کو اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر اپنی جانب مشغول کرنا چاہتا ہے اور جو تم سے دوستی نہیں رکھتا، وہ (درحقیقت) تم کو حق تعالیٰ کی جانب مشغول ہونے کا موقع دے رہا ہے۔ اللہ کے ساتھ مشغول رہنا بہتر ہے یا مخلوق کے ساتھ؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے

یا رب ہمہ خلق را ز من بدخو کن — در جملہ جہاں نیاں مرا یکسو کن
روئے دلِ من صرف کن از ہر جہتے — در عشق خودم یک جہت و یک رو کن

(صفحہ ۷۰)

تصوف میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت

امر بالمعروف، نہی عن المنکر، بغض فی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، یہ چیزیں تو "سننِ مقررۂ مصطفیوہ" میں سے ہیں، بلکہ واجبات و فرائض میں سے ہیں۔ بنابریں امرِ معروف کو ترک کرنا، گویا اس طریقۂ عملیہ (نقشبندیہ) کا ترک کرنا ہوگا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارا طریقہ" "عروۂ وثقی" ہے۔ اس میں دامنِ متابعت رسول کریم ﷺ کو تھامنا اور آثار صحابہؓ پر چلنا (ضروری) ہے، اس راہ میں تھوڑے عمل سے "فتوحِ بسیار" حاصل ہوتا ہے اور جو ان باتوں سے روگردانی کرے گا اس کے لئے خطرِ عظیم ہے۔" طریقۂ سلف اور صوفیاء و مشائخ مستقیم الاحوال کا طرزِ عمل بھی یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ غور کرو، صوفیائے کرام نے جو سلوک و ریاضت اور موعظت کے دفتر لکھے ہیں اور "مہلکات و منجیات" کی

Marfat.com

نشاندہی کی ہے، یہ امر معروف اور نہی منکر نہیں، تو اور کیا ہے ؟۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ اپنے پیرو مرشد (حضرت خواجہ عثمان ہارونی ؒ) سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ "راہ دوستی" تاریک وباریک ہے۔ "تمہیں چاہئے کہ مخلوقِ خدا کو نصیحت کرو اور لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈراؤ۔" شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ جو کہ اہلِ وحدتِ وجود کے امام و پیشوا ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے کے ان صوفیاء کو جو طریقہ "سماع ور قاصی" اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس فعل سے روکا ہے اور ان باتوں کو ترک کرنے کے لئے امر فرمایا۔ بعض اشخاص شیخ موصوف کے فرمانے کے مطابق باز آگئے اور اس طریقے کو چھوڑ دیا اور بعضوں نے اپنا (غلط) طریقہ تو نہیں چھوڑا، لیکن اپنے قصور کا اعتراف و اقرار کیا، جیسا کہ شیخ نے اپنے بعض رسائل میں اس کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ؒ نے اپنے ایک رسالہ میں امر معروف و نہی منکر کا ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس کے دقائق بیان فرمائے ہیں۔ اسی رسالہ میں فرماتے ہیں :-

"جب کہ یہ بات ثابت ہوئی کہ نھی عن المنکر عدمِ قدرت کے وقت واجب نہیں تو کیا نہی عن المنکر ایسے وقت میں جب کہ اپنی جان پر بن آنے کا گمان غالب ہو، جائز بھی ہے یا نہیں ؟ پس ہمارے نزدیک ایسے وقت میں جائز ہے اور افضل ہے، بشرطیکہ نہی کرنے والا اہل عزیمت و صبر میں سے ہو، پس یہ نھی عن المنکر جہاد فی سبیل اللہ مع الکفار کی مانند ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قصہ لقمان میں فرماتا ہے :- معروف کا حکم کر، منکر سے منع کر اور جو مصیبت (نتیجے میں) پڑے، اس پر صبر کر، بیشک یہ ہمت کے کام ہیں۔"

انصاف کرنا چاہئے۔ یہ حضرات پیشوائے اہل ولایت اور مقتدائے صوفیائے کرام تھے، ان کا مسلک اگر مداہنت ہوتا تو اتنا مبالغہ امر معروف میں کیوں کرتے ؟

Marfat.com

حضرت فضیل ابن عیاضؒ جو کہ اکابر صوفیاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں :-"جو شخص صاحب بدعت" سے محبت رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو حبط کر دے گا اور اس کے قلب سے ایمان کی نورانیت سلب کر لے گا اور میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ یہ جان لے گا کہ کوئی شخص، صاحبِ بدعت سے بغض رکھتا تھا، تو اس بغض رکھنے والے کو (یقیناً) بخش دے گا، اگرچہ اس کے نیک عمل قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ اے مخاطب! تو جب کسی بدعتی کو ایک راستہ پر چلتا دیکھے تو دوسرا راستہ اختیار کرلے"۔ خود حضور ﷺ نے ان الفاظ میں اہل بدعت پر لعنت فرمائی ہے :-جو کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے، اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت پڑتی ہے، نہ ایسے شخص کا فرض قبول نہ نفل۔" (صفحہ ۸۱-۸۲)

اللہ کے لئے محبت اور بغض رکھنا

حضرت عمر بن الجموحؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ "بندہ صریح ایمان نہیں پاسکتا، تاوقتیکہ اللہ کے لیے بغض نہ کر . . ، جس کسی میں یہ صفت پیدا ہوگئی کہ وہ اللہ کے لیے محبت رکھتا ہے اور اللہ کے لیے بغض رکھتا ہے تو وہ مستحقِ ولایت ہوگیا۔" (رواہ احمد)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ : جس کسی نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا اور اللہ کے لئے عطا کیا اور اللہ کے لیے منع کیا، اس کا ایمان کامل ہوگیا۔" (رواہ ابو داؤد) (صفحہ ۸۴)

جہاد کی اہمیت

رسولِ خدا ﷺ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

"طوبیٰ لمن اکثر فی الجهاد فی سبیل الله من ذکر الله فان الله له بکل کلمة سبعین الف حسنة. (رواہ الطبرانی)

Marfat.com

نیز ارشاد فرمایا کہ :سرحد کی چوکیداری کی حالت میں ایک نماز بیس لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔(ملخصا)(رواہ ابو الشیخ وابن حبان)

نیز فرمایا کہ :اس راہ میں ایک درہم ودینار کا خرچ کرنا، دوسری (نیک) راہ میں سات سو دینار خرچ کرنے سے افضل ہے (ملخصاً)اور حضور علیہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "جو شخص مجاد فی سبیل اللہ کی اور غازی کے اہل وعیال کی اور مکاتب (غلام) کی آزاد کرانے میں امداد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے میں رکھے گا، اس دن جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔"(رواہ احمد والبیہقی)اور فرمایا کہ :-جو کہ اللہ کے راستے میں ایک دن یا ایک دن سے کم، یا ایک ساعت بھی بیمار ہوا، اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور اس کے لیے ایک لاکھ ایسے غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب لکھا جاتا ہے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک لاکھ درہم ہو۔"(صفحہ ۱۰۲)

محبت حق کے علاوہ دوسری محبت کا مرض

حق تعالیٰ کی محبت کے علاوہ دوسری اشیاء کی محبت میں گرفتار ہو جانا، "امراض قلبیہ" میں سے شدید ترین مرض ہے۔ اس کے ازالہ کی فکر کرنا سب ضروری باتوں سے زیادہ ضروری ہے۔(صفحہ ۱۰۵)

طریقت کی کیا مجال ہے کہ وہ شریعت کا انحرافِ کرے

بھلا طریقت کا شریعت سے کیا تقابل ہے؟ اور ان دونوں میں مساوات کہاں سے آئی؟ شریعت تو ایسی قطعی وحی سے ثابت ہوئی ہے، جس میں شک وریب کو بالکل گنجائش نہیں۔ اس کے احکام میں "نسخ وتبدیل" نہیں، تا قیامِ قیامت یہ احکام باقی رہیں گے۔ شریعت کے تقاضہ پر عمل کرنا، تمام عوام وخواص کے لئے ضروری ولابدی ہے۔ طریقت کی یہ مجال نہیں کہ وہ شریعت کے احکام کو اٹھادے، اور اہلِ طریقت کو "تکالیف شرعیہ" سے آزاد کردے۔ اہلسنت وجماعت کے "عقائد قطعیہ" میں سے

Marfat.com

یہ عقیدہ بھی ہے کہ بندہ (بحالت ہوش و حواس) ہرگز ایسے درجے پر نہیں پہنچتا کہ تکالیف شرعیہ اس سے ساقط ہو جائیں، جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، وہ "جرگہ اسلام" سے باہر ہے۔ (صفحہ ۱۰۶)

اصلاح حکومت کے کام کی اہمیت

امید گاہا! اس زمانہ میں جب کہ زمانۂ نبوت سے بُعد ہو گیا ہے "انوارِ سنت" میں قلت آرہی ہے اور "ظلمات بدعات" کا ہجوم ہے۔ آپ جیسے "شاہبازوں" کا وجود بسا غنیمت ہے۔ اگر ہم جیسے زاویۂ خمول کے ساکنین، ہزاروں ریاضتیں گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر کریں اور ہاتھ پاؤں ماریں، آپ کے اس ایک "کلمۂ حق" کے برابر نہیں، جو سلاطین کے دل میں اثر کر جائے بلکہ ہماری ریاضتیں اس کی گرد کو نہیں پہنچتی اللہ تعالیٰ نے سلاطین کا عالم میں وہ درجہ رکھا ہے جو روح کا جسد میں ہے کہ صلاح روح، صلاحِ جسد ہے اور فسادِ روح، فسادِ جسد ہے۔ اسی طرح اصلاح سلاطین، اصلاحِ تمام عالم ہے۔ بھلا کون سا عمل اس عمل کو پہنچ سکتا ہے۔ (صفحہ ۱۰۸)

اہل اللہ کے سیر و سلوک کا ثبوتِ قرآنی

اہل اللہ کے سیر و سلوک کے لئے یہ آیۂ کریمہ جامع ترین ہے **ما عنداللہ تنفد و ما عنداللہ باق**۔ (تمہارے پاس جو کچھ ہے ختم ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی لازوال ہے)۔ طالبِ صادق جب تک تمام "منتسبات" سے خالی نہ ہو گا "انوار لایزال" کے ساتھ بقا نہ پائے گا۔ ہر چند اصل اس معاملے میں باطن ہے اور فنا و بقا، بالاصالۃ باطن ہی کے اوصاف ہیں، لیکن متاعہائے ظاہری کا زوال، اسبابِ معیشت کا فقدان اور اسقام و حوادثِ ظاہری بھی معاملاتِ باطنی کے ممد و معاون اور ترقیاتِ معنویہ کا سبب ہیں، کوئی "شاہباز" درکار ہے جو اس آیۂ کریمہ کے اسرار کے سمندروں میں غوطے لگائے، نیز ماعندکم اور ماعنداللہ میں کلمۂ ما کی عمومیت سے بہرہ ور ہو۔ (صفحہ ۱۱۲-۱۱۱)

لذت عبادت ایک عطیہ ہے

ادائے خدمت میں لذات کے درپے نہ ہو۔ اگر لذت دیں تو نعمت ہے، نہ دیں تو دامنِ اطاعت کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ بندگی سے مقصود وہ محنت و مشقت ہے۔ جس میں نفس و خواہش کی مخالفت ہے، نہ کہ وہ عیش و راحت جس کے ہوا و ہوس متمنی ہیں۔ وہ لذت و راحت جو "اس طرف" سے عطا کی جاتی ہے، چیز ہی دوسری ہے نفس و ہوا کا اس میں بالکل دخل نہیں ہوتا۔

لیکن وہ لذت چونکہ ایک عطیہ ہے، اس لئے طاعات کو اس کے نہ ملنے کی حالت میں موقوف نہیں کرنا چاہئے۔ تحصیلِ طاعات میں جان و دل سے کوشش کریں اور امیدِ نجات، رحمت الٰہی سے وابستہ کریں، طاعات کو بھی اسی کی رحمت کا اثر و نتیجہ سمجھیں اور اسی کی توفیق کی جانب اس کو منسوب کریں، اپنے "حول و قوۃ" کو اس معاملہ میں بالکل دخیل نہ قرار دیں۔ تکبر و عجب سے بر طرف رہیں۔ (صفحہ ۱۱۳-۱۱۲)

سرمایۂ وقتِ عزیز کا تخریب میں صرف ہونا

مخدوما! مطلوب اصلی، بنی نوع انسان کی ایجاد سے "تحصیلِ معرفتِ صانع" ہے، اور "معروف" میں فنا ہوئے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوسکتی، پس ہم جیسے مہجوروں کے لیے ضروری ہے کہ عمرِ گرامی کو اس دولت (معرفت) کے حاصل کرنے میں مشغول رکھیں اور اس فانی زندگی میں فنا سے پہلے فانی ہوکر باقیِ حقیقی کی بقاء کی طرف دوڑیں، افسوس کہ جو کچھ انسان سے طلب کیا گیا ہے، اس کو انجام نہ دے اور امور دیگر میں مشغول ہو، نیز اس چیز کی تعمیر کے پیچھے پڑے، جس کی تخریب مطلوب ہے اور سرمایۂ وقت عزیز کو لذاتِ فانیہ کے حصول میں مصروف کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "اياك والتنعم فان عباد الله ليس بالمتنعمين"۔ یعنی عیش و عشرت کی زندگی سے بچو، اس لئے کہ اللہ کے خاص بندے عیش و عشرت کے متوالے نہیں ہوا کرتے۔ (صفحہ ۱۱۵)

ماسوا کی غلامی سے نجات کے بغیر کام نہیں بنتا

کوشش کرو کہ (اخیر کے) چھ اعمالِ خیر پر قائم رہو اور یہ "نیابت امام" عدالت

پر بھی مستقیم رہو۔ یہ بات اچھی طرح جان لو کہ ہمارے بزرگوں کے طریقے کا حاصل، اتباعِ سنت، اجتناب از بدعت اور جنابِ قدس سبحانی میں "وصفِ عجز و نیستی" کے ساتھ "دوامِ توجہ ونگرانی" ہے۔ حتیٰ کہ ماسوا سے انقطاعِ تام حاصل ہو جائے، نہ ما سوا کی خوشی سے خوش رہو اور نہ اس کی غمی سے غمگین۔ نیز دل کو مطلوبِ حقیقی کے ساتھ "حضور و آگاہی" اس طرح کا ملکہ اور وصفِ ذاتی نہ بن جائے، جس طرح سمع، صفتِ سامعہ ہے اور بصر، صفتِ باصرہ ہے، اس وقت تک یہ نسبتِ شریفہ منصور نہ ہو گی۔

میں نے (فقط) بزرگوں کے طریقے کا حاصل بتایا ہے، حقیقت تو اس گفتگو سے بالاتر ہے۔ یہ ایسا بھید ہے کہ اس کی تعبیر اس قسم کی عبارات سے مشکل ہے "من لم یذق لم یدرِ (جس نے اس کا ذائقہ نہیں چکھا، اس نے اس کو نہیں جانا)۔ ان معانی کا معلوم کرنا "ذوق و وجدان کے ساتھ ساتھ" "بے طولِ صحبتِ اکابر" دشوار ہے۔ (صفحہ ۱۱۷)

عاشق کا محبوب کے لئے شیفتہ ہونا

یہ لازم نہیں ہے کہ نسبتِ باطن پورے طور پر ظاہر پر جلوہ گر ہو جائے، اس لئے کہ "نسبتِ باطن" بمنزلہ محبوب ہے اور "ظاہر" محبّ کی مانند ہے اور محبوب، قیدِ محبّ میں مشکل ہی سے آتا ہے۔ کرشمہ و ناز لازمۂ محبوب ہے۔ عاشق بیچارہ جس قدر محبوب کا شائق و شیفتہ ہوتا ہے، محبوب اسی قدر ناز بڑھاتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ ظاہر باطن کی جتنی خدمت کرتا ہے اور اس کی ترقی میں جتنی سعئ جمیل ملحوظ رکھتا ہے، باطن اتنا ہی زیادہ اس سے بیگانہ ہوتا رہتا ہے اور آغوشِ ظاہر دور ہوتا جاتا ہے۔

طاعات و مجاہداتِ ظاہری "حسن و طراوتِ باطن" کے ازدیاد کا سبب ہیں، اسی ظاہر مجاہدات سے باطن کا وصفِ محبوبی، کہ ناز واستغنا اس کے لوازم سے ہیں، کمال کو پہنچتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انتہا میں جا کر نسبت باطن "درک" سے بھی دور ہو جاتی ہے۔ (صفحہ ۱۲۱)

Marfat.com

نسبت کا دشواری سے حاصل ہونا

نسبت جب دشواری سے حاصل ہوتی ہے تو اس کی قدر و عزت بھی سمجھ میں آتی ہے اور سہولت و جلدی سے ہاتھ لگ جاتی ہے تو اس کی چنداں قدر و عزت نہیں ہوتی۔ جو بھی اس سلسلہ میں جلدی کرتا ہے، بوالہوس ہے۔ طالب نہیں۔ ایسا شخص قابلِ ہمنشینی بھی نہیں۔ لوگ طلبِ دنیا میں کیا کچھ پاپڑ نہیں بیلتے؟ طلبِ حق تعالیٰ تو بہت زیادہ مشقت کی مستحق ہے۔ بزرگانِ دین نے تو بڑی ریاضتیں برداشت کی ہیں اور عمریں گذار دی ہیں۔ (صفحہ ۱۲۹)

محبت کا نعرہ زنی وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہونا

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبتِ حقیقی "چوں و کیف" کے لباس میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور گرمیٔ نعرہ وزاری پیدا کر دیتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس طرح ظاہر نہیں ہوتی، اپنی بے کیفی کی حقیقت پر ہی قائم رہتی ہے، بلکہ یہ بھی روا ہوتا ہے کہ بعض اوقات محبت کی نفی محسوس ہوتی ہو، اور فی الحقیقہ محبت درجۂ کمال پر ہو۔ تم نہیں دیکھتے کہ عالمِ مجاز میں کسی شخص کو کوئی چیز اپنے نفس و ذات سے زیادہ محبوب نہیں، جس چیز کو بھی مال، بیوی بچوں میں سے، دوست رکھتا ہے، اپنی ذات کے لئے ہی دوست رکھتا ہے، اس کے باوجود اپنے نفس کی محبت میں اس سے کوئی نعرہ اور کوئی شوق ظاہر نہیں ہوتا سب سے زیادہ اپنے نفس و ذات سے محبت ہونے کے متعلق جو میں نے کہا، وہ عالمِ مجاز کی بات ہے، ورنہ عالمِ حقیقت میں محبوبِ حقیقی اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ فنا اسی محبتِ حقیقی کا اثر ہے۔ (صفحہ ۱۳۰)

غلبۂ نسبت کی نشانیاں

عجب معاملہ ہے کہ جس قدر نسبتِ باطن، عارف پر غالب آتی ہے، احکامِ شرعیہ کے ازدیادِ تجلی کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے کہ نفسِ امارہ جو بالذات احکام شرعیہ کا منکر ہے، اس وقت مطیع ہو جاتا ہے اور کمالِ تجلی، کمالِ "اطمینان نفس" کے ساتھ وابستہ ہے۔ شریعت کے معاملات میں مداہنت برتنے والا حقیقت نسبت سے بے بہرہ ہے، وہ "مغز" سے ہٹ کر پوست میں الجھ گیا ہے۔ "نسبت" کا کمال "اطمینان"

Marfat.com

سے ہی حاصل ہوتا ہے اور علامتِ ''اطمینان'' یہ ہے کہ ''احکام منزلہ'' کا پورا پورا اتباع ہو۔ اتباع نہیں تو اطمینان بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں، کمالِ متابعتِ صاحبِ شریعت علیہ ﷺ پر ثابت قدم رکھے۔ (صفحہ ۱۴۱)

اپنے عمل کی بجائے فضل خداوندی پر بھروسہ

بیشک، جس قدر اپنے اعمال سے مایوسی زیادہ ہوگی، فضلِ خدا پر بھروسہ زیادہ ہوگا۔ حضرت رابعہؒ سے دریافت کیا گیا کہ تمام تر امیدواری جو آپ رکھتی ہیں کس بنا پر ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ''یہ تمام امیدواری اپنے عمل سے مایوس ہو جانے (اور ان پر بھروسہ نہ کرنے) کی وجہ سے ہے۔'' (صفحہ ۱۴۷)

ذکر اللہ میں شامل چیزیں

اس میں شک نہیں، کہ اگرچہ ''دوامِ حضور'' باطن کے لیے ممکن بلکہ واقع ہے، علی الخصوص ہمارے طریقے میں اللہ کے کرم سے یہ دوام ''یسیر الحصول'' ہے، ابتداء ہی میں حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن ظاہر کے لیے یہ دوام مشکل ہے۔ اس لیے کہ ظاہر کثرتِ اشغال سے الجھار ہتا ہے، اس کو بغیر غفلت کے چارۂ کار نہیں۔ اس کو نیند اور ''اختلاطِ مردم'' سے بھی چھٹکارا نہیں ہے ہاں اس غفلتِ ظاہر کو اگر نیت صالحہ کے ساتھ ملا لیا جائے، تو غفلت ''عینِ حضور'' بن جائے گی۔ نیند ''بہ نیتِ دفعِ کسل'' طاعت میں داخل ہے۔ نوم العلماء عبادۃ (علماء کی نیند عبادت ہے) یہ مقولہ تم نے سنا ہی ہوگا۔ اسی طرح مخلوق سے میل جول رکھنا، ان کے حقوق کی ادائیگی کی نیت سے ''ماموراتِ شرعیہ'' میں سے ہے۔ اور جو کوئی کسی امر میں اللہ کے حکم کا مطیع ہے، وہ اللہ کا ذاکر ہی ہے۔ پس دوام حضور، ظاہر کے لیے بھی متحقق ہو سکتا ہے اور اس تقدیر پر ظاہر و باطن دونوں ''دوامِ آگاہی'' کے ساتھ موصوف ہو جائیں گے۔ (صفحہ ۱۴۸)

خواب میں بادشاہ بن جانے کی حیثیت

چاہیے کہ کمر ہمت کو احکام شرعیہ کی انجام دہی کے لیے چست باندھیں۔ ''امر

بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کو اپنا شیوہ و طریقہ بنائیں "سنن متروکہ" کے زندہ کرنے کو زبردست کام سمجھیں۔ "ہر وارد" جو قلب پر گذرے، اس کے چھپانے میں کوشش کریں۔ "وقائع" اور "منامات" پر اعتماد نہ کریں۔ اگر کوئی خواب میں "بادشاہ" یا قطبِ بادشاہت اور منصبِ قطبیت پر فائز ہو۔ اگر (بالفرض) خارج میں بھی کوئی بادشاہ ہو گیا اور کائنات اس کی مسخر ہو گئی، تو کونسی بزرگی اس کو حاصل ہو گئی اور کونسا "عذابِ گور" اور "عذابِ قیامت" اس سے رفع ہو جائے گا؟۔

گر دیو مسخر تو گردد　　　　زیں ہر دو چہ حاصلِ تو گردد؟

بلند ہمت لوگ اس قسم کے امور کی جانب التفات نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں کوشاں رہتے ہیں، وہ "فنا و نیستی" اور "ستر واردات" میں کوشش کرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۴۸)

انسان کی حالتِ زار

(اے انسان) تو نے تین چیزوں کو تین چیزوں پر ترجیح دے رکھی ہے یعنی تعب نفس، شغل قلب اور ثقل حساب کو راحتِ نفس، فراغ قلب اور خفتِ حساب پر ترجیح دیدی ہے، تو بدن فانی کی تعمیر میں مشغول ہے، نفسِ ظالم کا پیٹ بھر رہا ہے اور جنابِ سبحانی کی جانب توجہ کرنے کو فراموش کر بیٹھا ہے، تو نے اپنے قلب کو لذاتِ فانیہ سے لبریز کر دیا ہے اور ابھی تک تجھ کو تیری آرزوئیں حاصل نہیں ہوئی ہیں، ایک عقلمند سے یہ بات تعجب خیز ہے کہ وہ امورِ دنیا میں تو تدبیر کا اہتمام کرے، لیکن امورِ آخرت کو تقدیر کے حوالے کر دے، کیا اس کو اس کا یقین نہیں کہ امورِ دنیا کی تدبیر ہی یہ ہے کہ تدبیر کو ساقط کر دیا جائے اور امور آخرت میں جدوجہد کرنا اور کوتاہی کو ترک کرنا ضروری ہے۔ کیا اس نے یہ نہیں سنا کہ دنیا کی حاجت کا ترک کر دینا ہی حاجت کا پورا ہونا ہے، کمبختی ہے اس شخص کی جو دار الغرور (دنیا) میں مطمئن ہے اور یہاں کی خوشی پر فریفتہ ہے، وحشتِ قبر اور شدت یوم قیامت کو بھول گیا، باطل میں ڈوبا ہوا ہے اور کتابِ مسطور فی رق منشور (قرآن مجید) سے اعراض کر رہا ہے، لہو و لعب کی طرف چلتا ہے اور بیتِ معمور کی طرف نہیں چلتا۔ افلا یعلم اذا بعثر ما فی

Marfat.com

القبور، و حصل ما فی الصدور، ان ربھم بھم یومئذ لخبیر. (کیا انسان نہیں جانتا، اس وقت کو جب کہ قبروں سے مردوں کو اٹھایا جائے گا اور ان بھیدوں کو جو سینوں میں چھپے ہوئے ہیں، ظاہر کیا جائے گا، بیشک رب الناس اس دن انسانوں کے احوال سے باخبر ہے۔ (صفحہ ۱۵۹)

نماز میں لذت منتہی کے لئے مخصوص ہے

تم نے لکھا تھا کہ حقیقتِ نماز کو کیا عرض کروں، نماز کی ادائیگی میں وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی تشریح نہیں کی جاسکتی، تکبیر اولیٰ کے وقت ہی محویت طاری ہو جاتی ہے اور سوائے مشاہدۂ حق کے کوئی شعور باقی نہیں رہتا، نیز بعض اوقات ایک ایسا نور قلب سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اس نے تمام عالم کو منور کر دیا ہے"۔

مخدوما! نماز سے لذت یاب ہونا بڑی نعمت ہے، ہمارے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ "غیر منتہی کو نماز میں لذت میسر نہیں، علی الخصوص فرائض میں، اس لیے کہ ابتداء میں زیادہ نفلی نمازوں میں لذت محسوس ہوتی ہے"۔ لیکن "نہایت النہایۃ" (آخر) میں یہ نسبت فرائض سے مربوط و متعلق ہو جاتی ہے۔

"ایں کار دولتست کنوں تا کرا دہند"

حضرت مجدد نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "جو لذت ادائے نماز کے وقت حاصل ہوتی ہے، نفس کو اس میں بلکل دخل نہیں ہوتا"۔

"ھنیئا لاَرباب النعیم نعیمھا" (ارباب نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں)

اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ "نماز کا رتبہ دنیا میں ایسا ہے جیسا کہ آخرت میں رویتِ باری تعالیٰ کا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "تمام عبادات، وسائلِ نماز ہیں اور نماز مقاصد میں سے ہے"۔ (صفحہ ۱۶۰)

اسباب کثرت سے وحدتِ حقیقی سے دوری کا ہونا

مخدوما! - وحدت و کثرت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ طالب وحدت کو ترک کثرت ضروری ولابدی ہے۔ جس قدر اسباب کثرت اپنے ساتھ رکھے گا۔ اسی قدر وحدتِ حقیقی سے دور و مہجور رہے گا۔ "وحدانی" ہونا چاہئے۔ طلب و محبت کی حیثیت

سے بھی اور علم وارادہ کے لحاظ سے بھی۔ تاکہ مناسبت پیدا ہو اور توحیدِ حقیقی تک پہنچے (بزرگوں کا مقولہ ہے) التوحید اسقاط الاضافات۔ (یعنی توحید نسبتوں کے ساقط کرنے کا نام ہے)۔ اقات کو ذکر و فکر میں معمور رکھو۔ "تنویر باطن"، دوامِ ذکر و مراقبہ سے متعلق ہے، نیز وظائف بندگی کی بجا آوری، فرائض، سنن اور واجبات کی ادائیگی اور بدعت و محرمات و مکروہات سے بچنے کے ساتھ مربوط ہے۔ جس قدر بھی اتباع شریعت اور اجتناب از بدعت میں کوشش ہوگی، اسی قدر نورِ باطن بڑھے گا اور "جنابِ قدس" کی طرف راستہ کشادہ ہوگا۔ اتباع سنت، یقینی طور پر نجات دہندہ، نتیجہ بخش اور رافعِ درجات ہے۔ (صفحہ ۱۸۹)

محبوب کا حسن کی نظارگی کا چاہنا، تاکہ اس کی صفتِ محبوبی آشکارا ہو جائے

مخدوما! جس شخص میں نشۂ محبت موجود ہے، وہ (خود) "معانی مکنونہ" جذب کر لیتا ہے اور باطنِ فیض دہندہ سے باندازۂ محبت اخذِ فیوض کرتا ہے اور موقعِ توجہ کا خیال رکھتا ہے۔ اگر (مرشد کی) توجہ بھی اس محبت کے ساتھ جمع ہو جائے، تو نور علیٰ نور ہے۔ اس کام (سلوک) میں سب سے اعلیٰ محبت ہے۔ توجہ، محبت کے بغیر کارگر نہیں اور محبت بے توجہ بھی کام کر جاتی ہے۔ المرء مع من احب۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔ محبت سلسلۂ وجود و ایجاد کو جنبش میں لائی ہے۔ اسی محبت نے گنجِ پنہاں کو ظاہر کیا ہے۔ اسی نے حسنِ پوشیدہ کو بے پردہ کر دیا۔ بیشک حسن بے پردگی کا خواہاں اور جمال تابِ مستوری نہیں رکھتا۔

پری رو تابِ مستوری ندارد

یہ محبت، صفتِ محبوب کا مظہر ہے، جو کہ "حسن نظارگی" چاہتا ہے۔ محبوب کو ایک محبّ چاہئے تاکہ اس کی صفتِ محبوبی آشکارا ہو جائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

منم کاستاد را استاد کردم
غلامم خواجہ را آزاد کردم

جو محبت عاشق کی صفت ہے، وہ اسی محبت کا عکس ہے، جو معشوق کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ عاشق کا جو کمال ہے وہ کمالاتِ معشوق کا سایہ ہے۔ پس یہ اسی محبت کا ظہور

Marfat.com

ہے جو اس آئینے کے اندر اس لباس میں جلوہ گر ہے۔

یک نشہ دو جا ظہور کردہ

عاشق "دقائقِ حسن" کو جتنا زیادہ سمجھے گا اور جمال و کمال معشوق کی معرفت میں جتنی زیادہ "چشمِ دوربیں" رکھتا ہوگا، صفتِ عشق اس میں اتنی ہی زیادہ بڑھی ہوئی ہوگی۔ اور وہ اتنا ہی زیادہ فریفتہ و شیفتہ ہو جائے گا۔

آنرا کہ بہ حُسنِ دیدہ تیز است　　این عشق، بلائے خانہ خیز است

(صفحہ ۱۹۲)

راہ عشق میں جنوں کا درکار ہونا

مخدوما! عذر آمیز باتیں اسی وقت تک ہیں، جب تک آتشِ شوق اور جنونِ طلب، دل میں پیدا نہ ہو۔ جب یہ آگ بھڑکتی ہے اور جنون طلب شعلہ زن ہوتا ہے تو سب باتیں ختم ہو جاتی ہیں اور زبانِ عذر بند ہو جاتی ہے۔ پھر جذب الٰہی، پیشانی کے بال پکڑ کر بسوئے معشوق لے جاتا ہے اور کوئے محبوب میں پہنچا دیتا ہے۔ بیشک راہِ عشق میں کچھ جنون بھی درکار ہے اور قیدِ عقل سے کچھ کچھ رہائی بھی ضروری ہے۔

دل اندر زلفِ لیلٰے بند و کار از عقلِ مجنوں کن
کہ عاشق رازیاں دارد مقالاتِ خردمندی

(صفحہ ۲۰۱)

دردِ محبت کی اہمیت

بزرگوں نے کہا ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ کچھ دینا نہ چاہتا تو طلب کا مادہ ہی نہ رکھتا"۔ انسان کی قدر و قیمت محبت کی وجہ سے ہے اس کی بزرگی، اور اس کا امتیاز، تمام موجودات کے مقابلے میں اسی درد کی بناء پر ہے

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست
درد را جز آدمی درخورد نیست

لیکن درد و محبت کے مراتب و درجات مختلف ہیں، ہر ایک اپنے ظرف کے مطابق درد و محبت کے انوار و برکات کا امیدوار ہے۔ (صفحہ ۲۰۶)

درجہ ''احسان'' کے طالب کے لئے لائحہ عمل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے واقعات، حالات اور ان کے بزرگوں کے حوالے سے یادداشتیں اور ان کے تلامذہ و ساتھیوں کے واقعات زندگی پر مشتمل کتاب انفاس العارفین کے نام سے لکھی ہے۔ ذیل میں اس کتاب سے کچھ اقتباسات دیئے جاتے ہیں ساتھ ساتھ شاہ عبدالرحیم صاحب کے ملفوظات کی کتاب ''انفاسِ رحیمیہ'' سے کچھ اہم ملفوظات شامل ہیں۔ (مرتب)

حکمت عملی اور آدابِ معاشرہ کی تعلیم

حضرت محدث دہلویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ''حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اس فقیر کو اپنی مجلس مبارک میں، حکمتِ عملی اور آدابِ معاشرت کی بھی بہت کچھ تعلیم دیتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ کی چند باتیں جو میرے حافظے میں باقی رہ گئی ہیں یہ ہیں''۔

فرمایا کہ اپنی مجلس میں کسی قوم کی (یا کسی علاقے کے لوگوں کی) ہرگز برائی نہ کرنا کہ پورب والے ایسے ہوتے ہیں اور پنجاب والے ویسے ہوتے ہیں۔ افغانوں میں یہ عیب ہے اور مغلوں میں یہ خرابی ہے۔ ممکن ہے کہ تمہاری مجلس میں اس قوم یا علاقے کا یا ان کا حمایت کنندہ کوئی موجود ہو۔ اس کو یہ بات ناگوار گذرے گی اور مجلس

مکدر ہو جائے گی۔

فرمایا کرتے تھے کہ (خواہ مخواہ اور بلا ضرورت) ہرگز کوئی ایسی بات مجلس عام میں زبان پر نہ لانا جو "مخالفِ جمہور" ہو، اگرچہ وہ فی نفسہ صحیح ہو، کیونکہ لوگ (ایکدم) اس بات کا انکار کر دیں گے اور تکدر پیدا ہو جائے گا۔

فرماتے تھے کہ مجلس عام میں کسی خاص شخص کا نام لے کر اعتراض اور ردِّ صریح نہ کیا جائے (عام بات بغیر نام کے ہو)

فرمایا کرتے تھے کہ انسان کا لباس اس کے امتیاز و کمال پر اطلاع دینے والا ہونا چاہئے۔ اگر وہ عالم ہے تو علماء کا سا لباس پہنے اور ان کی سی زندگی بسر کرے اور درویش ہے تو لباس درویشی زیب تن کرے اور درویشوں کی طرح زندگی گذارے۔

فرماتے تھے کہ عیادت و بیمار پرسی کا مقصد اعظم یہ ہے کہ مریض کو (تمہارے اس طرز عمل سے) خوشی حاصل ہو، مقصد یہ نہیں ہے کہ فقط اس کے مزاج کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ لہذا جب کوئی کسی مریض کی عیادت کا قصد کرے تو ایسا نہ ہونا چاہئے کہ مریض کو تو اطلاع نہ ہو اور وہ بالا ہی بالا کسی سے کیفیت مزاج معلوم کر کے واپس ہو جائے۔ ایسا کرنے سے مقصد فوت ہوتا ہے۔ یہی حال تعزیت کا ہے اور یہی حیثیت سفارش کی ہے۔ ان دونوں میں بھی ایسا ہونا چاہئے کہ جس کو تسلی دینا ہے اس کو (تعزیت نامہ یا آمد کے ذریعے) اپنے جذبۂ ہمدردی سے مطلع کرو۔ اور جس کی سفارش کی ہے اس کو بھی مطلع کر دیا جائے کہ تمہاری سفارش کر دی گئی ہے۔ فرماتے تھے کہ جن جن امور میں "اقامت مصلحت و موافقت" کو اور آپس میں انسانوں کے دل جوڑنے اور محبت پیدا ہونے کو مدنظر اور ملحوظ رکھا گیا ہے، ان سب معاملات میں ایسا ہی ہونا چاہئے کہ صاحبِ معاملہ کو اپنے کام سے مطلع کر دیا جائے۔

فرماتے تھے کہ اگر وہ لوگ جو (بظاہر) مرتبے میں تم سے کم ہیں اور (محض محبتِ دینی کی بنا پر) تم کو سلام کرنے میں ابتدا کرتے ہیں، تم اس بات کو اللہ کی نعمتوں

Marfat.com

میں سے ایک نعمت سمجھنا اور اللہ کا شکر بجا لانا۔ ایسے لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا اور ان کے حال اور مزاج کو دریافت کرنا۔ بسا اوقات تمہارا ادنیٰ التفات جس کی تمہارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں، عوام کی نظر میں بڑی چیز بن جاتا ہے اور وہ اس التفات کو بڑی حیثیت دیتے ہیں۔ اگر وہ اپنی طرف تمہارا ادنیٰ التفات بھی نہ دیکھیں گے تو بہت رنجیدہ ہوں گے۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ میتواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر می کنند

(یعنی سینکڑوں ملکِ دل ایک ادنیٰ التفات کے عوض خریدے جا سکتے ہیں۔ اس معاملے میں خوبانِ زمانہ بہت کوتاہی کر رہے ہیں (کہ ادنیٰ التفات کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے اور اتنا بڑا نفع نظر انداز کر رہے ہیں)۔

فرماتے تھے کہ یہ بات احمقانہ ہے کہ لباس و طعام وغیرہ میں کسی مخصوص چیز کی عادت ڈال لی جائے (جب تک وہ مخصوص و متعین نہ ملے، اس وقت تک چین نہ آئے)

فرمایا بعض دوست ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی محبت، ذاتی ہوتی ہے کہ جب بتدریج تمہاری محبت ان کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی پھر کسی حال میں وہ محبت ان کے دل سے باہر نہ ہو گی، نہ مفلسی میں نہ خوشحالی میں۔ ایسے دوست کو غنیمت شمار کرنا اور اپنے فرزند سے بھی بہتر سمجھنا۔ بعض دوست ایسے ہوتے ہیں کہ تمہاری کسی فضیلت کے ظہور کی وجہ سے یا کسی غرض سے محبت رکھتے ہیں، ان کو ان کے مقام پر رکھنا چاہئے۔ غرضکہ سب کو ایک درجے میں نہ رکھا جائے اور کسی شخص پر اس کے مرتبے سے زیادہ اعتماد نہ کیا جائے۔

فرماتے تھے کہ "کار عاقلاں و حکیماں" یہ ہے کہ کسی چیز سے فقط لذت حاصل کر لینا مقصود نہ ہو، بلکہ اس لذت کے ضمن میں دفع ضرورت یا اقامتِ فضیلت ملحوظ ہو یا ادائے سنت کی نیت ہو۔

فرماتے تھے کہ بات کرنے میں، چلنے پھرنے میں اور اٹھنے بیٹھنے میں قوی لوگوں کا انداز اختیار کرنا چاہئے، اگرچہ تم (قدرے) ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی معیوب بات یا بز دلی یا بخل اتفاقاً تم سے صادر ہو جائے تو اس کے چھپانے میں حتی الامکان کوشش کرنا اور اس سے شرمندہ رہنا اور بہ تکلف اس کے مقابل کی اچھی صفت کا مظاہرہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ نفس کو کوتاہی و تقصیر کی عادت و خو پڑ جائے۔

دو رباعیاں

حضرت شاہ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت والد ماجدؒ متصل نماز ظہر میری طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ رباعی فرمائی۔

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر
خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است
ایں چنیں فرمود آں خیر البشر ﷺ

(اے بیٹے اگر تو راہِ حق اختیار کرنا چاہتا ہے تو کسی کے دل کو ہرگز مت ستانا۔ رحمدلی، طریقت میں رکنِ اعظم ہے۔ آں حضرت ﷺ نے بھی رحمدلی کی بہت کچھ تعلیم و تلقین فرمائی ہے)۔

اس رباعی کے متعلق فرمایا کہ دوات و قلم لاؤ اور اس کو لکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کا میرے دل میں القاء فرمایا ہے تاکہ اس کی تم کو نصیحت کروں۔ پھر فرمایا کہ یہ نصیحت آمیز رباعی اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کا بھی شکر لازم ہے۔

اے کہ نعمتہائے تو از حد فزوں
شکرِ نعمتہائے تو از حد بروں
عجز از شکرِ تو باشد شکر ما
گر بود فضلِ تو مار ارھنموں

(اے وہ ذات کہ تیری نعمتیں جس طرح حد سے زیادہ ہیں۔ تیری نعمتوں کا شکر یہ بھی حدِ امکان سے باہر ہے۔ لہذا تیرے شکر سے عاجز ہونے کا اقرار کرلینا ہی تیرا شکر ہے۔ مگر یہ اقرار عجز بھی اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ تیرا فضل و کرم ہماری رہنمائی کرے اور ہمارے شاملِ حال ہو۔)

حضرت محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ایشاںؒ کی زبان سے بارہا خلوت میں یہ سنا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جو نسبت ہم نے پائی، وہ صاف تر اور مؤثر تر ہے۔ اور وہ نسبت جو کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے ہم نے حاصل کی ہے وہ عشق سے نزدیک تر اور تاثیر اسماء اور صفائی قلب سے قریب تر ہے۔

ایک مخلص نے حضرت ایشاںؒ سے دریافت کیا کہ عام لوگوں کے درمیان کس طرح زندگی بسر کرنا چاہئے، فرمایا اس طرح رہو کہ جیسے تم بھی ان میں سے ایک ہو، اپنے آپ کو ان سے بڑا اور ممتاز نہ سمجھو۔ پھر اس نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا کیا طریقہ ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله الآية (یہ سورہ نور کی ایک آیت ہے جس میں دیندار تاجروں کی حضرت حق جل مجدہ نے تعریف فرمائی ہے اور جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تجارتی کاروبار اور جائز اشغال میں مشغول رہ کر بھی انسان وصول الی اللہ کی دولت و نعمت حاصل کرسکتا ہے، ترکِ دنیا کی چنداں ضرورت نہیں"۔

چند ملفوظات شیخ محمد بدر الحق پھلتیؒ نے حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے جمع کیے ہیں جو "انفاسِ رحیمیہ" کتاب کے آخر میں درج ہیں ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

فرمایا، سالک کو چاہیے کہ رات دن ذکر کا اہتمام رکھے۔ طالبِ حق کو چاہیے کہ نماز فجر سے لے کر اشراق تک مراقبے میں بیٹھے اور مراقبے کے بعد اس وقت تک کسی سے گفتگو نہ کرے، جب تک نمازِ اشراق نہ پڑھ لے اور جب آدھی رات ہو جائے، نماز تہجد

ادا کرے اور فجر تک مراقبے میں رہے۔ جب نیند غلبہ کرے، پانی اپنے منہ پر چھڑک لے تاکہ نیند دور ہو جائے، اس مبارک وقت میں فتوحاتِ غیبی کا بہت کچھ ظہور ہوتا ہے اور بہت کچھ کشادگی محسوس ہوتی ہے۔ خصوصاً شبِ جمعہ کہ بہت ہی فضیلت رکھتی ہے۔ فرمایا، جب کسی درویش کی صحبت میں جائے اور اس سے متاثر ہو تو اس تاثر کو اپنے پیرو مرشد کا فیض سمجھے کہ یہ قابلیت ان کی نظر سے پیدا ہوئی ہے۔

فرمایا، اگر کسی طالب پر کسی درویش کامل نے ایک بار بھی توجہ کر دی ہے اور قید ہستی سے آزاد کر دیا ہے تو یہی ایک توجہ اس کو عمر بھر کے لیے کافی ہوگی، بشرطیکہ مشغول بحق رہے۔ یہ (خوش قسمت) طالب اس وقت تک نہیں مرے گا، جب تک اس کا کام پورا نہ ہو جائے گا۔

فرمایا، طالبِ حق اگر بیگانوں کی صحبت میں کبھی چلا جائے تو تھوڑی دیر سے زیادہ نہ بیٹھے۔

مجاہدے اور کیفیت قبض سے دولت عظمیٰ کا حاصل ہونا

فرمایا، عاشقِ صادق کو اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ قبر میں جانے تک اپنی عمر کو یاد مولیٰ میں صرف کرے۔ (اور اس کام میں لگا رہے) یہ بات دل میں نہ لائے کہ اس کام سے جلد فارغ ہو جاؤں، جلد بازی کرے گا تو یہ راستہ اس پر کچھ بھی نہ کھلے گا۔ بلکہ نظر کو حصول اور عدم حصول سے بھی ہٹا لے۔ کمالِ حصول اسی کو جانے کہ حق تعالیٰ نے اپنی یاد کی توفیق عنایت فرما دی ہے۔ حصولِ کار اسی بات پر موقوف ہے۔ جب ہمت و توجہ درست ہو گئی تو پھر کام بھی مقصود سے وابستہ ہو جائے گا۔ اگر کیفیت قبض (قلب میں) پیدا ہو تو نا امید نہ ہو، بلکہ بدستور جدوجہد میں رہے اور شکر کرتا رہے، اگر سالہا سال بھی قبض کی کیفیت رہے، تب بھی نا امید نہ ہو۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ (اس استقامت کی برکت سے) ایک مرتبہ ہی ایسا بسط عنایت فرما دے کہ جو دولت و نعمت سالہا سال میں حاصل نہ ہوتی ہو، وہ ایک لمحے میں حاصل ہو جائے۔ غرضکہ

Marfat.com

اپنے کام کو اچھے طریقے سے انجام دے کر اس دنیا سے جائے۔

یادِ حق میں اپنے جگر کو کباب کرنا

فرمایا، طالب کو چاہیے کہ ہر حال میں انتظارِ جمالِ محبوب حقیقی کرے اور کسی لمحہ اس فکر سے غافل نہ ہو، یہاں تک کہ یک بیک اس کا باطن، مثل چراغ روشن ہو جائے اور ظلمتِ ہستی باقی نہ رہے۔ ہر وقت اپنے آپ کو مبتدی سمجھے اور اشغال میں اس طرح جدو جہد کرے گویا کہ اسی وقت مرشد نے ارشاد فرمائے ہیں۔ یادِ حق میں اپنے جگر کو کباب کر دے اور جس جگہ قیام ہو، اپنی عمر کا خاتمہ اسی جگہ جانے اور اس جگہ سے کسی دوسری جگہ (مستقل طور پر) منتقل ہونے کا خیال منقطع کر دے۔ موت کو حاضر جانے، تاکہ "مرنے سے پہلے مر جاؤ" والا خاص مقام حاصل ہو۔ پرانی قبروں کا دھیان کرے اور عبرت حاصل کرے کہ ایک دن میرا حال بھی ایسا ہی ہو جائے گا۔ میں بھی قبر میں پہونچ جاؤں گا اور سمجھے کہ میری عمر (فرض کرو) پچاس سال باقی رہ گئی ہے تو وہ بھی ہوا کی طرح گذر جائے گی۔

اہل دنیا سے محبت سے زیادہ کوئی ضرر نہیں

اگر کوئی تجھ پر غصہ کرے تو اپنے حال پر غور کر، اگر اپنے اندر ترکِ دنیا اور ترک جاہ و عزت پاتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، سمجھ لے کہ ایسی حالت میں کوئی چیز نقصان نہیں پہونچائے گی اور کسی کا غصہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اگر اپنے اندر دنیا کی طرف میلان محسوس کرے تو جان لے کہ ہر چیز ضرر پہونچا سکتی ہے۔ بلکہ دنیا کی طرف میلان ہونا ہی ایک مستقل ضرر ہے۔ دل کا دنیا میں پھنسنا اور اہل دنیا سے محبت کرنا اس سے زیادہ کوئی ضرر نہیں۔

اگر مخلوق (خواہ مخواہ) اظہار نفرت کرے تو خوش ہونا چاہیے کہ مردود خلق، مقبول حق ہو جاتا ہے اور یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ اگر لوگ بنظرِ حقارت

Marfat.com

دیکھتے ہیں تو یہ حقارت کا معاملہ چند روز سے زیادہ کا نہیں ہے۔ اس جہان کی عزت کے لیے اس جہان کا کام جس سے ہمیشہ واسطہ پڑتا ہے، برباد نہیں کرنا چاہیے۔

اس بات پر بھی یقین رکھ کہ ہدایت و ضلالت، از جانب خدا ہے۔ حق تعالیٰ کے سوا کسی کی خواہش و آرزو سے یہ دونوں امر نہیں ہوتے۔ آخر اس جہان سے گذرنا ہے اور اس جہان کو چھوڑنا ہے۔ جس چیز کو اضطرار و مجبوری کے ساتھ کل چھوڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اس کو آج اپنے اختیار سے چھوڑ دے۔

تو اگر کسی طرف سے کوئی تکلیف اٹھائے تو اس کے حق میں دعائے بد نہ کر، بلکہ صرف اپنی جمعیت و عافیت کو اللہ سے طلب کر، اب آگے کو خواہ حق تعالیٰ اس موذی کو مبتلائے مصیبت کر دے یا توفیق نیک بخشدے، بس اللہ تعالیٰ کے اوپر چھوڑ دے۔ جو لوگ دل کے اندھے اور طریق اہل اللہ کے منکر ہیں ان کی صحبت میں نہ بیٹھنا۔ ان کی صحبت سے پرہیز کرنا۔ (طالب حق کو چاہیے کہ) کسی مسلمان کو اپنے سے کم درجہ نہ سمجھے، شاید حق تعالیٰ اس کو آخر میں توفیق نیک دے دے، بلکہ کافر شخص کو بھی (انجام پر نظر کرتے ہوئے بُرا نہ سمجھے اس لیے کہ اس کا احتمال و امکان ہے کہ وہ دنیا سے مسلمان ہو کر انتقال کرے اور خاتمہ بخیر ہو جائے۔

اپنے اندر حال پیدا کرنا

بزرگان سلف کے کمالات صرف پیش عوام بیان کرنے میں مشغول نہ رہے بلکہ اپنے اندر بھی ایک حال پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ مطالعۂ احوالِ بزرگان میں یہی منفعت ہے کہ خود بھی جدوجہد کرنے لگے، تاکہ بزرگوں والی کیفیت اللہ تعالیٰ اس کو بھی عنایت فرمادے۔ فقط یہ نہ ہو کہ اپنی مفاخرت کے لیے ان بزرگوں کا افسانہ بیان کیا جائے۔ صرف افسانہ گوئی سے کام نہیں چلے گا۔

اگر کوئی نماز (اتفاق سے) قضا ہو گئی تو جب تک اس کو ادا نہ کرے، کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ نماز ادا کیے بغیر کسی کام میں مشغول ہونا نحوست کی بات ہے۔

مقصود کے لئے اہل اللہ کے سامنے خود سپردگی

دلِ سالک پر جو کچھ عالم ملکوت سے ظاہر ہو، وہ کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اپنے ابنائے جنس کے علاوہ کوئی شخص اپنے کو دوست ظاہر کرے تو اس پر کلیۃ مائل و مفتون نہ ہو جائے، اس لیے کہ اہلِ دنیا مکار ہوتے ہیں۔ جب تک کسی کو صادق نہ پائے اور کفش بردار اہل اللہ نیز فرمانبردار اہل اللہ نہ دیکھ لے اس وقت تک کسی سے اپنا راز ظاہر نہ کرے۔

اصلِ کار یہ ہے کہ اپنا اختیار درمیان سے اٹھا کر اپنے آپ کو اہل اللہ کے سپرد کردے تاکہ مقصود حاصل ہو جائے ورنہ مقصود ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ اپنے آپ کو بس ایک کا کردے اور دو جگہ سے نیت استفاضہ نہ رکھے ورنہ کسی جگہ سے بھی فیض نہ پہونچے گا۔

نقوش طریقت

(انتخاب ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

مختلف سلسلوں کے اہداف

فرمایا کہ چشتیوں کا مقصود قوت عشقیہ کا، جو انسان میں مخفی ہوتی ہے ظاہر کرنا ہے، اس لئے ابتداء میں غائب یعنی چھپ کر وجد وغیرہ کرتے ہیں اور جو چیزیں قوت عشقیہ کے اخراج پر معاون اور مد ہیں، مثل ذکر جہر اور سماع وغیرہ کے ہیں اکثر کرتے ہیں اور جو چیزیں نقصان دہ ہیں، اس سے پرہیز کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ جب عشق حاصل ہو جاتا ہے تو حضور وانکسار بھی کامل ہو جاتا ہے، نقشبندیوں کا مقصد دلدار کی صورت کا ذہن میں حاضر رکھنا اور اس کا تصور کرنا ہوتا ہے، جس کو تصحیح خیال کہتے ہیں، لہذا جو چیزیں اس پر مدد ومعاون ہیں، مثل خاموشی وغیرہ کے اختیار کرتے ہیں اور مضرات جیسے ذکر جہر سماع وغیرہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ استقرار حضور سے فنا اور بقا و عشق سب مراتب حاصل ہو جاتے ہیں، قادریوں کا مقصود تصیقل ہے۔ یعنی آئینہ قلب کو صاف کرنا، گناہوں کے زنگ اور میل وغیرہ سے، جب آئینہ صاف ہو گیا، ظاہر ہے کہ جو کچھ اس کے مقابل ہے، وہ بھی صاف جلوہ گر ہونے لگے گا، ایک مرید نے عرض کیا کہ نسبت عشقیہ نسبت انکسار کی ضد ہے، کیا یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ فرمایا کہ جمع ہو سکتے ہیں، دیکھو جیسا کہ کمال محبت کے وقت معشوق کے سامنے اس کی شان وعظمت کو ملحوظ رکھ کر عاشق اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے۔ (صفحہ ۴۱)

غلبۂ حال کے وقت میں ناروا کلمات کی حیثیت

پھر عرض کیا کہ غلبہ حال سے عقل وہوش کا جاتا رہنا مراد ہے؟ فرمایا نہیں،

Marfat.com

بلکہ غلبہ حال کی ایک صورت یہ ہے کہ توجہ ایک طرف ایسی ہو جاتی ہے کہ دوسری جانب ملحوظ نہیں رہتی یا فرط مسرت ونشاط میں چند گستاخانہ کلمات اضطراراً نکل جاتے ہیں، چنانچہ دیکھ لو مثنوی مولانا روم میں چرواہے کا قصہ مذکور ہے۔ مرید نے عرض کیا درست ہے؟ فرمایا حدیث شریف میں اس کا مختصر ذکر موجود ہے کہ ایک غلام حبشی سیاہ رنگ تھا۔ ایک سال بارش نہیں ہوئی تھی، لوگوں نے اس وقت کے نبی سے رجوع کیا، فرمایا کہ اس رنگ کا ایک غلام ہے، اگر وہ دعا کرے گا بارش ہو گی۔ دیکھا کہ وہ راستہ میں آرہا ہے، نبی کی فرمائش اس سے کہی، کہا کہ اپنے مالک کو سامان دے کر واپس آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں وہ واپس آیا۔ لوگوں نے درخواست کی، وہ جنگل میں گیا۔ نیز اس عجیب ماجرے سے کہ یہ کم عمر حبشی غلام جنگل میں جاکر کیا کرتا ہے اور کیسے بارش آتی ہے، ایک انبوہ کثیر اس کے پیچھے ہو گیا۔ کہا، اے خدا، کیا ہم نے کوئی گناہ کیا ہے کہ اس کی ہم کو سزا دیتا ہے یا بخیل ہو گیا ہے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ بارش ہونے لگی۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے عمدہ ہوا اور دلکش سبزہ دیکھ کر اپنا ٹٹو ایک سبزہ میں چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ٹٹو کو چراتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ اے خدا، اگر تیرا بھی ٹٹو ہوتا تو میں اس کو اپنے ٹٹو کے ساتھ چراتا۔ نبی وقت نے اس کو فرمایا کہ اس قسم کے بے ادبی کے کلمات نہ کہہ۔ پیغمبر کو وحی آئی کہ ہم ہر شخص کو اس کی سمجھ کے موافق چاہتے ہیں۔ (صفحہ ۴۳)

اسم اعظم اللہ ہی ہے

سید احمد نے جو سادات قطبی میں سے رائے بریلی کے رہنے والے اور بزرگ زادہ حضرت کے مرید اور خلیفہ تھے اور حضرت ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ خاندان مجددی میں نسبت آدمی باستقرار خدا کے نام سے جو نسبت ہے وہ ان کو کرامت ہوئی ہے۔ دہلی میں بہت آدمی ان سے منتفع ہوتے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے کیا معنیٰ ہیں؟۔

Marfat.com

فرمایا، منگل کے روز میں نے قل ہو اللہ کی تفسیر میں بیان کیا تھا کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہوئے اور وہ ذات حق سبحانہ ہے۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اسم اعظم یہی ہے بشرطیکہ کہنے والے کے دل میں سوائے اللہ کے کچھ نہ ہو۔ پھر عرض کیا کہ بندہ کو بہ نسبت دوسرے ناموں کے زیادہ تر اسی نام سے سکون وطمانیت قلب حاصل ہوتا ہے۔ (صفحہ ۴۴)

فرمایا شیخ ابو نجیب سہروردی جو شیخ شہاب الدین کے پیر و مرشد اور چچا تھے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ مرید جب شغل باطن کی درخواست کرتا تو اپنے سامنے اس کو بٹھلا کر اللہ کے ننانوے نام اس کو بامعنیٰ تعلیم فرماتے تھے اور اس کے مطالب اچھی طرح مرید کو ذہن نشین کراتے تھے۔ اور اسماء حسنیٰ میں سے جس نام کو سنکر وہ مرید زیادہ متاثر اور مونس ہوتا اسی نام کے پڑھنے کی اجازت فرماتے تھے اور رفتہ رفتہ اللہ تک پہونچا دیتے تھے۔ ورنہ یہ فرمادیتے تھے کہ تلاوت قرآن شریف اور تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو اور فقراء کی خدمت میں حاضر ہوا کرو تمام نام اس نام کے اندر موجود ہیں کہ اللہ کے ذکر سے قلب کو سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ایک مرید نے عرض کیا حضرت اطمینان کے کیا معنیٰ ہیں؟۔

فرمایا آرام پانا اور پریشان خطروں سے یکسو ہو جانا یعنی جمعیت خاطر نصیب ہونا۔ ایک مرید حضرت کے ہمراہ راستے سے کنکریاں جاتے وقت علیحدہ کرتا جاتا تھا۔ فرمایا بھائی کب تک یہ تکلیف کروگے پھر یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں اس کا بڑا ثواب ہے۔ ایک مرد کے کانٹوں کے دور کرنے کے سبب سے بخشش ہوگئی تھی۔ ایک نوجوان خوبصورت نے اثنائے راہ میں حاضر ہو کر ملاقات کی نہایت مہربانی سے اس سے پیش آئے اور لطف وعنایت سے گفتگو فرمائی۔

فرمایا، کہ نواب شجاع الدولہ کا رفیق اور مصاحب ایک شخص عبداللہ نامی تھا، ایک مرتبہ اس نے جونپور کے قریب کتا ایک خرگوش کے پیچھے دوڑایا۔ اس کتے نے

خرگوش کو پکڑلیا۔ کتا آداب شکار سے واقف تھا، شکار کو کو سونگھتا تھا، لیکن اس کو کھانے کی جرات نہیں کرتا تھا، نواب صاحب نے فرمایا کہ عبداللہ دیکھ، کتا بھی نہیں کھاتا ہے، جواب دیا کہ میں نے دیکھا، اس کو کتا نہیں کھاتا ہے بلکہ اس کو آدمی کھاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ملادوپیازہ نہایت خوش گو تھا۔ عباس کی مصاحبت میں زیادہ رہا کرتا تھا، ایک مرتبہ شکار میں ایک جانور کو شکار کے پیچھے چھوڑا، چونکہ اہل تشیع کے نزدیک وحوش و طیور جانوروں تک میں شیعہ سنی کی تقسیم ہے، ملا کو کہا کہ یہ شکار سنی ہے۔ ملادوپیازے نے اس کے جواب میں ایک دوسرے جانور کی بابت جس کا نام بد جانور تھا کہا کہ یہ شیعی ہے۔

سلف کی کرامات کی بہتر توجیہ

ایک مرید نے عرض کیا کہ اولیاء سلف کے خرق عادات اور کرامتیں جو لوگ بیان کرتے ہیں۔ مثلا اینٹ کو سونا کردینا، پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا وغیرہ وغیرہ یہ سچ ہیں یا زمانہ دراز گذرنے کی وجہ سے اختلاف روایات میں اس درجہ مبالغہ ہو گیا ہے؟ فرمایا مبالغہ بھی کسی قدر ہے، لیکن بعض اولیاء اللہ کی کرامتیں جیسی حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ تواتر کے مرتبہ تک پہونچ گئی ہیں، کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا، پہلے زمانہ میں کرامتیں بہت وقوع میں آتی تھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاضات شاقہ کو خرق عادات میں بڑادخل ہے، اب فقیروں میں ریاضتیں کم ہوتی جاتی ہیں۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ اس حضور فناوبقا کا کمال یہی ہے کہ عشق اور شوق کے ساتھ شریعت محمدی کا اتباع کیا جائے فرمایا، بیشک۔

فرمایا، اولیاء چار قسم کے ہوتے ہیں، بعضے مستغرق ہوتے ہیں جیسے عبدالحق ردولوی اور عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بعض اہل تجدید اور اہل تفرید کہلاتے ہیں بعض عارفین کے کہ ہر مظہر میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اشیاء کی حقیقت پر آگاہی پاتے ہیں جیسے شیخ اکبر اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہما۔

Marfat.com

دعا کی قبولیت اور عدم قبولیت کے اسباب

ایک مرید نے عرض کیا کہ بعض اعمال حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ دنیا اور دین دونوں کے کام ان سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے نماز حاجت ہے اور طرح طرح کی دعائیں واقع ہیں، آج ان اعمال میں تاثیر نہیں پائی جاتی اس کی کیا وجہ ہے ؟ فرمایا اس کا جواب علماء تین طرح پر دیتے ہیں، ایک یہ کہ شرطیں آجکل مفقود ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب شرط فوت ہوتی ہے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے، دوسری یہ کہ حدیث میں ہے کہ اس دعا میں یہ خاصیت ہے، وہ خاصیت نہیں خواہ مخواہ اس طرح کام ہو گا، اور اگر (سائل کی مرضی کے مطابق) دعا کی اجابت ہو تو بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

ایک شخص نے پانی برسنے کیلئے دعا مانگی دوسرے نے اسی وقت میں اپنی مصلحت دیکھ کر بارش بند ہونے کی دعا مانگی، علیٰ ہذا القیاس، تیسرا جواب یہ ہے اور یہ جواب تحقیقی ہے کہ گناہوں کی تاریکیوں کی کثرت کی وجہ سے دعا کا اثر واضح نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ برسات کے موسم میں اسباب خواہ کیسی ہی خشک جگہ حفاظت سے رکھیں، مگر کسی قدر نمی اس میں اپنا اثر کر ہی جاتی ہے اور خشکی کا اتنا اثر نہیں رہتا اور موسم گرما میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے ایسے ہی گناہ کی تاریکیوں کی وجہ سے (اول تو دعا کی توفیق کم ہوتی ہے اور اگر توفیق بھی ہوئی اور دعا کی تو وہ قبول کم ہوتی ہے اور اگر قبول ہوئی تو وہ مقصود نہیں ہوتی، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی دعا قبول تو ہوئی مگر دوسروں کی مصلحتوں کی وجہ سے اس کو وہ چیز عطا نہیں کی جاتی۔ ایک شخص کے جواب میں فرمایا سعدی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں۔

من آں نیم کہ حلال و حرام بشناسیم
شراب باتو حلال است آب بے تو حرام

(صفحہ ۴۷)

Marfat.com

موت کے وقت لا تخافی ولا تحزنی کی آواز

فرمایا جس وقت میں پرانی دہلی میں انبیاء کے کوچہ میں رہا کرتا تھا، ایک سید کے گھر میں ایک جاہل پوربن باندی کو دیکھا، میرے خیال میں اس نے اپنی عمر بھر میں کبھی نماز نہ پڑھی ہوگی، لیکن چونکہ بڑھیا تھی اور بزرگ کے صاحبزادوں کی پرورش اس نے کی تھی، اس لئے وہ اس کی بہت خدمت وخاطر کرتے تھے، جب اس باندی کی موت کا وقت قریب آیا، ایک آواز اس کے منہ سے مشرقی لہجہ کے انداز پر نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، تمام حکیموں اور صالحوں کو بلا کر پوچھا، کسی نے نہ سمجھا، سب سے آخر میں میرے چچا پر جن کا شاہ اہل اللہ نام تھا، نوبت پہونچی، انہوں نے آکر سمجھا کہ یہ کہتی ہے لاتخافی ولا تحزنی یعنی اے عورت تو کچھ خوف نہ کر اور غمگین نہ ہو، اس کے دوستوں میں سے کسی نے کہا کہ آپ یہ پوچھئے کہ یہ لفظ کیوں کہتی ہے، بہت پوچھنے کے بعد اس نے کہا کہ ایک جماعت کھڑی ہوئی میرے سامنے کہہ رہی ہے، پھر پوچھا، اس کے کیا معنیٰ ہیں، کہا معنیٰ نہیں جانتی ہوں، اتنا معلوم ہے کہ اس جماعت کے لوگ میری تسلی کے لئے یہ کلمے کہتے ہیں، پھر اس کو تکلیف دی کہ ان جماعت والوں سے پوچھ کہ کون سے عمل کے قبول ہونے کی وجہ سے یہ تیری تسلی کرتے ہیں، بہت دیر کے بعد کہا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ تو نے کچھ نماز روزہ وغیرہ نیک کام نہیں کیا ہے، مگر ایک دن جاڑے کے موسم میں بازار سے تیل لینے کے لئے گئی تھی، اس تیل میں سے ایک روپیہ نکلا، اول تو نے یہ چاہا کہ چپ چاپ اپنے کام میں لے آوے اسواسطے کہ کسی کو خبر تو ہے ہی نہیں، پھر غور کیا کہ نہیں، اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے، یہ خوف کر کے روپیہ، روپیہ والے کو واپس کر دیا، صرف یہ کام تیرا اللہ کو پسند آیا ہے، اسی کے بدلہ میں ہم تجھ کو خوشخبری دیتے ہیں کہ تو کچھ خوف مت کر اور کچھ غمگین نہ ہو۔ (صفحہ ۵۶)

Marfat.com

ملکہ سے نفس سے اعمال کا از خود صادر ہونا

فرمایا، اسی زمانہ میں وہاں ایک بزرگ تھے، میں اپنے چچا کے ہمراہ ان کے مرض موت میں عیادت کیلئے گیا، دیکھا کہ وہ بزرگ تسبیح پڑھنے کے طور پر کچھ انگلیوں پر شمار کر رہے ہیں اور سو عدد پورے ہونے کے بعد نشان کر دیتے ہیں اور بے ہوش پڑے ہوئے ہیں، میرے چچا نے کہا کہ دیکھو، نیک کام کا محاورہ کرنا بھی کام آجاتا ہے، جب ملکہ ہو جاتا ہے تو بے ارادہ بھی فعل وقوع میں آتا ہے، ایک مرید نے عرض کیا کہ جب حکماء وقت کو جزو غیرہ منقسم کہتے ہیں، پھر ایک آن واحد میں دو طرف توجہ کیونکر ہو جائے گی، فرمایا ہو سکتی ہے خود حکماء نے لکھا ہے کہ ملکہ ہو جانے کے بعد بے توجہ نفس سے بھی افعال صادر ہوتے ہیں (صفحہ ۵۶)

توجہ کے غیر معمولی اثرات

حضرت باقی باللہ کی توجہ کی مثال

فرمایا، توجہ چار قسم کی ہوتی ہے۔ اول انعکاسی، یہ سب طریقوں میں مروج ہے، یعنی جب قلب، قلب کے مقابل ہوتا ہے تو آئینہ کی طرح جو چیزیں مقابل ہوتی ہیں، جلوہ گر ہو جاتی ہیں، اس کے لئے قلب کی صفائی کی ضرورت ہے (دوسری) القائی یعنی کسی چیز کو ایک شیشہ سے دوسرے شیشہ میں ڈالتے ہیں، اس کے لئے قصد و ارادہ شرط ہے، (تیسری) جذبی، یعنی طالب کا قلب اپنی طرف کھینچ کر قابو میں لائیں اور متاثر کریں، جیسے خشک کپڑا تر کپڑے کے نیچے رکھنے سے تر ہو جاتا ہے، ایک مرید نے عرض کیا کہ فرق صرف اتنا ہوا کہ ایک میں قلب کو بزور اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرے میں بزور نہیں کھینچتے۔ فرمایا، کھینچنے میں زیادہ قوت درکار ہے، چوتھی قسم اتحادی ہے کہ توجہ دینے والے کے تمام اوصاف طالب میں سرایت کر جائیں، یہاں

Marfat.com

تک کہ صورت ظاہری بھی ایک ہو جائے گویا ایک روح دو قالب، ایک مرید نے عرض کیا کہ جب پیر سے بدرجہ کمال محبت ہو اور پیر میں ہی فنا ہو جائے، تب یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا، بیشک پھر فرمایا کہ حضرت شاہ باقی باللہ صاحب کے مکان میں چند مہمان آئے، آپ کے ہاں اس وقت کچھ موجود نہ تھا، حضرت بار بار آتے تھے اور خادم کو بھیجتے تھے کہ کہیں سے جاکر کچھ لاوے، مگر کچھ بھی دستیاب نہ ہوتا تھا، مرید نے عرض کیا سچ ہے، بشریت رفع نہیں ہوتی فرمایا، مہمانوں کی تعظیم و تکریم خاطر و مدارات ضرور کرنی چاہیے، الغرض وہاں ایک نان پز تھا، اس نے خادم سے پوچھا کہ کیا سبب ہے، خواجہ بار بار آتے جاتے ہیں، ہر چند کہ خادم کو منظور نہ تھا کہ فقیر کا حال ظاہر کرے، مگر بضرورت مجبور ہو کر کہا کہ چند مہمان حضرت کے مکان پر تشریف لائے ہیں، ماحضر نہیں ہے، لہذا تشویش و فکر ہے، وہ نان پز نہاری تیار کر کے حضرت کے سامنے لے گیا، آپ نہایت خوش ہوئے اور مہمانوں کو تقسیم فرمائی، دوسرے وقت میں اس سے فرمایا کہ اے نان پز آمانگ کیا مانگتا ہے، جو تو کہے وہی دعا تیرے حق میں کروں، کہا، کسی وقت کہدوں گا آخر اپنا موقعہ دیکھ کر کہا کہ میں صرف یہی چاہتا ہوں کہ آپ جیسا ہو جاؤں، ہر چند حضرت نے عذر و معذرت کی مگر اس نان پز نے قبول نہ کیا، آخر کار نماز ظہر کے بعد اس کو حجرہ میں لے گئے، عصر کے وقت دونوں نکلے دیکھا تو دونوں ایک صورت شکل اور ایک لباس میں تھے، صرف فرق اتنا تھا کہ حضرت باہوش تھے اور نان پز بے ہوش، پھر وہ سات روز کے بعد مر گیا (صفحہ ۵۷)

سالک مجذوب اور مجذوب سالک وغیرہ کی تشریح

فرمایا، بزرگ چار قسم کے ہوتے ہیں، اول، سالک مجذوب کہ ابتداء زمانہ میں تو خود کوشش کی اور آخر میں کشش ہوئی، یہ سب سے بہتر ہیں، دوسرے مجذوب سالک کہ اولا جذب سے سرفراز ہوئے، پھر سلوک اختیار فرمایا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کو تشریف لے گئے، تجلی باری نصیب ہوئی، تیسرے سالک محض،

کہ مشرف بجذب نہیں ہوتے ہیں، چوتھے مجذوب محض کہ تجلی باری کی وجہ سے ان کی عقل سلب ہوگئی ہے، یہ لوگ بانجھ عورت کی مثل ہیں ایک مرید نے عرض کیا کہ سلوک اور جذب کے کیا معنیٰ ہوتے ہیں فرمایا، سلوک مجاہدات وریاضت کا نام ہے، جذب محض عنایت خداوندی ہے۔

تاکہ از جانب معشوق نباشد کششے
کوشش عاشق بیچارہ بجائے نرسہ

ایک مرید نے عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ جذب کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض کو محض توفیق طلب اسی طرح اس تجلی تک جو اقصاء غایت ہے۔

بعض خلاف شرع افعال سے نسبت کا منقطع ہونا

ایک مرید نے عرض کیا کہ خلاف شرع شریف حرکات کرنا سلوک کے لئے بالکلیہ سدِراہ ہے یا کچھ، فرمایا، خلاف شرع افعال سے تکدر ضرور حاصل ہوتا ہے اور بعض افعال خلاف شرع کا تو یہ اثر ہے کہ جو نسبت طالب کو اللہ کے ساتھ حاصل ہوئی ہے بالکل قطع کردیتے ہیں جیسے مکر، دغابازی، فریب دہی، نخوت، تکبر، خودنمائی، طلب دنیا، طلب جاہ وغیرہ اور بعض احکام شرع کے خلاف اگر اتفاقی طور پر صادر ہوئے ہیں ان سے چنداں نقصان نہیں ہوتا، جیسا کہ بعض گناہ صغیرہ جو بلاارادہ سرزد ہوں۔ (صفحہ ۵۹)

نقشبندیہ سلسلہ کا ذکر خیر

فرمایا، سلسلے تو سب اچھے ہیں اور ہر ایک اپنے سلسلے پر فخر کرتے ہیں، سب نے سلوک طے کرنے کے قاعدے معین کیے ہیں، لیکن بزرگان نقشبندیہ کے قواعد مجھ کو بہت پسند ہیں، ان کے قاعدے انگریزوں کی لڑائی کے مشابہ ہیں یعنی بہت نظام اور نہایت بندوبست کے ساتھ ہیں، شروع میں ان پر کسی نے طعن کیا تھا، جامی نے اس کا

جواب دیا ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاران اند

کہ برند ازرہ پنہاں مجرم قافلہ باز

(صفحہ ۶۳)

عام مجمعوں میں شرکت سے ممانعت کی حکمت

باوجود زہد و تقویٰ کے حضرت مجدد اوائل حال میں عام مجمعوں میں شریک ہوتے تھے اوران پر حال و کیفیات بھی طاری ہوتی تھیں، لیکن (احتیاط کے طور پر) یہ کہا گیا ہے کہ مباح جلسوں کے علاوہ دوسری جگہ نہ جانا چاہئے، کیونکہ اس قسم کی عام مجلسوں میں جانے سے عوام کے میل جول کا اشتباہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کو یعنی شریک ہونے والے کو، نقصان نہ پہنچے اور فی الواقع اس کو نقصان بھی نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۶۴)

مزامیر، دف اور ڈھول وغیرہ کے بارے میں اظہار خیال

ایک دن ایک شخص نے سوال کیا۔ میں اس کے جواب دینے میں حیران تھا۔ اچانک القا ہوا۔ مزامیر کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ محض اچھی آواز جس سے اچھے معنیٰ کے الفاظ ظاہر کیے جائیں اور جس سے عقل میں ایک کیفیت سرور پیدا ہوتی ہو اور پھر قلب حرکت میں آجاتا ہو، اس فائدہ کی خاطر ایسی آواز کو مباح کیا گیا ہے اور مزامیر کی آواز جو محض ایک بے معنیٰ آواز ہے اور جس سے طبیعت میں جوش پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قلب بھی مسرور ہوتا ہے، لہذا ان مزامیر کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ طبیعت کو اتنا جوش میں لانا شریعت میں مقصود نہیں ہے اور دف نے اور غازیوں کے طبل (ڈھول) وغیرہ جن کو آنحضرت نے سنا ہے اور ان کے سننے سے آپ نے منع نہیں فرمایا، اس علت سے یہ چیزیں حرمت سے مستثنیٰ ہیں۔ (صفحہ ۶۹)

Marfat.com

قبروں کا تذکرہ

ایک شخص نے پوچھا کہ ماں باپ اور بزرگوں کی قبر پر بوسہ دینا، پھول بکھیرنا، اس کا کیا حکم ہے، فرمایا، قبروں کی زیارت کے باب میں کثرت سے بدعتیں ہوگئی ہیں، فقہاء بوسہ وغیرہ سب کو منع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر خاص طور سے ماں باپ کی قبر کو لمس کرے یا بوسہ دیدے تو مضائقہ نہیں۔ فرمایا، حدیث شریف میں آیا ہے کہ راستہ میں آنحضرت ﷺ تشریف لے جارہے تھے، دو قبریں راستہ میں دیکھیں۔ فرمایا، ان کو عذاب ہورہا ہے، ایک تو پیشاب سے چنداں پرہیز نہیں کرتا تھا دوسرے کا کچھ اور گناہ فرمایا اور ایک لکڑی منگوائی۔ لکھا ہے کہ وہ لکڑی ہیلے کے درخت کی تھی، دو ٹکڑے کر کے دونوں قبروں پر رکھ دیئے اور فرمایا، جب تک یہ لکڑیاں خشک نہ ہوجائیں گی، عذاب موقوف رہے گا۔ اس امر میں بہت احتمالات ہیں۔ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مطلقاً عذاب رفع ہوگیا تھا اور اگر قبر کے سرہانے پھول رکھے جائیں تو مردہ کو اس کی خوشبو سے راحت پہنچتی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ خوشبو، مردہ کی روح نکلنے کے وقت لاتے ہیں۔ (صفحہ ۷۲)

مؤمن اور عشاق کا مطمح نظر

عرض کیا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، کہ جو عقائد عام لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں۔ وہ اصل میں باطن کے عقائد کے بمنزلہ ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ عوام کا عبادت سے مطمح نظر بہشت ہوتا ہے اور خواص کا حاصل عبادت ذات الٰہی ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (امام غزالی کا یہ قول) بہشت کے بطلان کو مستلزم ہے۔ (یعنی عبادت سے مقصود بہشت نہ ہونا چاہئے، جو بظاہر نصوص قرآنی سے متضاد ہوتا ہے) فرمایا، امام غزالیؒ کا منشاء یہ ہے کہ عوام کی منتہائے نظر بہشت تک ہے اور خود امام غزالیؒ نے عبادت کے سلسلے میں اوران کی تقسیم کو مثالوں سے سمجھایا ہے کہ بعض

Marfat.com

(عبادت کرنے والے) ان غلاموں کی طرح ہیں، جو آقا کی سختی اور تشدد کے خوف سے اس کی بندگی کرتے ہیں۔ اور بندگی کرنے کی وجہ سے آقا کے تشدد سے ان کو نجات حاصل ہوتی ہے اور بے خوف ہو جاتے ہیں۔ جیسے مسلمان۔ اور بعض نوکر چاکروں کی مانند ہوتے ہیں، جو انعام واکرام اور تنخواہ کے اضافہ کی طمع میں آقا کی فرماں برداری کرتے، جیسے مومن، جس کو بہشت کی طمع ہوتی ہے اور ایک گروہ عشاق کا ہے جو امید وبیم سے قطع نظر محض رضاء الٰہی اور خوشنودی آقا کی خاطر بندگی کرتے ہیں۔

اسی اثناء میں ایک مرید نے عرض کیا کہ یہ مسئلہ میں نے ایک فاضل سے دریافت کیا تھا۔ انہوں نے اول تو یہ کہا کہ عبادت سے مقصود خدا رسی ہے اور یہی افضل ہے اور پھر لکھ کر بھیجا کہ اعمال ظاہری ہی مقصود اور افضل ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہ السلام کی بعثت انہیں امور ظاہری کی تبلیغ و تعلیم کے لئے ہوئی، جیسا کہ قرآن میں صراحتاً موجود ہے، فرمایا، نہیں، بلکہ اعمال کی فضیلت روح سے ہے، کیونکہ روح کو قالب پر فوقیت حاصل ہے، جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ان اللہ لا ینظر ان صورکم و اعمالکم ولاکن ینظر الیٰ قلوبکم و نیاتکم (صفحہ ۷۶)

تین لطائف کی خصوصیات

ایک مرید نے عرض کیا کہ بندہ کا پہلے یہ حال تھا کہ جس سے محبت ہوتی تھی اکثر اس کے درد کو منتقل کر دیتا تھا، بقصد یا بلا قصد۔ بارہا یہ بھی اتفاق ہوا کہ یہ مرض مجھ کو بھی لاحق ہوا ہے۔ فرمایا نسبت صفا بھی ہوتی ہے چنانچہ گھوڑے کا اور اس کے قچی مارنے کا اور شاہ عبدالاحد نقشبندی کے پیشاب کرانے کا قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ نقشبندیوں کے عجائبات میں سے ہے۔ فرمایا کہ تین لطیفوں کو حکماء بھی مانتے ہیں۔ ایک تو لطیفہ نفسی جس کو طبیعت کہتے ہیں، اس کا خاصہ ہے کہ کھانا اور سبزہ اور خوشبو اور خوشرو چیزیں اور ان کی حقیقتیں اور باریکیاں امیرزادوں کو نظر آتی ہیں۔

دوسرے، عقل ہے جس کا کام سمجھنا اور جاننا ہے، یہ قسم عالموں میں نہایت

Marfat.com

قوی اور مضبوط ہوتی ہے، تیسرے قلب فقراء میں قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ مختلف کیفیات سے متاثر ہونا اور ان کیفیتوں کو سمجھنا یہ قلب کا کام ہے۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں چیز ہم کو اچھی طرح معلوم ہوئی، حالانکہ وہ طبیعت کا خاصہ ہے۔ اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں ایسے ہی جانتا ہوں۔ حالانکہ جاننا، یہ عقل کا کام ہے بعض کہتے ہیں کہ میں غم یا خوشی کی حالت سے متاثر ہوا، حالانکہ یہ قلب کا کام ہے۔ اسی طرح ذکاوت، بلادت۔ ان ہر سہ لطیفوں سے حکماء بھی واقف ہیں۔ (صفحہ ۷۷)

شیخ سعدی اور مولانا روم کا قصہ

شیخ سعدیؒ حضرت مولانائے روم کے معاصر تھے (چنانچہ یہ قصہ مشہور ہے) کہ شیخ سعدیؒ نے اپنی کتاب گلستاں اور بوستاں مولوی رومؒ کی خدمت میں پیش کیں۔ مولانا روم کو آدمیوں کی کثرت کے سبب سے ان کے مطالعہ کی فرصت نہ تھی، پوچھا کیا ہے، عرض کیا کہ شکرانہ فرمایا کہ بچوں کے کام میں لاؤ، چنانچہ ان کے ارشاد گرامی کا اثر ہوا کہ آج تک نصاب تعلیم میں پڑھائی جاتی ہیں (صفحہ ۷۷)

تعلیم و تربیت میں مریدوں کی استعداد کو پیش نظر رکھنا

ایک مرید نے عرض کیا کہ بعض بزرگوں کی صحبت میں باوجود مقامات طے کرنے کے حالت بے خودی نظر نہیں آتی ہے اور بعض جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے سے وقت میں حالت متغیر ہو جاتی ہے، فرمایا، اکثر آدمی مرید کی استعداد کے موافق تعلیم نہیں دیتے ہیں، بلکہ ہر ایک کے ساتھ ایک ہی معاملہ کرتے ہیں۔ چاہیے یہ کہ جس کسی کو نماز روزہ اور اخلاق حمیدہ کی طرف زیادہ راغب پائے، اس کو اشغال اور تلاوت قرآن مجید اور ترک تجرید وغیرہ کی تعلیم دیں۔ اس کو طریق پارسائی کہتے ہیں۔ اور بعض کو طریق جذب کی تعلیم دیں اور توجہ قوی ڈال کر اس کے نفس کو مضمحل اور پامال کریں اس کو طریق قلندریہ کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے

Marfat.com

صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ درازو دو دریدیدم رہ رسم پارسائی

تیسرے طریق عرفان کا یعنی اشیاء کی حقائق کا منکشف ہوتا ہے، اس موقعہ پر توحید وجودی بھی سامنے آتی ہے، جس کو لوگوں نے (ناواقفیت کی بنا پر) دوسرے مقامات پر مغلوبہ کردیا ہے اور حکماء کے طریق پر علاج نہیں کرتے، بلکہ بلا تشخیص مرض (غیر مستند) تجربہ کاروں کا سا علاج کرتے ہیں۔ اتفاقاً اگر کسی شخص کے مزاج کے مطابق علاج ہو گیا تو معتدبہ فائدہ ہو گیا (ورنہ فیہا) (صفحہ ۷۸)

١٦١ ملاقاتوں کی اقسام

فرمایا کہ حدیث صحیح ہے کہ کم آؤ تاکہ محبت زیادہ ہو جائے، پھر فرمایا کہ ملاقاتی چار قسم کے ہوتے ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو بمنزلہ غذا کے، جیسے خادم اور منکوحہ عورت۔ اور ایک قسم وہ ہے جو بمنزلہ دوا کے ہوتے ہیں، جیسے حاکم۔ دوسرے برادری والے کہ ان لوگوں سے کبھی کبھی واسطہ پڑتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جو مانند زہر کے ہوتے ہیں۔ جیسے بدکار اور کافر اور مرتد لوگ، جو ضعیف الاعتقاد ہوتے اور بعض مانند سانس کے ہوتے ہیں جو ہمہ وقت ساتھ رہتے ہیں جیسے معشوق وغیرہ شعر

نیست زرغبا نشان عاشقان
سخت مستقی است جان عاشقان
(صفحہ ۸۱)

پانی میں حرارت کا اثر

سید احمد شہید کے سوال کا جواب

سید احمد شہیدؒ صاحب نے سوال کیا کہ کیا سبب ہے کہ جاڑے کے دنوں میں

Marfat.com

کنویں کا پانی گرم ہوتا ہے اور گرمیوں میں اس کے برعکس سرد ہو جاتا ہے، فرمایا کہ یہ بات آنحضرت ﷺ سے بھی پوچھی گئی تھی، آپ نے فرمایا آفتاب چونکہ گرمی میں دن کو بہت دیر تک آسمان پر گردش کرتا ہے (جس سے دن کا بڑا ہونا مراد ہے) لہذا کنویں کا پانی (اسفل میں ہے) سرد رہتا ہے اور اس کے برعکس جاڑے میں چونکہ زمین کے نیچے زیادہ سفر کرتا ہے (جس کے رات کا طویل ہونا مراد ہے) لہذا پانی میں آفتاب کی حرارت زیادہ اثر کرتی ہے اور گرم رہتا ہے اور حکماء نے بھی اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب تپش صحن میں ہوتی ہے تو برودت (ٹھنڈ) وہاں سے منتقل ہو کر مکان کے اندر چلی جاتی ہے اور اسی طرح سردی کے زمانہ میں مکان کی تمام رطوبات اس کے برعکس وہاں سے چلی جاتی ہیں اور گرمی میں چونکہ تپش زیادہ ہوتی ہے تو اجزاء مرطوب اس مقام سے علیحدہ ہو کر کنویں کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اور سردی میں اس کے برعکس، کیونکہ اضداد کا ایک وقت اور ایک مقام پر جمع ہونا محال ہے۔ (صفحہ ۸۱)

علم کیمیا اور سیمیا کا ذکر

ایک شخص نے کیمیا سیمیا ریمیا اور ہیمیا کے علم کا ذکر کیا۔ فرمایا، ہند کے حکماء نے تو لکھا ہے (خواص) اجسام کے بدلنے کو کیمیا کہتے ہیں اور بدنوں کے بدلنے کو سیمیا کہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھنے والوں سے سنا ہے کہ ایک شخص میرے پیدا ہونے سے پہلے تھا، وہ اپنی روح کو ہوا میں معلق کر دیا کرتا تھا اور گھڑیال کو جو اس کے سر پر لٹکی رہتی تھی بجایا کرتا تھا، اس تو ہم کے معلق کرنے کو سیمیا کہتے ہیں۔

عورتوں کی نماز جماعت کا مسئلہ

ایک مرید نے عرض کیا کہ حضرت عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما نے بھی کبھی عورتوں کی امامت کی ہے؟ فرمایا، نہیں اور یہی وجہ تو عورتوں کی امامت مکروہ ہونے

Marfat.com

کی ہے۔ حضرت کے زمانہ میں صحابہؓ کو جب جماعت مسجد میں نہیں ملتی تھی تو اپنے گھر میں آکر اہل و عیال کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر لیتے تھے۔ اگر اپنے گھر میں صرف ایک ہی فرد ہو تو مضائقہ نہیں (جماعت کر لے) صرف عورتوں کی جماعت اگر ہو جائز ہے۔ (صفحہ ۸۲)

شیر میں جادو کا اثر

بطور تذکرہ کے فرمایا، بچپن کے زمانہ میں میں نے قرآن شریف حفظ کر لیا تھا، اس کا دور کر رہا تھا۔ سورہ طٰہٰ کی آیت سیبطلہ پر پہنچا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عورت اور اس کا خاوند شیر کو مسخر کئے ہوئے گھر گھر تماشہ دکھاتے پھرتے ہیں اور انعام پاتے ہیں۔ ہمارے گھر بھی لائے۔ ایک لحہ کے بعد اس عورت نے کہا کہ شیر کی حالت عجیب سی ہوتی جاتی ہے۔ جلد یہاں سے رخصت ہو۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ پھر اس عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ جادو کا اثر باطل ہوتا معلوم ہوتا ہے، جلد کوئی تدبیر کرنا چاہیے چنانچہ اسی وقت اس کو مضبوط پکڑ کر لے گئے۔ (صفحہ ۸۲)

شیعیت کے الزام کے بارے میں

فرمایا، حافظ آفتاب ہمیشہ میرے درس میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز حضرت امیر علیہ السلام کا ذکر شروع ہوا، جیسا کہ سنیوں کی عادت ہے کہ کسی صحابی کا ذکر ہو تو جان و دل سے اس کے فضائل و مناقب میں بیان کرتا ہوں اور میں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ مجھ سے بددل ہوا اور مجھے شیعہ سمجھ کر درس میں آنا موقوف کر دیا۔

ایک مرتبہ میرے والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہؒ) سے کسی نے شیعوں کے کافر ہونے کی نسبت مسئلہ دریافت کیا تو بھی وہی جواب ملا، میں نے سنا کہ وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ یہ مولوی صاحب شیعہ معلوم ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۸۴)

Marfat.com

چیونٹی اور مینڈک وغیرہ کے بارے میں حکم

فرمایا، حدیث میں آیا ہے کہ چیونٹی اور گلہری اور مینڈک اور شہد کی مکھی اور ہد ہد کو نہ مارنا چاہئے۔ علماء اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں ان کا ذکر ہے۔ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے، جس سے تمام لشکری متاثر ہوئے۔ چیونٹی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دانستہ یہ پامال نہیں کریںگے، کیونکہ یہ نبی کے صحابی ہیں اور وحی کو ایک موقع پر شہد کی مکھی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور مینڈک نے جہاں تک اس سے ہو سکا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گرگٹ جو آگ کو پھونکوں سے تیز کرتا تھا، جہاں ملے اس کو مار ڈالنا چاہئے اور ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغامبر تھا، اس جگہ ایک نکتہ نہایت لطیف بیان فرمایا کہ رافضی حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی سے بھی زیادہ کم عقل ہیں، کیونکہ چیونٹی سمجھتی تھی کہ سلیمان علیہ السلام کی صحبت اٹھانے کی وجہ سے لشکری ارادۃً ایذا نہیں پہنچائیں گے۔ اور یہ رافضی آنحضرت کے صحابہ کے حق میں اتنا بھی نہیں سوچتے۔ (صفحہ ۸۵)

بیعت نیابت کا مسئلہ

ایک مرید نے عرض کیا کہ کیا بیعت نیابت درست ہے۔ فرمایا، حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ بہت سی عورتیں جمع ہو کر بیعت ہونے کو آئیں۔ آنحضرت کو فرصت نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ نیابتاً ہماری طرف سے جا کر مرید کر لو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر مرید ایک جگہ اور پیر دوسری جگہ ہو تو بیعت شجرہ ہو سکتی ہے (صفحہ ۸۹)

بزرگوں کی عمر میں برکت

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کی عمروں میں برکت عطا فرمائی تھی، چنانچہ شیخ

جلال الدین سیوطی مصری شافعی کی تصانیف کثیر تعداد ہیں۔ ۱۵ سال بچپن کی عمر کو علیحدہ کر کے حساب کیا تو بارہ ورق روزانہ تصنیف کے ہوتے ہیں۔ حج کس زمانہ میں کیا ہو گا۔ قرآن شریف کس وقت میں حفظ کیا ہو گا اور درس و تدریس و علوم دینیہ اس کے علاوہ- فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز شکوبار کی تصنیف جو رسالہ عزیزیہ ہے، فی الحقیقت نہایت عمدہ رسالہ ہے۔ ایک رسالہ عینیہ وحدت الوجود کے بیان میں بہت عمدہ تصنیف ہے اور دوسری تصانیف آداب السلوک وغیرہ بھی بہتر ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ شیخ حسن طاہر کی کتاب مفتاح الفیض، علم سلوک میں بہتر تصنیف ہے فرمایا جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے ایک سو پچاس علوم ہیں نصف سابقین اولین کے ہیں اور نصف علم اس امت میں ہیں۔ (صفحہ ۹۰)

اہل تشیع کے بارے میں رائے

ایک مرید نے عرض کیا کہ شیعوں کے گھر کا کھانا کھانا اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیسا ہے۔ فرمایا کھانا کھالینا چاہئے، ذبیحہ سے البتہ پرہیز کرے اور بہتر ہے کہ نہ کھاوے اور مجبوری کی صورت میں اگر کھائے تو مضائقہ نہیں۔ ایک مرید نے عرض کیا، جو شیعہ اپنے مذہب میں ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں، وہ کٹر شیعوں سے تو بہر حال اچھے ہی ہوں گے، فرمایا، بشرطیکہ صحابہ کی شان میں سب و شتم نہ کریں، ان کے حق میں کفر کا حکم لگانے میں توقف کرنا چاہئے۔ تذکرہ کتاب اعجاز خسروی سے پڑھا۔

منک جنین جوہری باکی   منک چنین جوہری ماکی

منک چنیں جوہر باکی ایضا   قد قلت لہا ہلک زوج بعرس قالت مالی

(صفحہ ۹۲)

"فوائد الفوائد" کتاب سلوک کا دستور العمل ہے

فرمایا کہ فوائد الفواد علم سلوک کا دستور العمل ہے اور نہایت عمدہ کتاب ہے

اگرچہ خسرو نے بھی ملفوظات جمع کیے ہیں لیکن ان کی یہ عام قبولیت نہیں ہوئی۔ فرمایا حضرت سلطان المشائخ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ فرمایا کہ سماع کے بارے میں کچھ افراط و تفریط واقع ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے متقدمین صوفیاء پر مخالفین کو طعن و تشنیع کا موقع مل گیا، اگرچہ خاندان قادریہ و نقشبندیہ اور چشتیہ کی کتابوں میں سماع کے آداب لکھے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ سلسلہء چشتیہ کے متقدمین نے آلات اور مزامیر سے ہرگز سماع نہیں سنا ہے، چنانچہ سلطان المشائخ باوجود یہ کہ سماع سے ان کو بہت شغف تھا، فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مزامیر سنے میری محفل میں ہرگز نہ آوے۔ (صفحہ ۹۲)

کچھ مسائل کے بارے میں رہنمائی

ایک شخص نے سوال کیا۔ بعض ہندو جو مسلمان ہو گئے ہیں، وہ اپنے بزرگوں کی جن کے مسلمان ہونے میں در حقیقت شبہ ہے، فاتحہ دلاتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں، فرمایا اگر ان کا مسلمان ہونا یقینی ہو تو مضائقہ نہیں۔

کچھ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں

فرمایا کہ حضرت والد ماجد صاحب نے ہر فن میں ایک آدمی تیار کیا تھا اور اس فن کے طالب علم کو اس کے سپرد فرماتے تھے اور خود معارف گوئی اور معارف نویسی میں مشغول رہتے تھے اور حدیث شریف پڑھایا کرتے تھے۔ مراقبہ کے بعد جو کشف ہوتا تھا، لکھ لیتے تھے۔ باوجود محنت شاقہ بہت کم بیمار ہوتے تھے۔ عمر شریف اکسٹھ برس چار ماہ کی ہوئی چوتھی۔ شوال ۱۱۱۴ھ کو پیدا ہوئے تھے اور اونیسویں صدی محرم کو وفات پائی۔ شاہ ولی اللہؒ کی تاریخ ولادت ۴، شوال بروز چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ ہے، وفات کی تاریخ امام اعظم ہے۔ دوسرا مادہ تاریخ، مادہ روزگار رفت ہے ۲۹ محرم الحرام اور بوقت ظہر یا ۱۲ محرم ۱۱۷۶ھ وقت سحر۔ (صفحہ ۱۹۵)

نصاریٰ کا تسلط

فرمایا، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں نصاریٰ کا تسلط ہوگا۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ وہ یہی نصاریٰ ہیں یا اور ہوں گے، فرمایا غالباً یہی ہوں گے کیونکہ اہل اسلام میں ظلم نہایت درجہ شائع ہوگیا ہے اور ملک کفر کے ساتھ تو قائم رہ بھی سکتا ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! اہل فارس تمہارے ساتھ ایک دو ٹکر یعنی مقابلہ کریں گے پھر غائب ہو جائینگے۔ چنانچہ یہی ہوا اور فرمایا تھا کہ اہل روم یعنی نصاریٰ یکے بعد دیگرے جماعت جماعت مقابلہ کریں گے کیونکہ یہ صابر ہیں اور آہستہ آہستہ کام کرتے ہیں اور کتنا عرصہ باقی ہے۔ فرمایا، ان کو حضرت مہدی علیہ السلام قتل کریں گے، دیکھا جائے کہ کب ہوتا ہے فرمایا کہ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو کا پوتا تغلو داو خود مسلمان ہو گیا تھا، اسلامی نام احمد تھا اور اس روز تین لاکھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ (صفحہ ۹۶)

سحر اور تسخیر کے سلسلے میں اہم باتیں

ذخیرۂ اسکندریہ، طلسم میں ایک بڑی کتاب ہے۔ لیکن طلسم کا امتحان کم ہوتا ہے اور نیرنج کا امتحان زیادہ ہوتا ہے۔ اکثر کتابوں میں اشیاء کے خواص لکھے ہوئے ہیں، جب ان کو باہم مربوط کرتے ہیں تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ سحر تین قسم کے ہیں۔ اول یہ ہے کہ کواکب کی روحانیت کی اور ان کی دعوات اور صناعات اور ہیاکل وغیرہ کی تسخیر۔ اس کو علم دعوت کہتے ہیں اور مریخ اور زہرہ میں سے ہر ایک دعوت جدا جدا ہے، اور دھونی (بخورات) ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ ہے۔ کسی کی دھونی لوبان ہے کسی کی گوگل ہے یہ یونانی سحر ہے۔ شریعت میں ان میں سے اکثر کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرک کے قریب ہے۔ دوسری سحر ہندی ہے۔ اس کو تسخیر بیر کہتے ہیں اور اس بیر سے مراد مردوں کی روحیں ہیں، جو یہاں آکر حالات معلوم کر لیتی ہیں۔ لیکن وہ مردے

جو قوی القلب، شرارت پیشہ، خباثت اور تیز و تند ہوتے ہیں، شیاطین کے ناموں اور افسون پڑھنے اور خوشبودار کھانے وغیرہ کا بھوگ دینے سے (مسخر ہوتے ہیں) کہ بعضے ارواح خبیثہ کہ اکثر ان میں سے خبیث جانوروں اور بھڑ بھونجہ وغیرہ سے مناسبت تامہ رکھتے ہیں اور تسخیر بیر کے لئے یہ تدبیر بھی کرتے ہیں کہ مردے کی پیٹھ کی ہڈی پر افسوں پڑھتے ہیں اس سے روح حاضر ہو جاتی ہے، یہ تدبیر سابق تدبیر سے زیادہ مؤثر اور زود اثر ہے، پس وہ تابع ہو جاتی ہے اور زیادہ دیرپا ہے، کیونکہ اس میں شدت ظلمت ہے اور کفر و شرک ہے اور تسخیر قلب (محبوب) اور دشمن کا قتل جس کو موٹھ کہتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو تاثیر میں دونوں سے کمزور ہے، لیکن مباح جگہوں پر جائز ہے اور وہ از قبیل طلسم ہیں اور تعویذات وغیرہ دوسری چیز ہیں جو ہندوؤں نے بھی ہم سے سیکھے ہیں اور شعبدہ بھی جادو کی ایک قسم ہے اور ایک قسم سحر بابل ہے، جو نادر الوجود ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک قوی التاثیر شخص طالب کی نفس میں ایک قوت پیدا کرتا ہے اور اس قوت کی تاثیر سے عالم تصرفات کرتا ہے، جو ظلمت و خباثت کے ساتھ مقرون ہوتا ہے اور جو قوت کہ طالب کے نفس میں پیدا ہوتی ہے، وہ خبیث اور تاریک ہوتی ہے اور جوہر ذات کے لئے لازم ہوتی ہے جو کسی بھی عبادت سے نورانیت اور طہارت میں تبدیل نہیں ہوتی اور یہ سحر ہاروت و ماروت سے حاصل کیا ہوا ہے۔ ان میں قوت خبیثہ پیدا ہوئی تھی، اس سے جس میں چاہتے تھے اپنا اثر ڈالتے تھے، آخر کار ان کو اس سے نجات حاصل ہو گئی، لیکن اس کا نمونہ ڈائن میں آج بھی موجود ہے، ڈائن کو فارسی میں نظر گفتار کہتے ہیں اگرچہ ان میں خباثت و تاریکی پائی جاتی ہے، لیکن بر بنائے مضرت اس کا سیکھنا جائز ہے۔ جیسے بعض وقت سحر سیکھنا۔

پہلی قسم کے جادو کی اصلاح ان اسماء الٰہی کی دعوت ہے، جو مطالب جزئیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اس دعوت میں چند شرائط ترک حیوانات وغیرہ بھی ہیں اور کبھی ستاروں کی روحانیت کی تسخیر بھی اس دعوت میں کرتے ہیں۔ لیکن اس تسخیر اور

دوسری تسخیر میں یہ فرق ہے کہ اس تسخیر میں ستاروں کی ارواح کی طرف التجا ہوتی ہے اور اس تسخیر میں خاص حق سبحانہ اور اس کے اسماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان اسماء الٰہیہ کی مدد سے ارواح کواکب پر تسلط و غلبہ حاصل کیا جاتا ہے اور پھر ان سے استمداد کی جاتی ہے۔ البتہ اس دعوت کے اسماء کی مناسبت بعض کواکب کی روحانیت کے ساتھ معلوم کرنا ضروری ہے اور دعوات کی شرائط میں اس کوکب کے موافق عمل کرنا چاہئے اور اس کوکب کی ساعت میں بیٹھنا اور عمل پڑھنا چاہئے۔ ادریسی تسخیر کے نمونہ پر۔

دوسری قسم کی اصلاح اسماء کے موکلات کی تسخیر کا عمل ہے اور ان اسماء کے ذریعے جنات کو تابع کرنا ہے۔ اور یہاں دونوں تسخیر (عمل) میں وہی فرق ہے کہ یہ تسخیر سلیمانی تسخیر کے مشابہ ہے جیساکہ اول الذکر تسخیر ادریسی کے نمونہ پر تھی۔

تیسری قسم کی اصلاح نقوش اعداد و اسماء و آیات یا مراجات و مثلاث حرفی (تعویذات) کے خانوں کو پُر کرنا اور کسی قدر مناسب اور مطالب سے موافق اسماء و آیات کو لکھنا اور بعض ارضی غذاؤں مثل قند و آوند وغیرہ کو اس میں ملانا چاہئے جو از قبیل نیرنجات ہیں اور اس میں شامل ہیں۔

چوتھی قسم کی اصلاح، انبیاء و اولیاء، ائمہ، اہلبیت عظام کی ارواح سے توسل حاصل کرنا ہے، کیونکہ یہ بزرگ اس باب میں بڑی تاثیر رکھتے ہیں۔ اور دائمہ مستمرہ لازمہ قوت کا فائدہ حاصل کرنا جس سے عالم تصرف کیا جاسکتا ہے جیسے کہ امراض کا سلب کرنا۔ درد کو تسکین دینا، جمادات و حیوانات کو مسخر کرنا اور اس باب میں امداد حاصل کرنا، ان بزرگوں کی ارواح طیبہ سے اور فاتحہ پڑھنا اور اس کا ثواب ان کی ارواح کو بخشنا، خاص کررات کے آخری حصے میں مجرب ہے اور کبھی یہ استفادہ زندہ آدمی سے بھی کیا جاتا ہے اور فی زمانہ یہ معنیٰ مثل معدوم کے ہیں اور وہ ارواح جن سے فی زمانہ اس قوت کا اکتساب کیا جاسکتا ہے اور اس میں مجرب و معمول ہیں، وہ پانچ مبارک

روحیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی روح مقدس، حضرت علیؓ کی روح مبارک، تیسری حضرت غوث الاعظم کی روح، چوتھے حضرت بہاء الدین نقشبندیہ کی روح، پانچویں حضرت معین الدین چشتی کی روح۔ (صفحہ ۱۰۳-۱۰۵)

حضرت غوث اعظم کے ساتھ ابن جوزی کے اختلاف کی نوعیت

ایک مرید نے سوال کیا کہ جوزی جید محدث، اور متقی، پرہیزگار اور صاحب علم تھے، حضرت غوث سے ان کو اتنا تعرض کیوں تھا، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ محدثین کی بابت لوگوں نے بہت سی ایسی بے سروپا باتیں اپنی طرف سے منسوب کردی ہیں، جن کی صحت میں کلام ہے یا لوگوں نے ایسی ضعیف و بے بنیاد باتوں کو حضرت غوث اعظم کی طرف منسوب کردیا ہے اور اکثر فخریہ کلمات کا بھی اضافہ کردیا ہے اور اسی طرح اور دوسرے وجوہ بھی ہیں۔ غرض کہ بغض بھی اللہ کے واسطے رکھنا چاہئے۔ اس صورت میں دونوں طرف صواب (صداقت) رہتی ہے۔ اور حضرت غوثِ اعظم کے جنازہ کی نماز علامہ ابن جوزی نے پڑھائی تھی۔ (صفحہ ۱۱۶)

روح قبض کرنے والوں کے کچھ واقعات

ایک طبیب نے آکر عرض کیا کہ آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ نواب نوازش علیخاں کے چپراسی نے اپنے والد کی علالت کی خبر پاکر رخصت حاصل کی تھی۔ چپراسی جب وہاں پہنچا، دو تین دن کے بعد اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ جب اس کو آگ میں جلانے لگے۔ وہ کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ مجھے ننگے پاؤں کانٹوں پر لے جارہے تھے، اس کی تکلیف سے جب نقیب ایک بزرگ کے پاس مجھے لے گئے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ آدمی وہ نہیں ہے، جس کو میں نے طلب کیا تھا، پس مجھے رہا کردیا، آپ نے فرمایا کہ روح قبض کرنے والوں کو مغالطہ ہوا۔ اس حکیم نے عرض کیا کہ کیا ایسا ہوتا ہے، فرمایا کہ بہت موقعوں پر میں نے ایسا سنا ہے۔

Marfat.com

ارشاد فرمایا، حضرت والد ماجد کے متوسلین میں سے ایک عورت تھی، جس کا نام لاڈلی خانم تھا۔ ہم بچوں سے اس کو بڑی انسیت تھی۔ ہم بھی اس سے فارسی قصوں کی فرمائش کرتے تھے اور فارسی گوئی اسی مغلانی سے ہم نے سیکھی ہے۔ الغرض دوسری عورتوں کی طرح وہ مغلانی بھی حضرت قطب صاحب کی زیارت کو گئی، وہاں وہ بے ہوش ہوگئی اور علامات موت اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔ جب اس کو غسل دیا جارہا تھا یا دفنایا جارہا تھا کہ حضرت کی ایک نگاہ پڑی، اس نے آنکھیں کھول دیں اور زندہ ہوگئی، دو تین دن بعد اس کو دہلی لائے اور اس سے واقعہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ میرے پاؤں کے انگوٹھے میں ایک سرسری معلوم ہوئی اور میں بے ہوش ہوگئی اور مجھے ایک جگہ لے جایا گیا، وہاں ایک بزرگ نے لے جانے والوں سے کہا کہ اس، لاڈلی خانم بنت فلاں کو ہم نے نہیں طلب کیا تھا، بلکہ لاڈلی خانم بنت فلاں کو طلب کیا تھا، پھر مجھے رہا کر دیا گیا، جب تحقیق کی گئی تو اسی وقت دوسری لاڈلی خانم کی وفات ہوئی اور اس لاڈلی خانم کی قوت حواس جاتے رہے تھے، کھانے اور پھلوں کے ذائقہ تک بھول چکی تھی۔ گویا اب وہ لاڈلی خانم (اپنی قدیم خصوصیات کے ساتھ) نہیں تھی اور ترش چیزیں زیادہ کھاتی تھی۔ اگرچہ دو تین سال تک زندہ رہی، لیکن ہمارے خیال سے جاچکی تھی، کیونکہ اس کی تمام حرکات وسکنات خوش لہجہ اور فطانت وسخن فہمی وغیرہ صفات اب اس میں باقی نہ تھے۔ (صفحہ ۱۲۰)

دعا اور دوا دونوں ضروری ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

پھر ایک مرید نے عرض کیا کہ در حقیقت ہر ایک چیز میں تاثیر برابر ہے اور جو کچھ ظاہر ہے اس کو کم عقلیں سمجھتی ہیں اور اپنی محدود عقل میں اس کی حکمتیں نہ آنے کی وجہ سے اس کا انکار کر دیتی ہیں۔ مختصر یہ کہ فرمایا تعمیل حکم خداوندی کی بناء پر دعا اور

دوا کرنا ضروری ہے اور بھروسہ خدا کی ذات پر کرنا چاہیے۔ پھر نقصان نہیں ہوگا، آپ نے فرمایا بیشک۔ لیکن بعض کام بعض کے سپرد ہیں۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ کو درد ہوا، خدا سے دعا کی، حکم ہوا کہ مالش کرو، درد جاتا رہا، پھر ایک بار درد ہوا، پھر بغیر کسی علاج کے جاتا رہا۔ پھر ہوا، حکم ہوا کہ حکیم کے پاس جاؤ۔ حضرت موسیٰ نے کچھ عرض معروض کیا۔ حکم ملا۔ تم چاہتے ہو کہ ہمارا طبابت کا کارخانہ ضائع ہوجائے، ایک دوبار ہم نے بغیر علاج کے درست کردیا (صفحہ ۱۲۵)

وسوسۂ شیطانی اور وسوسۂ نفسانی

ارشاد فرمایا کہ وسوسۂ نفسانی اور وسوسۂ شیطانی میں فرق کرنے کا طریقہ کس طرح ہونا چاہئے۔ یعنی شیطانی خطرہ وہ ہے، جس میں اصرار نہیں ہوتا اور نفسانی خطرات پے در پے آتے ہیں، اگر عبادت اپنے طور پر خوبی کے ساتھ کرتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً اگر کوئی چیز دیتا ہے تو خالص نیت کے ساتھ اس کو صرف کرے اور اگر ریا کاری اور دکھاوے کی نیت سے دیتا ہے تو یہ گویا دینا نہ دینے کے برابر ہے۔

کسی بزرگ نے پوچھا کہ ان میں سے کون سی زیادہ سخت ہے، فرمایا کہ نفسانی خطرات زیادہ سخت ہیں، اس لئے کہ نفس انسان کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ جیسے انگریز اور مرہٹوں کی جنگ۔ پھر فرمایا کہ نفسانی وساوس مشکل سے رفع ہوتے ہیں۔ کیونکہ نفس باقاعدہ منظم طریقہ سے جنگ کرتا ہے اور شیطان دور سے نظر آتا ہے اور نفس کا سامان جنگ عورت، اولاد، لباس، مال و متاع وغیرہ ہیں۔

پھر فرمایا کہ شیطان ادنیٰ جنگ سے رفع ہو جاتا ہے اور نفس بڑی کوشش و دقت سے۔ پھر فرمایا، "حب الدنیا راس کل خطیئة"۔ (دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے)

پھر فرمایا کہ شیطان ایک دن حضرت یحیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا، حضرت یحیٰ نے بقول پیغمبر کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت یحیٰ نے اس کی قلبی تاریکی کو معلوم کر کے اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے۔ اس نے کہا کہ

Marfat.com

میں شیطان ہوں۔ فرمایا، یہاں کیسے آنا ہوا۔ شیطان نے کہا کہ ایک مشکل در پیش ہے اور وہ یہ کہ بعض تو سیدھے سادھے انسان ہیں، جن کو میں جہاں چاہتا ہوں لے جاتا ہوں اور بعض آپ جیسے اللہ کے مخلص بندے ہیں، جن پر میرا دخل نہیں چلتا، لیکن ایسے لوگوں کے کچھ عرصہ ساتھ رہ کر خلوص و محبت کا اظہار کر کے ان پر اعتماد حاصل کر کے پھر تیار کرتا ہوں کہ یکایک خوف الٰہی ان پر غالب آجاتا ہے اور وہ لوگ میرے کہنے پر چلنے سے رک جاتے ہیں اور پھر گریہ وزاری کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شیطان کا کام سہل ہے، لیکن نفس کا دشوار ہے۔ شیطان کا علاج ذکر اللہ اور تلاوت قرآن شریف، اور دنیا کا زہد و تقویٰ اور علاج مخلوق، گوشہ نشینی، مگر نفس کا علاج دشوار ترین ہے کہ فرمایا تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے، جو تمہارے پہلو میں موجود ہے۔ اس لئے نفس کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ نفس کی جو خواہش ہو ہرگز اس کے مطابق نہ کرے۔ مگر شریعت کی اتباع میں از روئے شریعت کام کرے۔

عُجب، حسد، یہ دونوں شیطان کے بڑے داؤں ہیں، جن میں پھنسا کر یہ اولیاء کو بھی گمراہ کرتا ہے کیونکہ یہ عجب عبادت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور طوائف، اکل (شراب کشید کرنے والا) عجب کے مرض میں کہاں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ (صفحہ ۱۳۲)

مقلد اور محقق کے درمیان فرق

ارشاد فرمایا کہ بچے رخصت کے وقت لوگوں کو مصافحہ کرتے اور قدمبوسی کرتے دیکھتے ہیں، پیروی میں خود بھی کرتے ہیں مقلد اور محقق میں یہی فرق ہے۔ پس محقق اس کو کہتے ہیں جو دیکھ کر یا سمجھ کر کسی کام کو انجام دیتا ہے پھر فرمایا کہ تقلید بھی خوب ہے۔ بسا اوقات اس سے بڑا کام نکلتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کا قصہ صوفیا کی کتابوں سے نقل فرمایا۔ (صفحہ ۱۳۴)

جسم اور روح کے تعلق کی نوعیت

ایک مرید نے پوچھا کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے یا نہیں۔

Marfat.com

اگرچہ جسم خاکستر ہو چکا ہے، یہ تعلق روح مع الجسم ہر آدمی کے لئے ہے یا خاص کر اولیاء کی خصوصیت ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے، وہاں تعلق روح کا ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد جیسا کہ کہا گیا ہے کہ تیس سال کے بعد روح کا تعلق کم ہو جاتا ہے، مگر بعض اولیا کے لئے جن کے لئے خدا تعالیٰ کو فیضان معرفت منظور ہوتا ہے، زیادہ مدت تک یہ تعلق روح باقی رہتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۴)

درود اور قرآن شریف کا پڑھنا

۱ فرمایا کہ راہ چلتے میں درود شریف کے پڑھنے کی ممانعت اگرچہ میری نظر سے نہیں گذری ہے، لیکن راستے میں قرآن شریف کا پڑھنا آنحضرت سے ثابت ہے۔

لوگ روح کی توجہ کی بابت نامناسب باتیں کرتے ہیں۔ اس میں توجہ کی خاص ضرورت نہیں، کیونکہ اس کی مثال آفتاب کی روشنی کی ہے کہ جہاں آفتاب ہوگا روشنی ضرور ہوگی، بجز ان تنگ و تاریک راستوں کے، جہاں آفتاب کی روشنی تنگی راہ سے نہ پہنچ سکے، ایسی ناپاک جگہوں پر نہ پڑھنا بہتر ہے۔ (صفحہ ۱۳۵)

تعزیت کے لئے جانا چاہئے

ارشاد فرمایا کہ تعزیت کے لئے جانا بڑا ثواب ہے، آنحضرت تشریف لے جاتے تھے، حدیث میں آیا ہے چنانچہ ایک لڑکے کا لال مر گیا تھا، آنحضرت نے اس کی تعزیت فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ لکھنا عورتوں کو نہ سکھاؤ۔ ان کو کاتنا سکھاؤ، عورتوں میں وہ عورت بہتر ہے، جو کاتنا جانتی ہو اور مردوں میں وہ مرد بہتر ہے جو تیراندازی جانتا ہو۔

تفسیر بالرائے اور تاویل قرآن میں فرق ہے

ارشاد فرمایا کہ ایمان اور اسلام جو سینوں کے نزدیک ایک ہی ہے، وہ بایں معنی

ہے کہ حاصل دونوں سے ایک ہی ہے۔ ورنہ اسلام ظاہری اطاعت وپابندی کا نام ہے اور ایمان باطن کی اطاعت کو کہتے ہیں، بشرطیکہ ظاہری اطاعت بھی ہو ورنہ فاسق ہے اور اگر باطنی اطاعت وانقیاد نہ ہو تو اس کو میں منافق سمجھتا ہوں نہ کہ مسلمان۔

ارشاد فرمایا کہ معاملہ سخت ہے، پوری واقفیت درکار ہے، کیونکہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے، اس کے حق میں کفر کی وعید موجود ہے، علم کتنا بھی زیادہ ہو لیکن تفسیر بالرائے نہ کرے، بلکہ ایسی تاویل کرے جس میں معنیٰ تبدیل نہ ہوں اور اصل معنیٰ سے انحراف نہ ہو۔ چنانچہ بحمد اللہ مجھے یہ علم خوب آتا ہے۔ بعض درس میں چار پانچ بلکہ سات سات طریقہ تاویل واشارات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ یہ تاویل مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گائے کی قربانی کا حکم دیا، قوم نے کہا کہ تم ہم سے مذاق کرتے ہو، حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ معاذ اللہ، جو میں ہنسی کرتا ہوں۔ پھر گائے کی بابت تحقیق، تفتیش کی اور گائے ذبح کی گئی اور مطلب و مقصد حاصل ہوا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ یہاں گائے ذبح کرنے سے نفس کی گائے ذبح کرنا مقصود ہے اور پوری جدو جہد کے ساتھ، نہ بطریق ہنسی و مذاق، اور وہ جوانی کے زمانہ میں جبکہ قوت و شہوت پوری حاصل ہو اور دنیاداروں اور دنیا کا کام ابھی نہ انجام دیا ہو اور جو بڑی قیمت ادا کر کے خریدی جاسکتی ہے یعنی اپنی مرغوب و محبوب چیزوں کو بالکلیہ ترک کر کے، البتہ وصول حق اور قرب الٰہی حاصل ہو سکتا ہے۔ (صفحہ ۱۶۳)

کچھ دینی مسائل

ایک بزرگ نے پوچھا، ظہر سے پہلے کی سنتیں جو جماعت کھڑے ہونے کی وجہ سے فوت ہوگئیں، ان کا کیا حکم ہے۔ فرمایا، مستحب ہیں، اگر پڑھ لے بہتر ہے ورنہ خیر، لیکن بعد نماز اس کے ادا کرنے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ظہر کے بعد کی دو سنتوں سے پہلے ان کو ادا کیا جائے، بعض اس طرف گئے ہیں کہ پہلے دو رکعتوں کو پڑھا جائے اور ان کے بعد چار رکعت کو ادا کیا جائے اور ہر فقیہ نے اپنے اپنے قول کی

Marfat.com

لطیف وجہیں بیان کی ہیں۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ سورہ واقعہ کی تاثیر اور خاصیت جیسا کہ بزرگوں کے ملفوظات میں لکھا ہوا، پڑھا ہے کیا وہ صحیح ہے۔

ارشاد فرمایا کہ پنج سورہ جو بزرگوں کا معمول رہا ہے ان سورتوں میں سے تین سورتوں کا ثبوت تو حدیث سے ثابت ہے، بعد فجر صادق اور بعد مغرب سورہ واقعہ کو مداومت سے پڑھنا قضائے حاجت کے لئے موثر ہے اور جو شخص اس کو پابندی سے پڑھتا ہے اس کو کبھی فاقہ نہیں ہوگا۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے۔

اسی طرح سورہ ملک سونے سے قبل بعد نماز عشاء کے پڑھنا تخفیف عذاب قبر کے لئے مفید ہے اور سورہ انا فتحنا ظہر کی نماز کے بعد اور سورہ عم یتسائلون، عصر کے بعد پڑھنے میں جو خاصیتیں بتائی جاتی ہیں ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ (صفحہ ۱۸۱)

عورت کو سلام کرنا

ایک عورت حاضر ہوئی اور سلام و آداب عرض کیا، حضرت نے اس کو علیکم السلام کے ساتھ جواب دیا، ایک مرید نے عرض کیا، عورت کو بھی اس لفظ سے جواب دینا جائز ہے، فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ حکم غیر محارم کا ہے، اگر عورت اجنبی نوجوان ہو تو سلام کرنے میں پہل نہ کرے اور اگر سلام کرنے میں ابتدا کرے تو بھی ناجائز نہیں (بشرطیکہ جانبین سے شائبہ نفس نہ ہو) پھر فرمایا کہ عنفوان شباب ہی سے رقص وغیرہ ممنوعات و مکروہات سے طبعاً مجھے نفرت رہی ہے۔ چنانچہ نوجوان عورتیں مجھ کو ایک بے حس دیوار کی طرح نظر آتی ہیں اور دو وجہ سے، میں ان سے خائف تھا، اب ان میں سے ایک باقی ہے۔ غیبت کہ اس کے سننے سے مجھے نفرت پیدا ہوتی ہے، خدا معاف فرمائے تم دیکھتے ہو کہ میں کس تدبیر سے اس کو دفع کرتا ہوں اگر کوئی کہنے کا ارادہ کرتا ہے۔ دوسرے مزامیر کہ اس سے بھی میں ڈرتا ہوں کہ اس کے سننے سے میں بے قابو ہو جاتا ہوں اور میرا دل اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۸۸)

Marfat.com

کسی نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا کبھی آپ کی طبیعت میں امر ممنوع کی طرف میلان پیدا ہوا ہے، ارشاد فرمایا کہ دو مرتبہ، جب میں جوان تھا میں نے سنا کہ ایک خوش گو قصہ گو آیا ہوا ہے، احباب کے رغبت دلانے سے میں نے اس کے پاس جانے کا قصد کیا، دفعتا میرے کان میں مزامیر اور رقص کی آواز آئی، میں نے چاہا کہ ایک دیوار کے نیچے بیٹھ کر اس کو سنوں، جوں ہی میں بیٹھا مجھے نیند آگئی، جب آنکھ کھلی صبح تھی۔ دوسری مرتبہ بھی اسی طرح سے ماجرا پیش آیا تھا۔ (صفحہ ۱۸۸)

حضرت باقی باللہ کی تنہائی

فرمایا، حضرت باقی باللہ نے چاہا کہ میں تنہا رہوں۔ مریدوں کو جواب دے دیا، کسی کو سرہند اور کسی کو دوسری جگہ بھیجدیا، حضرت حسام الدین نے جو حضرت کے بڑے خلیفہ تھے اور ان کو حضرت سے کمال عقیدت و محبت تھی، اگرچہ حضرت کے سارے ہی مرید صاحب کمال تھے۔ فرمایا کہ جب تک پیر و مرشد بقید حیات ہو، کسی نہ کسی تقریب سے وہ خدمت میں حاضر رہتا ہے اور اس کی عقیدت و محبت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ وہ اپنے مرشد سے جدا ہو، تعمیل حکم میں چار ناچار کعبہ جانے کا قصد کیا۔ جب اکبر آباد پہونچے، گرمی کی شدت سے ایک دیوار کے سایہ میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گئے، وہاں اتفاق سے رقص ہو رہا تھا اور یہ بیت گایا جا رہا تھا۔

تو خواہی آستین افشاں و خواہی دامن اندر کش
مگس ہرگز نخواہد رفت از دوکان حلوائی

پس جوش و خروش میں آکر واپس ہوئے اور شیخ کی خدمت میں یہی بیت کیف و مستی کی حالت میں پڑھتے ہوئے حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کو سینہ سے لگالیا اور پھر کبھی اپنے سے جدا نہیں کیا۔ (صفحہ ۱۸۸)

مرشد کی اتباع صرف سلوک میں ہے

فرمایا، یہ سمجھنا چاہئے کہ پیر کی اتباع، سلوک و ذکر میں ہے اور معارف،

Marfat.com

مکشوفات خود اپنے ہوتے ہیں، اگر ایسا ہی ہو تو مجدد صاحب خود اپنے مرشد کے (نظریہ کے) خلاف تھے۔ حالانکہ حضرت خواجہ باقی باللہ و خواجہ عبداللہ احرار وغیرہ اکابر خالص وجودی (نظریہ) کے تھے اور نیز غوث الاعظم جو کہ ہمارے پیر ہیں حنبلی تھے اور ہم حنفی ہیں و خواجہ معین الدین چشتی ہمارے پیر شافعی تھے اور خواجہ قطب الدین حنفی تھے، پھر ان بزرگ نے دریافت کیا کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کا کیا مذہب تھا۔ فرمایا کہ بزرگان طریقت میں سے کسی نے اس کی بابت صراحتا نہیں کہا، بجز اشارہ و کنایہ کے اور قرآن و حدیث میں بھی اشارات ہی ہیں چنانچہ صحیح ترمذی میں یہ حدیث پڑھی ہوگی کہ آنحضرت نے فرمایا کہ :-

''اگر بمثل رسنے از بالائے آسمان اندازند در زمین سفلی ہفتم ہم بر خدا خواہد افتاد''

(صفحہ ۱۹۱)

Marfat.com

سلوک کے لوازمات اور اس کے مقتضیات

مکتوبات رشیدیہ سے ماخوذ

قلب کا واردات سے متاثر ہونا

یہ جو اول کیفیت تھی، وہ پھر نہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں (قلب پر) جو حال وارد ہوتا ہے وہ بہت زور سے وارد ہوتا ہے۔ قلب اس سے ناآشنا ہوتا ہے، کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد چونکہ اس حال سے ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے وہ زور شور معلوم نہیں ہوتا۔ اول کورے ظروف گلی یعنی مٹی کے پیالوں میں پانی ڈالیں تو کیا شور ہوتا ہے۔ جب کہ دوبارہ پانی ڈالنے میں وہ جوش نہیں ہوتا، حالانکہ پانی کا اثر اس میں زیادہ ہوتا ہے، یہی حال انسانی قلب اور جسد کا ہے۔ غرض کیفیت سے نہیں، بلکہ مقصد سکون اور قلب کا اللہ سے ربط ہے، اولیاء کرام پر وجد و حال کی جو واردات ہوئی ہیں، صحابہ کرام سے اس کا بیسواں حصہ بھی منقول نہیں۔ (صفحہ ۱۵)

دماغ کی حفاظت ضروری ہے

ذکر میں دماغی قوت کی رعایت ضرور رکھیں، لذت میں آکر ایسا مت کریں کہ اصل کام سے رہ جائیں۔ ذکر تھوڑا تھوڑا بڑھتا رہے۔ جلدی کا کام نہیں۔ ایک دو روز کی بات نہیں۔ ساری عمر کا کام ہے۔ ساعة فساعة، قول رسول اللہ ﷺ ہے۔ رات دن یکساں حال نہیں ہوتا۔

اگر تہجد سے کچھ دماغ کو نقصان ہو، دن کو کام کرنے میں، تو تہجد ضروری

Marfat.com

نہیں۔ غرض کام سے ہے، نہ وقت سے (صفحہ ٦ اہنام مولوی صدیق احمد)

اصل ذکر قلب کا تذکرہ ہے

ذکر جہر کی اب کچھ حاجت نہیں، اصل ذکر تو تذکرۂ قلب ہے، سو جب قلبی ذکر حاصل ہوا تو اب زبانی ذکر کی کچھ ضرورت نہیں۔ خصوصاً جب ذکر جہری سے دل گھبرائے، اس وقت ذکر زبانی ترک کرنا ضروری ہے۔ جس ذکر سے دل کو سرور حاصل ہو، اس کو کرنا چاہئے۔ (صفحہ ١٦)

انوار میں ابلیس کی دخل اندازی کا خطرہ ہونا

جس (شخص) کی نسبت میں انوار کا مشاہدہ ہوتا ہے، تو وہاں لاریب ابلیس کا اندیشہ دخل بہت ہوتا ہے، لہذا ہر حال میں اور ہر امر میں اتباع شریعت کا خیال رکھنا، خلاف شرع کوئی حال معتبر نہیں ہوتا۔ (صفحہ ١٧)

ذکرِ اسم ذات کا استحضار ہی مقصود ہے

پاس انفاس وغیرہ یہ سب بہانے اس بات کے ہیں کہ ذکر مخیلہ (تصور) میں قائم ہو جائے، ورنہ اصل مقصود نہیں۔ جب ذکر ذات کا خیال قائم ہو جائے تو پھر زبان اور انفاس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ (صفحہ ١٦)

صحابہ کرام کے "احسان" اور صوفیائے کے احسان میں فرق کی نوعیت

اصل مقصود تو "احسان" ہے، سو وہ بفضلہ تعالیٰ آپ کو عطا ہوا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں یہ احسان ہی تھا اور خلف کو جو معارف جدید حاصل ہوئے، وہ بھی ثمرۂ عنایات ہیں۔ مگر انوار کا جو طریق ہے۔ (یعنی انوار کا جو سلسلہ ہے) وہ خطرناک ہے۔ فقط "احسان" میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا، مگر انوار کے نزول

Marfat.com

میں بہت خدشہ ہے اور اس حالت میں اتباع سنت نہایت درکار ہے اور شرع کی رعایت از حد ضروری ہے۔ علم و تفقہ بہت واجب ہے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ انسان میں سات لطیفے رکھے گئے ہیں اور ہر ہر لطیفہ میں دس دس ہزار پردہ نور رکھے گئے ہیں۔ جب تک یہ ستر ہزار (حجابات نور) قطع نہ ہو جائیں، خطرہ ہی خطرہ ہے۔ جب انوار ظاہر ہوتے ہیں اور انسان کا تخیل انوار سے پُر ہو کر مضمحل ہو جاتا ہے تو اس وقت تخیل میں جو امر پیدا ہوتا ہے، سالک کو تخیل کا یہ خطرہ نور کی صورت میں معلوم ہوتا ہے اور اس نور کو وہ حق تعالیٰ جان کر اس خطرہ کو خطرہ رحمان سمجھنے لگتا ہے۔ (صفحہ نمبر ۴۲)

دوسروں کے فعل کی اچھی تاویل کرنا افضل ہے

حتی الامکان دوسرے کے فعل کی تاویل حسن کرنا اور جہاں تک ہو سکے، دوسرے کی بات کو بھلائی پر محمول کرنا اچھا ہے اور تھوڑے سے قصور پر چشم پوشی کرنا عمدہ ہے، اس میں راحت ہے اور دشمن کے فعل کا بدلہ نیکی سے دینا یہ تو بہت عجیب بات ہے کہ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں (صفحہ ۵۴)

جملہ اشغالات کا مقصد اور منتہی کے جملہ مراقبات کا مطلب حضور قلب بے کیف ہے، جو حق تعالیٰ نے آپ کو نصیب فرمائی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی نسبت میں جو چیز موجود تھی، وہ یہی حضور تھا۔ وہاں نہ نور تھا اور نہ ہی کسی نور میں اشیاء کا اضمحلال تھا۔ نہ وجود کی تحقیق تھی اور نہ شہود کی تدقیق اور نہ ہی دونوں حالوں میں فرق، نہ کرامت تھی نہ انکشاف، نہ تجلی اعظم کے ساتھ کسی کو اپنا ارتباط ظلی یا عینی واضح ہوا۔ نہ مراتب کو ان کا ادراک تھا۔ وہاں محض عبادت تھی۔ عبادت یا غیریت خود و فرق عابد و معبود تنزیہ ساری حالت میں کرتے تھے۔ ہاں، ہاں اللہ کی محبت کا غلبہ تھا کہ اس کے لئے جان و مال کو کوئی حیثیت نہ دیتے تھے اور ہزار جان اور ساری دنیا کے عوض رضائے الٰہی کو مقدم سمجھتے تھے، اور اس حالت کو دنیا جہاں کی سعادتوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ جنت کی طمع اور خوف اور نار غضب ان کا شعار تھا۔ (صفحہ ۴۵)

عبادت کے لئے ہی ساری ضروریات پیدا ہوئیں

حقیقت یہ ہے کہ اصل مقصود آخرت ہے۔ بندہ عبادت اور بندگی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اس کا وظیفہ حیات ہی یہ ہے کہ وہ شب و روز ایسے اعمال کرتا رہے، جس سے بندگی و عجز کا اظہار ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر اور اس کی شانِ عظمت ظاہر ہوتی رہے، بس اسی پر موت واقع ہو۔ مگر مشکل یہ ہوئی کہ جسمانی قالب خورد و نوش کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، اس کے لئے اسباب مہیا کرنا ضروری ہوا، خورد و نوش کے بعد اجابت اور شہوت وغیرہ لازم ہوئی، اس کا دفع کرنا ہوا اور اس کا انتظام واجب ہوا۔ ہمہ چشموں سے ملے بغیر یہ سامان نہیں ہو سکتا، پھر لباس وغیرہ امور کا داعیہ ہوا اس کا بہم پہنچانا ضروری ہوا۔ اب ایک عبادت کے لئے یہ ساری ضروریات پیدا ہوئی۔ اگر حساب کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وقت کا بیشتر حصہ ان چیزوں میں خرچ ہوتا ہے اور جو اصل مقصود تھا یعنی عبادت، اس کے لئے وقت ہی کم رہا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مجبوری کو دیکھ کر انہیں معذور سمجھا اور صرف پانچ وقت کی نماز مقرر کی اور اس تھوڑی عبادت کو قبول کر کے اسے شب و روز کی عبادت کا قائم مقام قرار دیا۔ اگر بندہ سمجھدار ہوا تو وہ ضرور سمجھ لے گا کہ یہ کھانا وغیرہ سب عبادت میں شامل ہے اور اگر اس خیال سے یہ سارا کام کرتا ہے تاکہ عبادت کے لئے فراغت حاصل ہو تو اس کا سارا کسب عبادت میں شامل ہو گیا (صفحہ ۶۷)

سلوک کے بعض مسائل پر فکر انگیز نکات

(۱) شریعت کا سارا علم اور طریقت کا طریقہ، یہ نور یقین کی تحصیل کے واسطے ہے۔ ان سب کا انجام و نتیجہ یہی تو ہے کہ مسلمان جن چیزوں کا سرسری طور سے علم رکھتے ہیں، وہ یقینِ حق اور یقین مثل مشاہدہ کے ہو جائے۔ طریقت کے سارے سلسلوں کی انتہا یہی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنی جان و مال اور عزت و

Marfat.com

آبرو کی جو قربانی دی تھی، وہ کیوں دی تھی اور کیا دیکھا تھا؟ انہیں فیض صحبت فخر عالم علیہ السلام سے دنیا کے فانی ہونے، آخرت کے باقی ہونے، اپنے لاشے ہونے اور اللہ کے کارساز ہونے کا یقین حاصل ہو گیا تھا۔ اسی فیضِ صحبت اور یقین پر مدار تھا۔ حضرت سیدی عبدالقادر جیلانی اور خواجہ، خواجگان معین الدین چشتی اور سید الطائفہ بہاء الدین بخاری کو ممتاز مقام کیوں حاصل ہوا؟ اسی یقین کی وجہ سے ہی حاصل ہوا تھا۔ سو عزیز! اگرچہ یہ دولت سہل ہرگز نہیں۔ جان مال سب کچھ دے کر اگر اس (یقین) سے ذرہ بھی حاصل ہو اور عمر نوح علیہ السلام خرچ کر کے اگر ذرہ ملے تو مفت، بہت سہل اور جلد ہے۔ مگر تاہم کچھ مشکل نہیں، اگر مقدر ہے۔ ورنہ کچھ نہیں۔ سید الطائفہ احمدؒ مجدد فرماتے ہیں کہ کل سات قدم ہیں، بس سات قدم تو سات ہی ہیں۔ ایک قدم بھی اگر ایک لاکھ سال میں طے ہو تو جلد ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل ہو تو ایک ساعت ہے۔ الحاصل اگر حاصل نہ ہو سکے تو نیکوکاروں کی جماعت میں تو شمار ہو جائے۔ اس نور یقین کے سامنے کشف و کرامت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وعبد ربك حتیٰ یاتیك الیقین، قوت ایمان و تقرب یقین کی نسبت اور اس کی مطابقت سے تاثیر ہوتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں قوت تاثیر، وجد، کشف اور تصرف بہت ہے، لیکن یہ نور یقین مثل کیمیا کے نادر الوجود ہے۔ اگرچہ عالم خالی نہیں۔ اشغال سب اس نور یقین کی تمہید تھے۔ لیکن اب وہ بجائے خود مقصود ہو گئے ہیں۔ اگر اپنے شرائط و ارکان کے ساتھ یہ اشغال کئے جائیں تو فرد مقدر پاتا ہے۔ نہ تو یہ نسبت معدوم و مفقود ہے اور نہ ہی اس کی تحصیل دشوار ہے۔ اگرچہ اس نسبت کے اہل افراد ہر دور میں کم رہے ہیں، اب تو اقل قلیل ہیں۔ مگر عالم خالی بھی نہیں ہے۔ چاروں سلسلوں کا مقصود یہی نسبت ہے اور اس مقصد کے لئے ہی (سالکین) گھر بار چھوڑ کر حیران و پریشان رہے ہیں۔ (صفحہ ۸۰-۸۱)

اس نسبت کا نام نسبت احسان ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصود ہی یہی تھا اور جملہ صحابہ کرام اس نسبت کے حامل تھے۔ علیٰ حسب مراتبہم اسی نسبت کو

Marfat.com

اولیائے کرام نے دوسرے طریق سے حاصل کیا۔ ہر سلسلہ نے اپنے اپنے طریق کے اشغال وضع کئے۔ سو یہ سارے اشغال اس نسبت کے لئے ہیں۔ اس کا کوئی طریق متعین نہیں۔ ہر ایک کا جداگانہ طرز ہے۔ مگر اس دور میں ترک تعلق کو (اس نسبت کے حصول کے لئے) شرط کامل ٹھہرایا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کسی بتلانے والے کی شدید ضرورت ہے کہ ہادی کے بغیر یہ اندھیری راہ کیسے طے ہو۔ (صفحہ ۸۱)

خیال میں قوت سے ذکر کی رکاوٹوں کا دور ہونا

جہاں تک ہو سکے، ذکر و فکر کرتے رہو، جب خیال میں قوت حاصل ہو گی تو کوئی چیز ذکر کی راہ میں مانع نہ ہو گی۔ ابھی ذکر میں پختگی نہیں ہوئی۔ یہ کام جلدی کا نہیں، بتدریج ہوتا ہے۔ ذکر کا کام کامل اس وقت ہوتا ہے، جب فرد جملہ امور چھوڑ کر دن رات اس میں مشغول ہو جائے۔ جیسا بزرگوں نے ساری چیزیں ترک کر کے خلوت اختیار کی، جو افراد دنیا کے معاملات میں مشغول ہیں، کبھی صبح اور شام ذکر بھی کر لیا تو ایسے افراد کو بہت دیر میں مشق (اور پختگی) ہوتی ہے۔ (صفحہ ۸۰)

معاصی سے نفرت اور اطاعت سے رغبت کا پیدا ہونا

سارے سلوک کا مقصد یہ ہے کہ معاصی سے نفرت ہو جائے اور اطاعت کی رغبت ہو جائے۔ حالات تڑپ و بے قراری کے، یہ مقصود نہیں، بندہ بندگی کے لئے پیدا ہوا ہے، نہ کہ بے قراری کے لئے۔ جب بندگی کا مقصد حاصل ہوا تو اصل مقصد حاصل ہو گیا (کیفیات وغیرہ) یہ سب تمہید تھی۔ نہ مقصد راہ تھا نہ درگاہ۔ (صفحہ ۹۴)

سالک کے لئے نسبت کے حصول کی علامتوں کی نشاندہی

غیر کا از خود خیال کرنا اچھا نہیں، غیر کا از خود خیال آنا یہ بھی بہتر نہیں، اگرچہ

Marfat.com

اس طرح کے خیال کا مواخذہ نہیں، جب مراقبہ کی حالت آجاتی ہے، ذکر خفی ہویا جلی، اس پر طبیعت جمتی نہیں۔ البتہ جب مراقبہ خوب قائم ہو جاتا ہے، ذکر لسانی ہویا قلبی، جلی ہویا خفی یکساں حالت میں ہو جاتا ہے اور یہ حالت کہ سالک اپنے آپ کو سالک حقیقی کے روبرو محسوس کرنے لگے اور اس پر شرم وحیاء طاری ہو جائے، اسے حضور اور یادداشت کہتے ہیں۔ اسے شرعی اصطلاح میں "احسان" کہتے ہیں اور یہی وہ نسبت ہے جو معتبر ہے اور مسلسل (سلف میں) چلی آرہی ہے۔ جب اس کا خوب ملکہ حاصل ہو جائے تو اس طرح کا سالک تلقین کی اجازت کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کا نام قلبی ذکر ہے اور اس سے پہلے کے حالات وہ سب اس کے مقدمات ہیں۔

اب خطرات بھی رفع ہو جائیں گے، اگر خطرات دفع نہ ہوں اور یہ نسبت قائم ہو گئی تو خطرات سے (نقصان کا) کچھ اندیشہ نہیں، خطرات کسی فرد بشر کے رفع نہیں ہوتے، البتہ تفرقہ بُرا ہے کہ خطرات کا ایسا ہجوم واقع ہو کہ اصل نسبت میں خلل ڈال دے اور سالک ان ہی میں مصروف ہو جائے، اس طرح کی صورتحال میں اس نسبت میں زیادہ مشغول ہونا اور مراقبہ معیت کرنا ہی زیادہ بہتر ہے اور یہ خطرات کا علاج ہے۔ (صفحہ ۹۵)

رضائے قلب مؤمن، عبادت میں شامل ہے

کثرت کلام میں اگر رضائے قلب مؤمن ہو تو وہ بھی عبادت ہے اور وہ حسن اخلاق میں داخل ہے کوئی امر خواہش نفس سے نہ ہو بلکہ بامر مالک و قاعدہ شرع ہو تو ایسی عادت بھی خود عبادت ہو جاتی ہے شریعت فرض اور مقصد اصلی ہے طریقت بھی شریعۃ باطنی ہے اور حقیقۃ و معرفت متمم شریعۃ ہیں۔ شریعت کا اتباع مال کے ساتھ بغیر معرفت نہیں ہو سکتا اور شغل تدریس بنظر رفاہ مسلمین اعلیٰ عبادت شان انبیاء علیہم السلام ہے آپ کے لئے شغل تلاوت قرآن شریف واذکار ماثورہ ونوافل کے علاوہ کوئی ضرورت نہیں، یہی موجب ترقی اور باعث ازدیاد یقین ہوں گے۔ (صفحہ ۳۴)

Marfat.com

ایک بار سبحان اللہ کہنا کثیر دولت سے افضل ہے

جس شخص کو ثواب آخرت کی رغبت ہے، اس کی تو حالت یہ ہے کہ وہ ایک بار سبحان اللہ کہنے کے عوض کروڑ روپیہ کو ترک کرتا ہے اور اسے تنگیٔ معاش کی فکر دامنگیر نہیں ہوتی۔ (صفحہ ٦٦)

فرصت کا میسر نہ آنا

ذکر کے لئے فرصت کا انتظار ہر گز درست نہیں۔ کیونکہ انسان ہر گز فارغ نہیں ہو سکتا۔ روزگار کی مصروفیت، بچوں کی تربیت اور ضروریات کی فراہمی میں فرد ہر وقت پریشان ہے۔ زندگی بھر فرصت نہیں ملے گی۔ جب شیطان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ فرد فرصت کے خیال میں ہے تو وہ ہر گز فرصت نہ لینے دے گا اور عدم فرصت کے خیال کو راسخ کرے گا۔ یہ فی الواقع شیطان کا دھوکہ ہے۔ لہذا عاقل انسان پر واجب ہے کہ وہ ذکر و فکر آخرت کو کسی حال میں کمزور نہ ہونے دے۔ (صفحہ ۷۸)

جوہر زندگی کو برباد کرنے کے نتائج

پس آدمی آخرۃ کے واسطے پیدا ہوا ہے نہ دنیا کے لئے۔ بس انسان کو دنیا میں حق تعالیٰ نے امتحان کے لئے بھیجا ہے قرآن میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ سو جس نے دنیا میں آکر اچھے کام کئے، خدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق عمل کیا تو امتحان میں پورا ہوا، دنیا میں بھی نیک نام اور مرنے کے بعد بھی اجرت اور انعام پاکر شاد کام ہوگا اور ہمیشہ ابدا الآباد راحت سے رہے گا اور جس نے غفلت میں عمر گذاری اور خلاف امر حق تعالیٰ کے لئے کام کئے خصوصاً اللہ کے بندوں پر ظلم کیا وہ دنیا میں بھی بدنام اور مرنے کے بعد امتحان میں ناکام اور مبتلائے بدانجام ہوگا۔ سو کسی عاقل کا کام نہیں کہ پچاس سال کی زندگی کو جو آخرت کی نسبت ایک لمحہ کے قدر بھی نہیں، نفس و شیطان کی ترغیب سے

Marfat.com

راحت و عشرت میں گذار کر اس کے عوض کروڑوں سال آگ کا عذاب گوارا کرے۔

اس کی مثال ایسی سمجھو کہ ایک شخص اپنے گھر سے ایک جوہر بے بہا لے کر کہ جسکی قیمت کے سامنے اشرفیاں نہ ہوں سکیں، لیکر تجارت کے واسطے نکلا کہ اس سے زیادہ کمائے۔ مگر جب وہ بازار میں گیا تو بد معاشوں اور دغابازوں کے فریب میں آکر غافل ہو کر اس جوہر کو بھی برباد کیا۔ تجارت تو کیا کرتا، دو چار گھڑی بد معاشوں کے ساتھ مل کر لذتوں میں مصروف ہوا اور دو چار گھڑی کے بعد وہ ان بد معاشوں سے جدا ہو گیا اور تہی دست گھر لوٹ کر آیا تو گھر والوں نے اس جوہر بے بہا کا مطالبہ کیا اور نفع مانگا مگر چونکہ وہ خود جوہر کو بھی برباد کر چکا تھا نفع تو کیا حاصل ہوتا تو سوائے اسکے کہ گھر والے اسے مار مار کر ذلیل کریں اور ہر قسم کا عذاب دیں۔ اور اس کی کوئی تدبیر سوائے پریشانی اور ندامت کے نہ کر سکے اور کیا حاصل ہوگا، پس بندہ کا حال یہی ہے کہ آخرت جو پہلا اور پچھلا گھر ہے اور وہیں لوٹ کر ہمیشہ رہنا ہے اور وہ جوہر ایمان اور نعمت بندگی لیکر دنیا میں آیا ہے اگر اس نے یہاں آکر مولیٰ کی مرضی کے مطابق کام کئے تو یہ جوہر بے بہا بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخرت میں شاہان شاہ بنا دیتا ہے اور اگر خلاف امر کیا تو جوہر کو برباد کیا اور باغی، مخالف نافرمان اور غافل ہو کر عذاب آخرت میں مبتلا ہو گیا (صفحہ ۹۲)

Marfat.com

مولانا محمد اشرف علی تھانوی

سالکین کی رہنمائی

ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہنا اور مقصود کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرنا

فرمایا، ذکر کے وقت فرد کو ثمرات کا منتظر نہ ہونا چاہیئے۔ نہ کوئی کیفیت اور حالت اپنے ذہن میں تجویز کرنی چاہیئے۔ بلکہ اپنی تجویز اور رائے کو مطلق دخل نہ دینا چاہیئے۔ سارے احوال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے۔ پھر اس کے حق میں جو بہتر ہوگا اور اس کی استعداد کے مناسب ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے عطا کیا جائے گا۔

ذکر کے وقت کرنے کا جو کام ہے وہ یہ ہے کہ: ذکر کی طرف معتدل توجہ ہو یا اگر آسانی سے ہو سکے تو اللہ کی طرف توجہ ہو، معتدل کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ توجہ میں زیادہ مبالغہ کرنے سے قلب اور دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے پھر ضروری توجہ دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور بات بھی ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ طبیعت میں ثمرات کا تقاضا پیدا نہ ہونے دیا جائے۔ کیونکہ اس سے تشویش پیدا ہوتی ہے اور معاملہ مایوسی تک پہنچ جاتا ہے۔ (حالانکہ اس طریق میں نفع کا سارا انحصار جمعیت اور وحدت خیال پر ہی ہے) مجھے خود اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ میری طبیعت میں فطری طور پر عجلت کا تقاضا غالب رہا اور اسی تقاضا اور عجلت کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ خودکشی تک کے وساوس آنے لگے تھے۔ بس ہر وقت طبیعت میں یہی تقاضا رہتا تھا کہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے، جلد حاصل ہو جائے، دیر کیوں ہو رہی ہے۔ (اشرف السوانح)

Marfat.com

اللہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے مناسبت نہ ہونا

ایک طالب نے لکھا کہ میری عجیب کیفیت ہے، ہر وقت جی چاہتا ہے کہ بس اللہ اللہ کرتا رہوں، سوائے ذکر اسم ذات کے، کسی چیز میں جی نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ درس حدیث و تلاوت قرآن کے لئے بھی دل آمادہ نہیں۔ جواب میں فرمایا: ابتدا میں ایسا ہوتا ہے۔ جس طرح بچے کو ہر وقت دودھ ہی مرغوب ہوتا ہے۔ اس سلسلے کے دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا، ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور بعض کو انتہا میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ذکر میں ایک طرح کی بساطت ہے اور قرآن و حدیث میں ایک طرح کی ترکیب ہے، اور بساطت یکسوئی سے زیادہ قریب ہے اور ترکیب بوجہ اختلاف اجزاء تشویش سے قریب ہے۔

عُجب سے حفاظت کی تدابیر

ایک طالب نے عجب (تکبر کی ایک قسم) کی چند مثالیں لکھ کر علاج پوچھا، فرمایا اگر استحضار نعم کے ساتھ اس بات کا بھی استحضار کیا جائے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں، بلکہ اللہ کا عطیہ ہیں، وہ اگر چاہیں تو ابھی سلب کرلیں، یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرمائی ہیں اور دوسروں کے بارے میں اس بات کا استحضار کیا جائے کہ اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہیں، لیکن ممکن ہے ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں، جن کا ہمیں علم نہ ہو اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا رتبہ بہت زیادہ ہو، ان دونوں قسم کے استحضار کے بعد جو سرور رہ جائے گا، وہ عجب میں شامل نہ ہوگا۔ یا تو طبعی خوشی ہوگی جو مذموم نہیں۔

غیبت سے بچنے کی تدابیر

ایک طالب کے استفسار پر غیبت کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ (۱) غیبت کے وقت سزا کا استحضار کرنا۔ (۲) گفتگو سے پہلے غور و فکر سے کام لینا (۳) غیبت کے بعد متعلقہ

Marfat.com

فرد سے معافی طلب کرنا (۴) اپنے اوپر نقد یا نوافل کی صورت میں جرمانہ عائد کرنا۔

خالق کے ساتھ استحکام تعلق سے پہلے مخلوق کے ساتھ تعلق کا ہونا

ایک صاحبِ اجازت شخصیت کے جواب میں تحریر فرمایا: جب تک اللہ کے ساتھ نسبت کا تعلق مضبوط اور راسخ نہ ہو، اس وقت تک خلق کے ساتھ بلا ضرورت تعلق رکھنا سراسر نقصان دہ ہے۔ اس تعلق کے بارے میں جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ خلق خدا کے حقوق کی ادائیگی ہو تو حقوق کی یہ ادائیگی بھی اسی وقت ممکن ہے، جب خالق کے ساتھ تعلق مستحکم ہوگا، دوسری صورت میں نہ تو خالق کے حقوق ادا ہوتے ہیں، نہ مخلوق کے، یہ ایک نہیں، ہزاروں اہل بصیرت کا تجربہ ہے۔ چنانچہ ہم سے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں، حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت شاہ شجاع کرمانی کے واقعات تو معلوم ہیں، اور خلفائے راشدین پر اپنے آپ کو قیاس نہ کیا جائے۔

جب بخشش رحمت پر منحصر ہے تو ذکر میں مجاہدوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ایک طالب نے لکھا، نماز اور ذکر سے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہتا ہے کہ اتنی محنت بے کار ہے، میں بزرگ تو ہو نہیں سکتا، جہاں تک احکام کا تعلق ہے تو ان کی پابندی کی جائے تو اس کے لئے آخر زیادہ مجاہدوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ بخشش تو رحمت پر منحصر ہے؟ جواب تحریر فرمایا کہ اس کا ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ یہ مالک کا مملوک پر حق ہے اور مغفرت مستقل تبرع وعنایت ہے۔

نعمتوں کے حصول کی خواہش کا ہونا

ایک طالب نے لکھا کہ دین و دنیا کی نعمتوں کے بارے میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو چیز بھی حاصل ہو، وہ اعلیٰ درجہ کی ہو اور ہر فن میں مہارت میں بلند پایہ حاصل

Marfat.com

ہو۔ جواب میں تحریر فرمایا: جس دنیوی چیز کی تمنا اور حرص ہو، اس کے فنا کا استحضار کرنا، تاکہ اس کی وقعت واہمیت ختم ہو جائے۔ اگر وہ چیز دینی اعتبار سے نقصان دہ ہے تو اس کے نتیجہ بد یعنی اس کی سزا کا استحضار بھی ضروری ہے، اس مراقبہ کے بار بار کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائیگی اور اگر وہ دینی معاملہ ہے تو اس کی تمنا کرنا مستحسن ہے۔ اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جن دوسرے افراد کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے، ان سے اس نعمت کے سلب ہونے کی آرزو نہ ہو، اس طرح کی آرزو حسد بھی ہے اور وہ حرام میں شامل ہے۔

نیکی کے کام پر ریا کا گمان ہونا

ایک طالب نے لکھا، جب دینی کتاب سے کوئی بات پڑھ کر لوگوں کو سناتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ریا میں شامل ہے، اس لئے کہ میرے اپنے اعمال تو اس کے خلاف ہیں اور وعظ گوئی کا یہ کام میرے منصب کے خلاف ہے۔ جواب تحریر فرمایا: ریا ہر خیال کا نام نہیں، بلکہ جس قصد کی بنیاد لوگوں کی رضامندی بذریعہ دین ہو، یہ ریا ہے اور یہ اختیاری چیز ہے جب اس امر کا قصد نہ ہو تو وہ ریا میں شامل نہیں، اگرچہ اس پر ریا کا وہم ہوتا ہے، ریا کا وہم وسوسہ ریا ہے، جس پر مواخذہ نہیں، اس طرح کے وہم کی وجہ سے صالح عمل کو ترک نہ کرنا چاہئے۔

بدگمانی کا مرض اور اس کا علاج

ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کے علاج کے بارے میں فرمایا: جب بدگمانی دل میں آنے لگے تو علیحدہ بیٹھ کر یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے، اس طرح یہ تو گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا۔ یہ سوچ کر توبہ کرنا چاہئے اور دعا بھی کرنا چاہئے کہ یا اللہ، تو میرے دل کو صاف کردے اور جس شخص کے بارے میں بدگمانی ہوئی ہے، اس کے بارے میں بھی دعا کرے کہ یا اللہ ان کو دین و دنیا کی سعادتیں عطا فرما، دن رات میں

Marfat.com

تین بار ایسا کرنا چاہئے، اگر اثر رہے تو تین دن تک مسلسل یہ عمل کرے، اگر اس کے باوجود بد گمانی موجود رہے تو پھر متعلقہ شخص سے مل کر اسے صورتحال سے واقف کرے اور اس سے معافی طلب کرنے اور اس سے کہے کہ میرے لئے دعا کرو بد گمانی دور ہو جائے۔

نماز میں یکسوئی کی تدبیر

نماز میں یکسوئی کے سلسلے میں یہ تدبیر فرمائی کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت یہ خیال نہ کرے کہ رکوع میں جانا ہے، ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود سمجھا جائے اور اسی طرف متوجہ ہوا جائے، اس طرح سے نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ایسی یکسوئی ذکر میں بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے، مگر اس میں ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے کہ کوئی آکر اس یکسوئی میں خلل ڈال سکتا ہے۔ یا خود ہی ذکر ترک کر کے فرد کام میں لگ سکتا ہے۔ نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص خلل نہیں ڈال سکتا اور نہ ہی خود کوئی دوسرا کام کر سکتا ہے۔

مشاہدہ، مجاہدہ اور قبض کی حقیقت

ایک طالب نے اپنی سخت ناکارگی کے احساسات پر مشتمل خط لکھا، اس کے جواب میں فرمایا: مقصود تو یہ ہے کہ مقصود کا مشاہدہ ہو۔ اور اس کا راستہ مجاہدہ ہے۔ مگر جب اس میں کمی واقع ہو جائے تو اس مشاہدہ مقصود کا مقدمہ یہ ہے کہ عدم مجاہدہ کا مشاہدہ کیا جائے، جس سے انشاء اللہ مجاہدہ کی توفیق حاصل ہو جائیگی پھر اس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوگا، جو خود مقصود ہے۔ یہی ترتیب ہے، جس سے انشاء اللہ مقصود تک تدریجاً اور بخیر خوبی رسائی ہوگی۔ اصل چیز کام میں لگا تار رہنا ہے۔ اگر کام میں کوتاہی واقع ہو جائے تو نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہئے۔

Marfat.com

تکبر کی نوعیت

ایک طالب نے لکھا: جب کسی شخص میں فی الواقع خداداد فضیلتیں موجود ہوں تو اب ان فضیلتوں کو اپنے میں معدوم سمجھ کر کس طرح اپنے آپ کو دوسروں سے ادنیٰ اور حقیر سمجھا جائے، جواب میں تحریر فرمایا: اکمل سمجھنا جائز ہے۔ مگر افضل بمعنیٰ مقبول حق سمجھنا اور دوسروں کو مردود سمجھنا جائز نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے شخص کا کوئی ایک ہی صالح عمل ایسا ہو، جو اس کے سارے اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہو، جب کہ تمہارے اندر ایک ہی خرابی موجود ہو، جو دوسرے کی ساری خرابیوں سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ یا اگر اس وقت موجود نہ ہو وہ جلد ظاہر ہو، پس اس چیز کا استحضار کبر کے علاج کے لئے کافی ہے۔ انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں۔

نماز میں خشوع و خضوع کا فقدان

ایک طالب نے نماز میں خشوع و خضوع کے سلسلے میں مشکلات لکھیں، اس کے جواب میں تحریر فرمایا: جس طرح طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے، اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی طبیعت میں تنگی (اور رد عمل) پیدا ہونے لگتا ہے۔ بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے، جتنی ایک فرد کو جیسے ایک سورت پکی یاد ہو، وہ اسے سرسری طور پر سو بار پڑھتا ہے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں، اگر اس کے باوجود وسوسے آئیں تو مضر نہیں۔

تکبر کے مختلف اجزا کی تفصیل

تکبر کے سلسلے میں ایک طالب کے تفصیلی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:
تکبر کا حاصل یہ ہے کہ دنیوی یا دینی کمال کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا جائے اور دوسروں کو حقیر گردانا جائے، اس طرح تکبر کے دو جزو ہوئے، ایک اپنی بڑائی کا احساس، دوم دوسروں کی تحقیر۔ بڑائی اگر کسی چیز میں مہارت یا کمال کی وجہ سے

Marfat.com

دوسروں کی تحقیر کا احساس موجود نہ ہو، تو یہ چیز تکبر نہیں۔ اس کی مثال، بیس برس کے اس شخص کی سی ہے جو دو برس کی عمر کے بچے کو اپنے سے چھوٹا سمجھے، یا درس نظامی کی آخری کتابیں پڑھنے والا طالب علم نحو درجہ میں پڑھنے والے طالب علم کو تعلیم میں اپنے آپ سے پسماندہ سمجھے، یا ایک مالدار فرد ایک مسکین کو اپنے آپ سے مال میں کم تر سمجھے۔ (لیکن حقیر نہ سمجھے) یہ ساری صورتیں ایسی ہیں، جن میں کبر شامل نہیں۔

کبر کا علاج ایک خاص مراقبہ ہے، جس کی کبر کے احساس کے وقت تجدید و تکرار کی جائے۔ مراقبہ یہ ہے (ا) اگر میرے اندر کمال موجود ہے تو یہ کمال میرا اپنا ذاتی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔ (ب) اللہ کی طرف سے یہ عطا میرے کسی استحقاق کا نتیجہ نہیں، بلکہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔ (ج) اس کمال کے عطا کے بعد بھی اس کی بقا میرے اختیار میں نہیں، بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں، سلب کر سکتے ہیں۔ (د) اگرچہ دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال موجود نہیں، مگر ممکن ہے میرے کمال سے زیادہ اسے یہ کمال اس طرح حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں۔ (ہ) اگر دوسرے شخص میں فی الحال ہی نہ ہو، جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال موجود ہو جو مجھ سے مخفی ہو یا دوسروں پر ظاہر ہو یا سب سے مخفی ہو اور حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہو، جس کی وجہ سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہے۔ اگر دوسرے کے کمال کو تسلیم کرنے کے لئے ذہن تیار نہ ہو تو پھر ذہن میں یہ تصور جمانے کی کوشش کی جائے کہ شاید علم الٰہی میں دوسرا شخص مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو دوسرا شخص مجھ سے زیادہ مقبول ہو، ایسی صورت میں مجھے کیا حق حاصل ہے کہ میں اسے حقیر سمجھوں۔ (و) یہ خیال کیا جائے کہ اگر بالفرض ان سارے امور میں دوسرا شخص تہی دست ہے تو کامل پر ناقص کے حقوق تو ہوتے ہی ہیں، جیسے مریض کے صحتمند پر حقوق، قوی پر ضعیف کے حقوق، غنی پر فقیر کے حقوق وغیرہ، اس استحضار سے ناقص کے ساتھ رویے میں تبدیلی آ گئی

Marfat.com

اور اس کی تکمیل کے لئے دعا اور سعی کی خواہش پیدا ہو گی۔ (ر) اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ کبھی کبھار لطف و اخلاق کے ساتھ گفتگو ہی کی جائے اور خیر و عافیت ہی معلوم کی جائے۔ اس سے طرفین میں تعلق پیدا ہو گا اور اس تعلق کے بعد تحقیر کا احساس معدوم ہو جائے گا۔ (طویل مکتوب کا خلاصہ)۔

انتقام لینے کا جذبہ اور اس کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ مجھے یہ مرض لاحق ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے نقصان پہنچاتا ہے تو مجھے اس وقت تک چین نہیں آتا، جب تک میں اس سے انتقام نہ لوں، جواب میں تحریر فرمایا: چین کا نہ آنا، معصیت نہیں، البتہ تکلیف (اور اضطراری کیفیت) ہے، جسے برداشت کرنا مجاہدہ ہے اور اجر کا موجب ہے۔ اسی طرح چین کا نہ آنا، مضر نہ ہوا، بلکہ نافع ہوا۔ باقی تکلیف کا علاج یہ ہے کہ چند روز تک تحمل کرنے سے یہ عادت پختہ ہو جائیگی پھر اس درجہ تکلیف نہ ہو گی۔

احباب و اقارب سے تعلقات میں کمی کا مسئلہ

ایک طالب نے لکھا: احباب و اقارب سے تعلقات و محبت جیسی پہلے تھی، اب ویسی نہیں، اس پر افسوس ظاہر کیا جواب میں لکھا کہ یہ حالت ٹھیک ہے، یہ سنت بجائے خود، مقصود نہیں، بلکہ مقصود حقوق کی ادائیگی ہے، جو تمہیں حاصل ہے، بعض طبائع ایسی ہیں کہ اس سنت کا اہتمام کریں تو ان سے سرے سے فرض ہی فوت ہو جائے۔ یعنی اللہ سے تعلق (میں کمی واقع ہو جائے) اس لئے ان کے حق میں یہی انفع و اصلح ہے۔

نفس کی تذلیل کا مسئلہ

ایک طالب نے لکھا: میں اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا، لیکن اس کے باوجود نفس اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو، دل چاہتا ہے کہ بے شک عزت

Marfat.com

نہ ہو اور کوئی بڑا نہ سمجھے۔ لیکن کوئی ایسی بات نہ کرے، جس سے ذلت ہو، میلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا: شریعت میں بھی یہی حکم ہے کہ "لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ" جب تک حال کا غلبہ نہ ہو۔ (سالک کے لئے) یہی طریق ہے۔ مگر جب سالک پر حال غالب ہو جاتا ہے تو وہ عزت کے مقابلے میں ذلت کو زیادہ عزیز سمجھنے لگتا ہے۔ مگر یہ غیر اختیاری چیز ہے، اگر یہ حاصل نہ ہو تو اس کی تمنا نہ کی جائے، اگر حاصل ہو جائے تو اس کیفیت کے ازالے کا خواہشمند نہ ہو۔

زیادہ کھانے کا مرض

ایک طالب نے لکھا، زیادہ کھانے کا مرض ایک عرصہ سے ہے، جسے دین میں سارے گناہوں کی جڑ بتایا گیا ہے۔ جواب میں تحریر فرمایا: کثرت طعام ان لوگوں کے حق میں مرض ہو جاتا تھا، جن کے قویٰ اچھے تھے، چونکہ اب طبائع ضعیف ہیں، اس لئے قلت طعام کی غرض از خود حاصل ہے۔ اب یہ مرض نہیں رہا۔ ایک دوسرے صاحب کو اس سلسلے میں لکھا کہ کم کھانا بذات خود مقصود نہیں، مقصود قوت بہیمہ کے زور کو توڑنا ہے اور اس سے بھی مقصود نفس کو گناہوں سے روکنا ہے، پس اگر یہ چیز طعام کی کمی کے بغیر حاصل ہو جائے تو تقلیل طعام ضروری نہیں۔ بلکہ چونکہ اس زمانے میں غذا کی کمی کی وجہ سے ضعف بڑھ جاتا ہے، جس سے بہت جسمانی اور نفسیاتی مضرتیں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے بلا ضرورت مناسب نہیں۔

نماز میں وسوسوں کے ازالہ کی تدابیر

ایک طالب نے لکھا، نماز میں باوجود بار بار توجہ کرنے کے وساوس کا ہجوم رہتا ہے۔ جواب میں تحریر فرمایا: بندہ اپنے اختیاری حدود ہی تک ذمہ دار ہے اور اختیار اس حد تک ہے کہ خیالات کو ارادۃً نہ لایا جائے۔ اگر بلا قصد و ارادے کے وساوس آجائیں تو

Marfat.com

انہیں دفع کیا جائے۔ دفع کرنے کی آسان صورت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی طرف توجہ کی جائے، جس کا عبادت سے تعلق ہو، اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا جائے، چاہے تصور کے درجہ میں ہو یا کسی تصدیق کے درجہ میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ دوم یہ کہ قیامت میں پیش ہونے اور حساب کتاب کے وقت کے منظر کو نظروں کے سامنے لایا جائے کہ گویا میں اللہ کے سامنے حساب کتاب کے لئے کھڑا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ مطلوبہ عبادت کا نمونہ پیش کرو، اگر عبادت کا یہ مطلوبہ نمونہ پسند ہوا تو حساب میں رعایت ہوگی۔ تیسرے یہ کہ یہ فرض کیا جائے کہ یہ گویا میری بالکل آخری نماز ہے، شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جائے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ یہ تصور کیا جائے کہ گویا خانہ کعبہ میرے سامنے ہے اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آرہی ہیں۔ نماز جتنی عمدہ ہوگی، تجلیات کا نزول اتنا زیادہ ہوگا۔ پانچویں یہ کہ زبان سے نکلنے والے الفاظ کی طرف توجہ کی جائے۔

ان تدابیر سے وہ وسوسے جو بلا اختیار آتے ہیں، وہ دفع ہو جائیں گے، شروع میں جب تک اس چیز کی مشق نہ ہوگی، کبھی کبھی یہ تصورات زائل ہوں گے اور وسوسوں کا پھر غلبہ ہوگا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ جوں ہی تنبیہ ہو، اس توجہ کی تجدید کی جائے۔ آہستہ آہستہ عبادت کی طرف توجہ میں رسوخ ہو جائے گا۔ اگر رسوخ میں دیر ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس عمل کو جاری رکھیں، کیونکہ فرد رسوخ کا ذمہ دار نہیں، عمل کا ذمہ دار ہے۔ اگر عمر بھر بھی رسوخ حاصل نہ ہو تو مقصود میں خلل نہیں، کمال عبادت اجر اور قرب میں ذرے برابر بھی کمی نہیں ہوگی۔

سالک کے لئے مجاہدہ ثانیہ کی نوعیت

ایک طالب نے لکھا، عرصہ تک نفس کے مضمحل ہونے کے بعد اب پھر نفس کی طرف سے معصیتوں کا تقاضا شدت اور جوش و ہیجان کے ساتھ ہونے لگا ہے، جس سے سخت حیران ہوں۔ جواب میں تحریر فرمایا: اکثر اہل طریقت کو یہ حالت پیش

Marfat.com

آتی رہتی ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس وقت نفس سے مقابلے کی جو صورت درپیش ہے، اسے مجاہدہ ثانیہ کہا جاتا ہے اور اس مجاہدہ کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا۔ اگر کبھی کبھار کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا ہوا تو یہ رسوخ کے منافی نہ ہوگا۔ اس تغیر و تبدل کی عالم دنیا میں ایسی مثال ہے، جیسے رات کے آخری حصہ میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے، جسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اسے دیکھ کر ناواقف فرد خوش ہوتا ہے کہ تاریکی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد دفعۃً نور زائل ہونے لگتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ہی دوسرا نور آتا ہے، جسے صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم رہتا ہے۔ بلکہ ترقی پذیر رہتا ہے۔

انہی صاحب نے لکھا کہ نفس کی مزاحمت و مخالفت کے سلسلے میں پہلے جیسی دشواری اور تنگی نہیں ہوتی۔ تحریر فرمایا: یہ اس بات کی علامت ہے کہ نفس کا نیا حملہ ضعیف ہے، ورنہ مزاحمت دشوار ہوجاتی، جیسے پہلے دشوار تھی۔

ماسوائے حق کی گرفتاری

حضرت مجدد الف ثانی کے نکتہ کی تشریح

ایک طالب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات کے حوالہ سے لکھا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق (اللہ کے سوا) دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ ماسوائے حق (اللہ کے سواء ہر چیز کو کلی طور پر فراموش کردیا جائے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہوجائے۔ حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کیا جائے تو وہ یاد نہ آئیں، یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطرہ قلب پر ناممکن ہوجائے، جب اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اپنے آپ کو اس سے کورا پاتا ہوں۔ الحمدللہ قلب میں ماسواء کا تو گذر نہیں، لیکن قلب میں غیر کا خطرہ بھی ہے اور یاد بھی ہے۔

Marfat.com

اس کے جواب میں تحریر فرمایا: اکثر صاحبان مقام پر جب کبھی حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا، ہے میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر معنیٰ وہی ہے، جو نصوص سے ماخوذ ہے۔ میں اسے آسان عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام کی قریب تفسیر ہے اور ان کی مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے۔ وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں، کیونکہ ماسوا سے ایسا تعلق جو مغلوب ہو، وہ مذموم نہیں۔ بلکہ ایسا تعلق مذموم ہے، جس کے زیر اثر قلب اس کے تصور و حسرت میں مشغول ہو جائے اور اس مشغولیت کی وجہ سے طاعات میں کمی اور ضعف آجائے، اگر ماسوا سے اس طرح کا تعلق نہیں تو محض حزن کا اثر رکاوٹ نہیں ہے۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے شدید حزن سے انکار ہو سکتا ہے۔ کیا ان کے اس حزن کو مانع عن الحق کہا جا سکتا ہے۔

حب جاہ کا علاج

ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حب جاہ ہے، جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں کریں، تعریف سے فرحت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اگر کوئی تنقید کرتا ہے یا تعریف نہیں کرتا تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گذرتا ہے۔

جواب میں تحریر فرمایا: ہر علاج میں مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے یعنی نفس کے تقاضا اور اس کے گناہ کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت، اس مرض کا علاج بھی انہی دو اجزاء سے مرکب ہے۔ اول حب جاہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں، ذہن میں ان کو تازہ کرنا، بلکہ زبان سے بھی ان کا تکرار کرنا، یہی نہیں بلکہ نفس کو زبان سے مخاطب کر کے کہنا کہ تجھے اس طرح کی سزاؤں کا خطرہ درپیش ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو تمہارے ان کرتوتوں کی اطلاع ہو جائے تو کتنا ذلیل و حقیر سمجھیں، یہی غنیمت سمجھنا چاہئے کہ لوگ نفرت و تحقیر نہیں کرتے۔ عملی جزو یہ ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دیا جائے اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جائے، سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں، اس کے ساتھ ہی جو لوگ

Marfat.com

ذلیل وحقیر شمار کیے جاتے ہیں، ان کی تعظیم کی جائے، اگرچہ نفس کو گراں گذرے۔

حسد کا علاج

ایک طالب کی درخواست پر حسد کا یہ علاج فرمایا کہ جس کے ساتھ حسد ہو، مجمع میں اس کی تعریف کی جائے وہ سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کی جائے اور اس کے لئے کبھی کبھار ہدیہ بھیجا جائے۔

زہد

ایک طالب نے زہد کی ماہیت کے حصول کا طریقہ دریافت کیا تھا تحریر فرمایا: دنیا کی رغبت میں کمی کا ہونا، اس کی ماہیت ہے۔ اس کے حصول کا طریقہ دنیا کے فانی ہونے کا مراقبہ کرنا اور غیر ضروری امور کی تحصیل میں انہماک نہ کرنا اور زاہدین کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے حالات کا مطالعہ کرنا۔

سالک کی نشاط کے لئے انوار کا نزول

ایک طالب نے لکھا، ایک رات کو ذکر دوازدہ تسبیح میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری مسجد روشن ہوگئی ہے، آنکھ کھول کر دیکھا تو بھی مسجد روشن معلوم ہوئی۔ جواب میں تحریر فرمایا: ایسے احوال اس مصلحت کی وجہ سے بھی پیش آتے رہتے ہیں کہ سالک کو نشاط حاصل ہو اور اس کے لئے سلوک میں مشغولی سہل ہو۔

سالک پر مختلف انوارات کے اثرات

ایک طالب نے لکھا: پہلے اللہ تعالیٰ سے خوف کم اور رجا کی امید قوی تھی، اب اس کا عکس ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا: اس کا سبب معرفت میں ترقی وزیادتی ہے۔ مگر حق تعالیٰ کے کمالات غیر محدود و غیر متناہی ہیں، لہٰذا انس وہیبت میں تعاقب ہوتا رہتا ہے، کبھی ایسی تجلی وارد ہوتی ہے، جس سے طبیعت میں انس پیدا ہوتا ہے، اس کے

Marfat.com

بعد ایسی تجلی نمودار ہوتی ہے جس سے ہیبت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ پھر ایسی تجلی ظاہر ہوتی ہے، جس سے انس ہوتا ہے۔ مگر پہلی تجلی انسی سے اس میں فرق ہوتا ہے، چاہے یہ فرق لطیف ہو۔ اسی طرح ہیبت کی دوسری تجلی میں بھی پہلی تجلی سے فرق ہوتا ہے۔ اس طرح ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور مخلوق کے کمالات محدود و متناہی میں معرفت پیدا ہوتے ہوتے ان کا احاطہ ہو جاتا ہے اور احاطہ کا خاصہ ہے اعتبار اور اعتبار کا خاصہ ہے ہیبت کی کمی۔

۲۔ مصروفیت کے وقت ذکر قلبی کا نہ ہونا

ایک طالب نے لکھا کہ ذکر لسانی پہلے سے کم اور قلبی ذکر پہلے سے زیادہ ہوتا رہا ہے۔ ذکر قلبی اکثر اوقات بہ آسانی جاری رہتا ہے۔ مشغول کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے۔ لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہو جاتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ ایسے وقت بھی بے تکلیف جاری رہ سکے، جواب میں تحریر فرمایا: دماغی مصروفیت کی صورت میں ذکر قلبی جاری نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ بیک وقت دو طرف توجہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس جاری نہ رہنے سے کچھ ضرر نہیں۔

Marfat.com

سالکانِ راہ طریقت کا سفر

اصطلاحاتِ تصوف کی روشنی میں

(ماخوذ حضرت سید محمد ذوقیؒ کی کتاب سِرِ دلبراں)

عالم کا ایک نظر میں نیست اور دوسری نظر میں ہست ہو جانا

تصوف کی شاعری میں لفظِ چشم سے کبھی بصارتِ ازلیہ کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ کبھی شہودِ حق حسبِ استعداد سالک کی جانب اور کبھی نظر حق تعالیٰ اور اس نظر کے اثرات کی جانب۔ دلبر کی چشمِ شوخ کا ایک اثر یہ ہے کہ عشاق کے دلوں میں بُعد و فراق و پندارِ خودی سے بیماری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ کبھی خمارِ غم سے جسم ٹوٹتا ہے۔ کبھی محبوب کی نظر کو اپنی جانب ملتفت پا کر ایک مستی پیدا ہوتی ہے۔ لوازمِ چشم سے استغناء اور بے التفاتی بھی ہے جو عالم کو ایک نظر میں ہستی سے نیستی کی جانب بہادیتی ہے اور تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔ باوجود اس کمالِ استغناء کے چشمِ مست اور چشمِ شوخ اور چشمِ بے باک ہی کی عشاق نوازیاں ہیں جو عشاقِ دل سوختہ کو مشاہدۂ جمال سے نوازتی ہیں اور جسم و جان میں تروتازہ روح ڈال دیتی ہیں۔ اور ان میں قبولیتِ فیضان کی استعداد پیدا کر دیتی ہیں۔ گویا چشمِ محبوب کی ان متضاد خاصیتوں یعنی استغناء و بے التفاتی اور شوخی و بے باکی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عالم ایک نظر میں نیست اور دوسری نظر میں ہست ہو جاتا ہے۔ ایک نظر میں فنا ہو جاتا ہے اور دوسری نظر میں فیضان وجود سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ ایک نگاہ میں مر جاتا ہے دوسری نگاہ میں از سرِ نو زندہ ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۱)

سالک کے خون کا ہر وقت جوش میں رہنا

آنکھوں کی بے شمار اداؤں میں سے ایک ادائے خاص ہے جسے غمزۂ چشم کہتے

ہیں۔ غمزۂ اندازِ چشم خاص کے ساتھ آنکھوں کے کھولنے اور بند کرنے کو کہتے ہیں جس طرح غمزۂ چشم میں دو حرکتیں متضاد ہیں، اسی طرح ان کے اثرات بھی متضاد ہیں۔ چشم کا بند کرنا عدمِ التفات ہے اور کھولنا دلسوزی۔ ان دونوں کی ترکیب سے جو حالت پیدا ہوتی ہے، اس کا نتیجہ خوف ورجاء کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان غمزوں سے دلِ عشاق کی گرفتاری کے لئے دام بچھایا جاتا ہے اور دانے پھیلائے جاتے ہیں۔ التفات وعدمِ التفات اور دلنوازی واستغناء کے تواتر سے ایک چکر رہتا ہے، جو خون کو ہر وقت جوش میں لاتا رہتا ہے۔ غمزہ میں ظہور و خفاء دونوں کنائے ہیں۔ دل میں کبھی ظہورِ محبوب کا سرور اور کبھی اس کے خفاء کا خمار ہوتا ہے۔ ایک ہی غمزہ سے جہان کو مستی کی بے ہوشی میں لاکر نیستی کی تاریک گمنامی میں اتار دیا جاتا ہے۔ اس غمزۂ خاص کو نیم نگہی بھی کہتے ہیں۔ نیم نگہی ایک کرشمہ ہے، تجلی جلال کا، جس سے حشر برپا ہوجاتا ہے اور تفرقہ وکثرت کی جانب سے عالم سمٹ کر وحدت کی جانب آجاتا ہے اور موجودِ حقیقی کے ماسوئی جو کچھ ہے فنا ہوجاتا ہے اور سارا کھیل مٹی میں مل جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

"حال" میں حالات میں تغیر ہونا اور مقام میں استقامت کا حاصل ہونا

حال ومقام :- حق تعالیٰ کی جانب سے جو واردات سالک کے دل پر مثل قبض و بسط یا حزن وطرب یا ہیبت وانس یا مستی وبے خودی یا ازقسامِ دیگر اچانک وارد ہوں، حال ہے۔ سالک کی بے عملی اور بے التفاقی سے حال زائل ہوجاتا ہے۔ جب حال دائمی ہوجاتا ہے اور سالک کا ملکہ راسخہ بن جاتا ہے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ (صفحہ ۱۳۴)

حجابات ظلمانی اور حجابات نورانیہ سے غلو خلاصی حاصل کرنا

حجاب :- ہر وہ چیز جو بندہ کو حق تعالیٰ سے محتجب کردے۔ موسوئی اور خیالات ماسوئی۔ سب سے بڑا حجاب حجابِ خودی ہے۔

حجاب چہرۂ جاں می شود غبارِ تنت
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

سالک کو سب سے پہلے حجاباتِ ظلماتی کو دفع کرنا پڑتا ہے۔ یہ حجابات گناہ اور لذاتِ طبیعی ہیں۔ انہیں حجاباتِ ناسوتی بھی کہتے ہیں۔

پھر اسے حجاباتِ نورانی کو رفع کرنا پڑتا ہے، جو علوم رسمی اور عبادات عادتی اور انوارِ ملکوتی ہیں۔ انہیں حجاباتِ ملکوتی بھی کہتے ہیں اور ان کا اٹھانا حجاباتِ ظلماتی سے زیادہ مشکل ہے، کیونکہ حجاباتِ نورانی لذت میں حجاباتِ ظلماتی سے بڑھے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد حجاباتِ کیفی کا پردہ چاک کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہے۔ حجاباتِ کیفی سے تجاوز کئے بغیر ذاتِ بے کیف تک رسائی محال ہے۔ (صفحہ ۱۴۱)

تقویٰ کی توضیح۔ بندگانِ نیک کے قلوب میں تقویٰ کا نزول

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام الخرقۃ ہے اس میں سے مندرجہ ذیل اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

"یہ ہے جو کہ اللہ العلی الحکیم کی جانب سے اس کے رسول کریم پر نازل ہوا بیچ کتاب نازل شدہ کے جو کہ قرآن العظیم ہے:-

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سواتکم و ریشاً و لباس التقوی ذالك خیر (الاعراف-۳)

اے فرزندان آدم تحقیق نازل فرمایا ہم نے اوپر تمہارے لباس کہ ڈھانکتا ہے شرمگاہ تمہاری کو اور نازل فرمایا جامہ ہائے زینت کو اور لباس پرہیزگاری سب (لباسوں) سے بہتر ہے۔

پس لباسِ ظاہری میں وہ مقدار ضروری ہے جو کہ شرمگاہ کو ڈھانکے اور وہ لباسِ تقویٰ ہے جو باعث ہے محافظت کا۔ اور مراد ریش سے وہ لباس ہے جو کہ اس پر زیادہ ہو اور جو سبب بنے اس زینت کا جو کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے خزانہ ہائے غیب سے مرحمت فرمائی ہے۔ اس کو خالص مومنین کیلئے واسطے دنیا اور آخرت کے رکھا ہے۔ پس اس کا حساب نہ لیا جاوے گا۔ لیکن جبکہ یہ لباس اس نیت سے نہ پہنا جائے اور اس سے بدنوں کو زینت دے کر حضورِ قلب سے نکل آوے اور اترانا اور فخر کرنا اور کبر

اختیار کرنا شروع کر دے تو پھر یہ دنیا کی زینت ہو جاتی ہے۔ اور دین کی زینت جاتی رہتی ہے۔ پس لباس ایک ہے مگر حکم اس پر مختلف ہو گئے بسبب مختلف ہونے مقاصد اور نیات کے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگانِ نیک کے قلوب میں لباسِ تقویٰ نازل فرمایا جو کہ بہترین لباس ہے۔ اور وہ بھی لباسِ ظاہری کی صورت پر ہے۔ (یعنی جس طرح لباسِ ظاہری سے ظاہری خرابیاں پوشیدہ ہو جاتی ہیں، اسی طرح لباسِ باطنی سے باطنی خرابیاں پوشیدہ ہوتی ہیں) اور وہ تقویٰ ہے جو کہ باطنی خرابیوں کو محو کر دیتا ہے۔ اس باطنی لباسِ تقویٰ کا ظاہری پہلو عبادت ہے، مکارمِ اخلاق سے مثل عباداتِ نافلہ اور اجتنابِ از معاصی کے۔ اگرچہ شارع علیہ السلام نے تجھ کو اپنا حق لے لینا مباح فرمایا ہے، لیکن اس کا ترک کر دینا انسان کے لئے باعثِ زینتِ باطن ہے جو کہ زینتِ الٰہی ہے باطن میں۔ اسی طرح ہر لباسِ باطن کی جانب تجھے اشارہ کیا ہے، شرع شریف نے۔ پس ثابت ہوا کہ لباسِ باطن وہ ہے جو صورتِ ظاہرِ شرعی پر ہو۔ جس طرح کہ ظاہر مختلف ہو جاتا ہے مقاصد و نیات کے اختلاف سے، اسی طرح لباسِ باطن بھی نیتوں کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ امر اہل اللہ کے نفوس پر ثبت ہو گیا۔ انہوں نے چاہا کہ ہر دو لباس اور ہر دو زینتوں کو جمع کر دیا جائے، تاکہ یہ جامعیت جانبین سے ہر دو ثواب کے باعث بنے (صفحہ ۱۵۳)

خطرہ ضمیر پر وارد ہونے والا خطاب ہے

خطرہ:- ایک قسم کا خطاب ہے، جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے۔ اگر یہ خطاب نفس کی جانب سے ہے تو خطرۂ نفسانی ہے جسے ہواجس بھی کہتے ہیں۔ شیطان کی جانب سے ہے تو خطرۂ شیطانی ہے، جسے وسواس بھی کہتے ہیں۔ فرشتہ کی جانب سے ہے تو خطرۂ ملکی ہے، جسے الہام بھی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ہے تو خطرۂ رحمانی ہے خواطر میں یہ امر لازمی نہیں۔ خطرہ کو خاطر بھی کہتے ہیں۔

خطرۂ نفسانی میں لذاتِ ممنوعہ کا شوق ابھرتا ہے اور شہوت پر آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ خطرات دیرپا ہوتے ہیں، کیونکہ نفس ضدی ہے، اور لذاتِ نفسانی پر اڑنے کا

Marfat.com

کوشش کرتا ہے۔

خطرۂ شیطانی میں معصیت کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ خطرہ آتا ہے اور جلد چلا جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان کا مقصد بندہ کو صرف معصیت میں مبتلا کرنا ہوتا ہے اس کو اس سے بحث نہیں کہ بالتخصیص کوئی معصیت ہو۔ کوئی سی بھی معصیت ہو، اس میں بندہ کو مبتلا کردینے سے اس کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔ اس لئے وہ یکے بعد دیگرے متعدد اور مختلف خطرات پیش کرتا ہے۔ تاکہ ایک میں نہیں تو دوسرے میں اور دوسرے میں نہیں تو تیسرے میں بندہ مبتلا ہو۔ برعکس خطراتِ نفسانی کے خطراتِ شیطانی میں قیام نہیں ہوتا۔ خطرۂ ملکی عبادات وطاعات سے متعلق ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ دیرپا نہیں ہوتا۔ آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اس لئے جب کوئی خطرہ ملکی وارد ہو تو ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر اس کی جانب فوراً رجوع ہوجانا چاہئے ورنہ وہ جاتا رہے گا۔

خطرۂ رحمانی محبت الٰہی دہکانے اور عرفان کا شوق ابھارنے اور ہمیشہ مشاہدہ حق میں رہنے کا شوق پیدا کرنے آتا ہے۔ یہ خطرہ مبارک جب آجاتا ہے تو جانے کا نام نہیں لیتا اور دل میں مستقل قیام اختیار کرلیتا ہے۔ کوئی وجہ اس کے متغیّر کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ یہ خطرہ دل کو غیر کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ (صفحہ ۱۵۷)

خلافت کے بارے میں کچھ نکات

محققین نے فرمایا ہے کہ جب مرید فنا فی الرّسول اور جبروت تک پہنچ جاوے تو اسے خلافت دے دینا جائز ہوجاتا ہے، گو واجب نہیں ہوتا۔ واجب اس وقت ہوتا ہے جب مرید شہودِ ذات تک پہنچے۔ واصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے تو اسے خلافت دے دینا جائز ہے۔ بعض کے نزدیک جب شیخ مرید میں معاملہ نیک دیکھے تو اسے خلافت دے دے۔ لیکن جب شیخ حق تعالیٰ کی جانب سے یا جناب رسالت مآب ﷺ کی جانب سے یا اپنے پیر کی جانب سے کسی کو خلافت دینے پر مامور کردیا جائے تو خلافت کا دینا واجب ہوجاتا ہے۔ اجازت کی بھی دو اقسام ہیں۔ ایک اجازتِ

Marfat.com

مطلقہ۔ دوسری اجازتِ نیابتی۔

اجازتِ مطلقہ اجازت ہے جس کی رو سے خلیفہ شیخ کا قائم مقام ہو جاتا ہے بطریق اصل کے اور خلقِ خدا کی ہدایت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور مریدوں کو اپنے نام کا شجرہ دیتا ہے۔

اجازتِ نیابتی میں مجاز اپنے شیخ کے حکم سے بطریق سفارت اور بہ سبیل نیابت لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتا ہے اور انہیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے۔ اس طور پر بیعت کرنے والے مجاز کے نہیں بلکہ اس کے شیخ کے مرید ہوتے ہیں اور شجرہ ان کو شیخ ہی کے نام کا دیا جاتا ہے۔

قلب میں تجلیات الٰہی کا ورود

خمخانہ :- عالم غیب و شہادت۔ کیونکہ یہ اسماء و صفات کے ظہور کا عالم ہے۔ اور مستی اور اچھل کود اسماء و صفات ہی میں ہوتی ہے، نہ کہ ذات میں، جہاں بے رنگی و بے کیفی اسماء صفات کی مستیوں سے زیادہ پر لطف ہے۔ قلب بھی خمخانہ ہے، جہاں تجلیات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ (صفحہ ۱۶۰)

خنّاس کی تشریح

دل میں وسواس پیدا کرنے والا شیطان۔ دل میں دو دروازے ہیں۔ ایک اوپر ایک نیچے۔ اوپر کا دروازہ جسم سے متصل ہے اور نیچے کا روح سے، خنّاس ان دو دروازوں کے ارد گرد مکڑی کا سا جالا بن کر قابو پاتا ہے اور خطرات و وساوسِ باطلہ کو دل میں پھونکتا رہتا ہے۔ خنّاس کی صورت اژدھے کے مانند ہوتی ہے۔ اس کی دم پر زہریلے کانٹے ہوتے ہیں، جن سے وہ دل کو مسموم کرتا رہتا ہے اور دل میں سیاہی پیدا کر دیا کرتا ہے۔ طعامِ ناجائز اور لقمۂ مشکوک سے اور غفلت سے اور عبادت میں کاہلی، بے رغبتی اور بے توجہی سے خنّاس فربہ ہوتا ہے اور ضرر رسانی اس کی بڑھ جاتی ہے۔ توبہ و استغفار اور پاسِ انفاس اور ذکر و فکر و مراقبہ سے وہ ضعیف ہو جاتا ہے اور دل میں صفائی اور نورانیت

پیدا ہونے لگتی ہے۔ حبسِ دم کی حرارت سے بھی دل کی چربی پگھلنے لگتی ہے اور خناس مضمحل ہو جاتا ہے اور اس طرح کا حبسِ دم تصفیۂ قلب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۶۱)

سلوک میں خیال کی اہمیت

خیال :- وہ نکتہ ابتدائی جس سے سلوک کی ابتداء ہوتی ہے۔ دراصل اسی پر سلوک کی انتہا بھی ہے۔ یہی تمام عوالم کا ہیولیٰ اور عوالم کی روح کی زندگی ہے۔ جب اس اعتقاد کا محل جس میں اللہ سبحانہ تعالیٰ ظاہر ہوتا ہے، محض خیال ہے اور خیال ہی میں اللہ تعالیٰ کا کامل طور پر ظہور ہوا ہے تو یقیناً خیال ہی تمام عوالم کی اصل ہے۔ اور خیال دراصل ایک نیند ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ "سب لوگ سو رہے ہیں، جب وہ مر جاتے ہیں تب جاگتے ہیں"۔ یعنی وہ حقائق جن پر کہ وہ دنیا میں تھے، مرنے کے بعد ان پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر گروہ ہر عالم میں کسی خیال کے اندر مقید ہے۔ اہل دنیا اپنی معاش کے خیال میں ہیں۔ اہل جنت و نار نعمت و عذاب میں مشغول ہیں۔ یہ لوگ دراصل سو رہے ہیں۔ جو شخص اللہ کے ساتھ حاضر ہے، وہ جاگتا ہے۔ جس قدر اس کو خدا کے ساتھ حضور ہے، اسی قدر اس کی بیداری ہے۔ مثلاً اہل برزخ سو رہے ہیں، مگر ان کا سونا اہل دنیا کے سونے سے کم ہے۔ سونا عالمِ خیال میں رہنے کا نام ہے۔ بجز اہل حق کے کوئی بیدار نہیں۔ اگرچہ خیال کا مقام سب کے لئے بالذات ایک ہے، لیکن اہلِ دنیا کا خیال قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان کے خیال کا خزانہ امورِ عادیہ اور مطلوباتِ جسدیہ کی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے اور صفائے روحی اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔ (صفحہ ۱۶۱)

دنیا اور رجوع الی اللہ کے درمیان برزخ

داعی الی اللہ :- دنیا اور رجوع الی اللہ کے درمیان یہ ایک برزخ ہے، جو مومن اور کافر سب پر وارد ہوتا ہے۔ ہر شخص پر کسی نہ کسی وقت ایک حالت طاری ہوتی ہے، جس میں ذاتِ الٰہی کی جانب اسے میلان پیدا ہوتا ہے، ایسے وقت کو غنیمت جان کر ہمت سے کام لیا جاوے تو اس حال کی کثرت اور اس میں قوت پیدا ہوتی ہے، ورنہ یہ

Marfat.com

واردات ضائع ہو جاتی ہے اور اس قسم کی کیفیات کا ورود قلبِ انسانی سے مسدود ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۶۲)

دانشِ دل معارف الٰہی سے آگاہی کا نام ہے

دریا و ساحل: ہستیٔ وجود کو عموماً دریا سے تشبیہ دی جاتی ہے اور نطق اس دریائے ہستیٔ وجود کا ساحل ہے۔ نطق کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک تو ادراکِ کلیات دوسرے تکلم۔

جس طرح دریا میں صدف ہوا کرتے ہیں، اس دریائے وجود میں بھی صدف پائے جاتے ہیں، جو حروف و الفاظ ہیں۔ جس طرح صدف کے اندر سے جواہرات یا موتی نکلتے ہیں، صدفِ حروف و الفاظ کے اندر سے بھی دانشِ دل نکلتی ہے اور دانشِ دل عبارت ہے، حقائق اشیاء و معارف الٰہی کی آگاہی سے۔ دریائے ہستی کی امواج نفسِ انسانی کی صورت میں حقائق و معارف و علوم یقینیہ کے درِ شہوار بکثرت ساحلِ نطق پر پھیلا دیتی ہیں۔ یہ درِ شہوار ملفوظات کاملین اور نصوصِ قرآنی اور اخبار نبوی ﷺ ہیں۔ اس قسم کی ہزاروں امواج ہر لحظہ بلند ہوتی رہتی ہیں۔ مگر باوجود ان کثرتِ تجلیات کے بحرِ ہستی میں سے ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۱۶۳)

ماسویٰ کی قیام گاہ

دل کی حیثیت

علم عمل کی صورت کو صحیح اور درست کرتا ہے تب سالک اس عمل میں جان ڈال دیتا ہے، مگر علم سے یہاں وہی علم مراد ہے جو وسیلۂ قربِ حق ہے۔ کیونکہ وہ علم جو وسیلۂ جاہ و منصب ہو، صورت کے اعتبار سے علم ہے، مگر معنیٰ کے اعتبار سے علم نہیں۔

علم نبود غیر علم عاشقی

Marfat.com

مابقیٰ تلبیسِ ابلیسِ شقی

(بہاء الدین آملیؒ)

وہ علم جو کہ اخلاقِ ذمیمہ کی آلائش سے نفس کو پاک کرنے کا سبب اور وسلیہ بنتا ہے، اس دل میں نہیں آتا، جو حبِ دنیا کا مسکن اور ماسویٰ کی قیامگاہ ہو۔ جس گھر میں حرصِ دنیا کا کتا اور ماسویٰ کی تصویریں ہوں، وہاں عالم قدس کا فرشتہ اس وقت تک نہیں آتا، جب تک اسے ان موانعات سے پاک نہ کر دیا جاوے۔ تاوقتیکہ تختۂ دل کو جو کہ انفس میں لوحِ محفوظ آفاقی کے مشابہہ ہے، ذکر و فکر کے پانی سے دھویا نہ جائے اور خصائل ذمیمہ اور نقوش اوہام باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کے کوڑے کرکٹ سے اسے صاف نہ کر دیا جائے اور عالم قدس کے ساتھ اس میں مناسبت نہ پیدا کی جائے، ارواح مطہرہ مقدسہ یعنی علوم حقائق کی صورتیں جو ملائکہ کے نام سے موسوم خانۂ دل میں داخل نہ ہونگی۔ تصفیۂ قلب کی اس منزل کے طے کرنے کے بعد انسان ملائکہ سے علمِ لدنی حاصل کرتا ہے اور اپنے نفس کی کتاب سے جو کہ جامع جمیع کتب الٰہی ہے۔ آیاتِ اسماء و صفات پڑھتا ہے اور کتابِ انفسی کے اجمال کی تفصیل کا مشاہدہ آفاق میں باعتبار تعینہائے خارجی کے کرتا ہے۔ (صفحہ ۱۶۵)

نفس ناطقہ

سالک حقیقی اپنے وطن کی خبروں کا نہ صرف ہمیشہ متمنی رہتا ہے، بلکہ ان خبروں سے باخبر بھی ہوتا رہتا ہے، اس خبر رسانی کا ذریعہ بیداری میں حواس اور خواب میں وہم وخیال ہیں۔ روح میں کافی انجلاء اور صفائی ہوتی ہے تو بیداری ہی میں مرکزِ اصلی کی جانب متوجہ ہونے سے عالم غیب کی باتیں حسبِ استعداد منکشف ہو جاتی ہیں۔ اور یہ حالت انتہائے کمال کی ہے۔ لیکن روح کی صفائی جب اس مرتبہ کی نہیں ہوتی کہ یہ صورت ممکن ہو تو بیداری میں حواسِ خمسہ ظاہری قوتِ مدرکہ باطنی کے لئے حجاب بن جاتے ہیں اور جب تک یہ حجابات مرتفع نہ ہوں، انکشافاتِ عالم بالا محال رہتے ہیں۔ نیند میں حواس خمسۂ ظاہری کا تعطل واقع ہوتا ہے تو حجابات اٹھتے ہیں اور انکشافات کا

Marfat.com

دروازہ کھلتا ہے اور رویائے صادقہ نظر آنے لگتے ہیں۔ ان حجاباتِ ظاہری کے ارتفاع میں بھی کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کمی وبیشی پر انکشافات میں امور کے مشتبہ اور غیر مشتبہ ہونے کا انحصار ہے۔ اگر حجابات زیادتی کے ساتھ مرتفع ہوئے تو انکشافاتِ خواب دیکھنے والے پر مشتبہ نہیں ہوتے اور وہ جن امور کو خواب میں دیکھتا ہے، انہیں بھولتا نہیں اور ان میں غلطی نہیں کرتا، لیکن اگر حجابات کمی کے ساتھ اٹھے ہیں تو اس کی قوت مدرکہ کی کمزوری انکشافات کو خیالات کے پردے میں ملتبس کر دیتی ہے۔

لہذا خواب کی حقیقت یہ ہوئی کہ نفس انسانی نیند کی حالت میں جب کہ اس کے حواسِ خمسۂ ظاہری معطل ہو جاویں کسی بات کا مشاہدہ کرلے۔

نیند ایک چھوٹی موت ہے۔ اور موت بڑی نیند ہے۔ نیند قالب کے واسطے ہے نہ کہ نفس کے واسطے۔ بلکہ نفس کے واسطے تو نیند ایک اعلیٰ اور شریف حالت ہے۔ قوائے نفس اگر کامل نہ ہوں تو حواسِ ظاہری کا اشیاء کو دیکھنا زیادہ معتبر ہے۔ لیکن قوائے نفس کامل ہوں تو نفس کا مشاہدہ یقیناً بہت زیادہ معتبر ہے۔ کیونکہ حواس صرف شکل وصورت ظاہری کو دیکھتے ہیں، حالانکہ نفس کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ حقائق اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی بناء پر عالم وعارف کی نیند کو جاہل کی بیداری پر فضیلت دی جاتی ہے۔ (صفحہ ۱۸۶)

خواب کی تین اقسام

رویا (خواب) کی تین اقسام ہیں :-

پہلی قسم یہ ہے کہ خواب حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ یہ نعمت اسے نصیب ہوتی ہے، جو نفسِ مطمئنہ کی دولت کا مالک ہو۔ اس خواب میں جملہ حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں اور حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ تخیلات واوہام ومکائد شیطانی کو مطلق دخل نہیں ہوتا۔ صاف وصریح طور پر حق بات کا اظہار ہو جاتا ہے اور خواب دیکھنے والے کو کسی قسم کا التباس نہیں ہوتا۔ غیب کی خبریں اس ذریعہ سے صحیح طور پر بندگانِ حق کو پہنچائی جاتی ہیں۔ یہی خواب ہیں جن کی بابت حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

Marfat.com

لھم البشری فی الحیواۃ الدنیا و فی الآخرۃ (یونس-ع ۷)

واسطے ان کے ہے بشارت بیچ زندگانی دنیا کے اور بیچ آخرت کے

مفسرین کا اتفاق ہے کہ دنیوی بشارت رویائے صادقہ ہیں۔ اور اخروی بشارت رویتِ حق۔ بوجہ اپنی وضاحت اور صفائی کے یہ خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے۔

دوسری قسم خواب کی وہ ہے، جس سے نفسِ لوامہ کو سابقہ پڑتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی شخص سے باتیں کی جاتی ہیں تو ایسی زبان میں کی جاتی ہیں جسے وہ سمجھتا ہو۔ اگر ایک عرب سے کچھ کہنا ہے اور وہ عرب سوائے عربی کے کوئی اور زبان نہیں جانتا تو اس سے عربی ہی میں باتیں کی جاویں گی۔ اس نوع کے خواب میں بھی اظہار کا وہی اختیار کیا جاتا ہے، جسے خواب دیکھنے والا سمجھ سکے۔ نفس مطمئنہ والا بوجہ اپنے مقام کے ارفع و اعلیٰ ہونے کے حقائق کا صحیح اور صریح ادراک کر لیتا ہے۔ مگر نفس لوامہ والا چونکہ مرتبہ میں کمتر ہے اور عالمِ علوی سے اسے بعد زیادہ ہے۔ اس لئے اس کے واسطے حقائق ایک نزولی شان اختیار کرتے ہیں اور وہ جو کچھ دیکھتا ہے، اسے خیالات کی شکلوں اور خیالی صورتوں میں لپٹا ہوا پاتا ہے۔ حقائق بمنزلہ معانی کے ہوتے ہیں اور شکلیں صورتیں بمنزلہ حروف کے۔ ان شکلوں اور صورتوں کا تعین بھی خواب دیکھنے والے کی ذاتی استعداد پر منحصر ہے، ایک عرب کے ساتھ خواب میں عموماً عربی ہی میں باتیں ہونگی۔ اور ہندوستان کے ساتھ ہندوستانی زبان میں۔ جن ہندوستانیوں کو انگریزی زبان میں مہارت زیادہ ہوگی اور بہ نسبت اردو کے انگریزی سے انہیں سابقہ زیادہ رہتا ہوگا انہیں بسا اوقات انگریزی نوعیت ہی کے خواب نظر آئیں گے۔ گونگوں اور بہروں سے خوابیں بھی اشاروں ہی میں باتیں ہوتی ہیں۔ اندھا شخص خواب میں بھی چیزوں کا احساس اسی طرح کرے گا، جس طرح بیداری میں وہ اشیاء کو محسوس کرنیکا عادی ہے تو گویا اس دوسری قسم کے خواب میں دو چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے۔ ایک تو وہ جو عالمِ علوی سے خواب دیکھنے والے پر پھینکی جاتی ہے۔ دوسری وہ ترجمانی جو خواب دیکھنے والے

Marfat.com

ہی کی قابلیت واستعداد کا نتیجہ ہے۔ اب اس قابلیت اور استعداد کے بھی مدارج ہیں، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص پر مختلف اوقات میں مختلف حالتیں طاری ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی نیکی کا میلان اس پر غالب ہوتا ہے اور کبھی بدی کا میلان۔ بدی کے میلان کا غلبہ خواب کو چند اوہامِ باطلہ اور فاسد ترکیبوں سے مخلوط کر دیتا ہے۔ خرافات اور محسوسات میں جس قدر انہماک زیادہ رہے گا۔ عقل کی کم التفاتی اور قلب کی کمزوری اتنی ہی زیادہ التباسی صورتیں پیدا کر دے گی ایسا شخص اس پر بھی قادر نہیں ہوتا کہ خواب کو جیسا دیکھا ہے ویسا ہی بیان کر سکے بلکہ بعض اوقات وہ الفاظ کو بدل دیتا ہے اور خواب کا غلط نقشہ پیش کرتا ہے۔ حق وباطل میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے اور کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دکھانے کے لئے اور اصلیت کو توہمات اور خیالات باطلہ سے جدا کرنے کے لئے یہ خواب کسی مُعَبّر کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اس کے صحیح معانی اور مطالب تک پہنچنے کے لئے تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

قسمِ اوّل کے خواب بھی خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور قسم دویم کے خواب بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ قسمِ دویم کے خواب میں نفس کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس قسم کے خواب کو خوابِ نفسانی کہتے ہیں۔ معبر نفسانی حصہ کو اصلی حصہ سے جدا کر دیا کرتا ہے۔

تیسری قسم خواب کی وہ ہے، جو نفسِ امارہ والوں کے حصہّ میں آئی ہے۔ یہ سب شیطانی خواب ہیں، جو خواہشِ نفسانی کے غلبہ اور اخلاقِ خبیثہ کے خوگر ہونے اور طہارت و عبادت سے بے التفاتی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انہیں بد خوابی۔ اضغاث احلام۔ خواب پریشان۔ خواب شیطانی اور احتلام شیطانی بھی کہتے ہیں۔ ان میں انسان یا تو دن میں جو کچھ کرتا ہے، وہی رات میں دیکھتا ہے یا لغو و تمسخر کی باتیں دیکھتا ہے یا ایسی چیزیں دیکھتا ہے، جن کا نہ اعیان میں وجود ہے نہ اذہان میں۔ بوجہ اپنے کذب اور اپنی لغویت کے، اس قسم کے خواب کسی تعبیر کے لئے نہیں ہوتے۔ لغو خواب کبھی جنون یا نشہ یا

امراضِ فاسدہ یا خور و نوش کی بے اعتدالیوں کا بھی نتیجہ ہوتے ہیں۔

رویائے صالحہ یعنی نیک خواب حدیث کی رو سے نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ نبوت امورِ غیب کی معلومات پر مشتمل ہے۔ گویا علومِ غیب کی معلومات کے حصول کے چھیالیس طریقوں میں سے ایک ادنیٰ سا طریقہ یا چھیالیس مرتبوں میں سے ایک ادنیٰ سا مرتبہ نیک اور سچے خوابوں کا دیکھنا بھی ہے۔

رویائے صالحہ کے اسباب میں سے بعض حسب ذیل ہیں :-

تقلیل غذا۔ لطیف غذا۔ مزاج کو اعتدال پر رکھنا۔ اخلاق حمیدہ پیدا کرنا۔ عبادات کی مواظبت۔ خیالاتِ فاسدہ کا کبھی قلب میں نہ گذرنے دینا۔ قلب کو غیر اللہ سے پاک رکھنا۔ (صفحہ ۱۸۶ سے ۱۸۹)

سالک کے اقسام

سلوک :- خدا تک پہنچنے کا راستہ بطریقِ سیر کشفی عیانی۔ نہ کہ بطریقِ استدلال۔ اس راستہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ وقتِ خاص یا اوقاتِ خاص میں مبتدی پر یاد باری تعالیٰ کا اس درجہ غلبہ ہوتا ہے کہ دوسرے خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ یہ منجانب اللہ ایک کشش ہوتی ہے جو باعثِ ترقیات مزید ہے۔ اس حالت کو صفائی مبتدی کہتے ہیں، جو پہلی قسم ہے صفائی وقت کی، کیونکہ یہ حالت مبتدیوں پر طاری ہوتی ہے، اس مرتبہ کے صوفی کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔

صوفی پر جب ایسے اوقات آتے ہیں، جن میں اس پر تجلیات وارد ہوتی ہیں تو اس حالت کو صفائی متوسط کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ حالت متوسلین پر طاری ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب کہتے ہیں۔ جب صوفی واصلِ ذات ہو کر مقامِ تمکین میں پہنچتا ہے تو اس حالت کا نام صفائی منتہی ہے۔ اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب کہتے ہیں۔ جب صوفی واصلِ ذات ہو کر مقامِ تمکین میں پہنچتا ہے تو اس حالت کا نام صفائی منتہی ہے۔ اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ طالبانِ راہ حق کی طبائع میں

Marfat.com

بہت کچھ اختلاف ہوتا ہے اور سب کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکا جاسکتا۔ شیخ طبیبِ دل ہوتا ہے اور ہر مریض کی طبیعت پر نظر کر کے اور نوعیتِ مرض کو دیکھ کر اس کا علاج کرتا ہے اور اس کے مناسب حال نسخہ اس کے لئے تجویز کرتا ہے۔ اس لئے سلوک کے طریقے بے تعداد ہیں۔ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔ (صفحہ ۱۹۹)

نقشبندیہ سلسلہ کی مشہور اصطلاحات

حضرات نقشبندیہ رحمھم اللہ تعالیٰ کی مشہور گیارہ مصطلحات جن سے سالکین کو سابقہ پڑتا ہے۔ حسب ذیل ہیں :-

(۱) نقوش دردم :- جو سانس نکلے، یادِ الٰہی میں نکلے۔ غفلت کسی وقت راہ نہ پائے۔ ہمیشہ ہوشیار اور اپنے نفس پر آگاہ رہے۔ اس شغل سے تفرقہ انفسی دفع ہوتا ہے۔

(۲) نظر بر قدم :- چلتے پھرتے وقت نگاہ کو اپنی پشت پا پر رکھنا، تاکہ نظر پراگندہ نہ ہو اور جمعیتِ خاطر رہے۔ کیونکہ ابتداء میں دل تابع نظر ہوتا ہے اور پریشانی ' نظر پریشانی ' دل کا باعث ہوتی ہے۔ نظر بر قدم سے سرعتِ سیر کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے یعنی یہ کہ قطعِ مسافتِ ہستی اور عبور بر عقباتِ خود پرستی میں سالک کی نظر جہاں تک پہنچے فوراً قدم بڑھا کر وہیں پر رکھ دے۔

(۳) سفر در وطن :- سالک کا طبیعتِ بشری میں ایک مقام سے دوسرے مقام یعنی صفاتِ ذمیمہ سے صفاتِ حمیدہ پر جانا اور تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرنا، سفر در وطن ہے۔

(۴) خلوت در انجمن :- بظاہر مخلوق کے ساتھ اور بباطن حق تعالیٰ کے حضور میں رہنا۔ ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہنا۔

(۵) یاد کرد :- "ذکر لسانی و قلبی، جس سے غفلت دور ہو اور حق تعالیٰ کی یاد تازہ رہے۔

(۶) جب ذاکر دل یا زبان سے کلمۂ طیبہ کا ذکر کرے تو ہر بار اپنے دل میں یہ

Marfat.com

مناجات کرے کہ "الٰہی مقصود میرا تو ہے اور تیری رضا ہے۔ تیرے ہی لئے میں نے دنیاو آخرت کو ترک کیا ہے۔ تو اپنی ہی نعمتیں عطا فرما اور اپنی ہی بارگاہ میں وصولِ تمام عنایت فرما۔"

ذکر میں یہ شرط نہایت عظیم ہے، جسے ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔

(۷) نگاہ داشت :- نگرانیٔ خاطر از خطراتِ ماسوی اللہ۔ مثلاً اس بات کی نگہداشت رکھے کہ اگر سالک ایک دم میں سوبار کلمۂ طیبہ کہے تو اس درمیان میں ایک بار بھی خیال ادھر ادھر نہ بھٹکنے پائے، بلکہ اسماء وصفات سے غافل ہو کر احدیت مجرّدہ اور وراء الوراء ہی پر نظر رکھے۔

(۸) یاد داشت :- حق تعالیٰ کی جانب ہر دم اور ہر حال میں بسبیل ذوق متوجہ رہے۔ بعض کے نزدیک یادداشت سے مراد حضورِ بے غیب ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک یادداشت یہ ہے کہ سالک کے دل پر استیلائے شہود حق بتوسط حب ذاتی ہو جائے اور اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ یہ دولت بدون فناء تام اور بقائے کامل حاصل نہیں ہوتی۔

(۹) وقوفِ زمانی :- بندہ ہر حال میں اپنے احوال پر واقف رہے۔ اگر طاعت میں ہے تو شکر اور معصیت میں ہے تو استغفار کرے یا پاس انفاس میں حضور و غفلت کا خیال رکھے یا قبض وبسط پر نظر رکھے اور شکر کے موقع پر شکر اور استغفار کے موقع پر توبہ واستغفار کرے۔ اسے محاسبہ بھی کہتے ہیں۔

(۱۰) وقوفِ عددی :- نفی اثبات کے ذکر میں عددِ طاق کی رعایت رکھنا بلحاظ اس کے کہ اللہ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔ ذکر قلبی میں اس نوعیت کی رعایتِ عددی تفرقہ کے دور کرنے اور جمعیت خاطر کے پیدا کرنے میں خاص طور پر مؤثر ہے۔

(۱۱) وقوف قلبی :- ذاکر کا حق تعالیٰ سے واقف و آگاہ رہنا۔ دل میں حق تعالیٰ سے آگاہی اور اس کا حضور اس طور پر ہو کہ غیر حق سے مطلق علاقہ نہ رہے۔ دورانِ ذکر میں اس نوعیت کا ارتباط اور اس قسم کی حضوری و آگاہی ایک ضروری شرط ہے جس

Marfat.com

کے بغیر ذکر مؤثر نہیں ہوتا۔

سالک کا فرض ہے کہ ہر دم بڑھا چلا جائے، جو قدم پڑے، آگے ہی کی جانب پڑے۔ نہ کہیں ٹھرے نہ پیچھے ہٹے۔ ٹھرنا مضر ہے اور پیچھے ہٹنا سلوک کے لئے مہلک۔ سالک اسی کو کہتے ہیں، جو ساعت بساعت ترقی کرتا ہے۔

واقف اسے کہتے ہیں جو کسی مقام پر رک جائے یا ٹھر جائے اور ترقی اس کی بند ہو جائے۔ ایسی حالت کو جمود یا حالتِ جمودی کہتے ہیں۔ ایسا شخص کسی مقام پر دیر تک اڑا رہے تو پھر لازمی طور پر وہ پیچھے کی جانب ہٹنے لگتا ہے۔

راجع اسے کہتے ہیں جو پیچھے کی جانب ہٹے۔ اس رجعت کا فوراً ہی معقول علاج نہ کیا جائے تو حالت مایوسی کی ہو جاتی ہے۔ (صفحہ ۲۰۲ سے ۲۰۳)

صوفی مبتدی کی آہ و بکا

صوفی مبتدی دوری اور فراقِ محبوب اور اندوہِ نایافت کی شدت سے مشتعل ہوتا ہے اور پیچ و تاب کھاتا ہے اور تڑپتا ہے اور چیختا چلاتا ہے، اور نہیں جانتا کہ یہ اضطراب کیا ہے اور کہاں سے ہے۔ وہ ذوقِ نمود اور شوقِ شہود سے بھی واقف نہیں۔ مگر درد سے تڑپتا اور چلاتا ہے۔ جس طرح درخت بادِ صرصر سے جنبش میں آتا ہے یا مریض شدتِ درد سے اپنے کو بے قابو پاتا ہے اور بے اختیارانہ طور پر تڑپتا ہے، اسی طرح صوفی میں بھی بے اختیار لرزہ پیدا ہوتا ہے اور بے قراری کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔ (صفحہ ۲۲۳)

صوفی کے تغیر پذیر حالات واحوال

صوفی سالک اہل نظر پر ایک وقت آتا ہے، جب وہ چشمِ باطن سے حسن و جمالِ محبوبِ حقیقی کو دیکھتا ہے اور انتہائے زیبائی و رعنائی و جمالِ مطلوبِ ازلی کے دیکھتے ہی بے خود اور بے اختیار ہو کر شیفتۂ روئے دوست ہو جاتا ہے۔ جوش و خروش میں آکر بے ہوش و مدہوش ہوتا ہے۔ انتہائے شور و اضطرابِ لذتِ حضوری میں مبتلائے گریہ و زاری ہوتا ہے اور آہ و نالہ میں مصروف ہو جاتا ہے۔

بلبلے برگِ گلِ خوش رنگ در منقار داشت
واں دراں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالۂ و فریاد و چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق درایں کار داشت

پھر عاشق و معشوق کے درمیان رموز و اسرارِ عشق کھلنا شروع ہوتے ہیں اور عاشق کبھی ہنستا ہے، کبھی روتا ہے۔ حالانکہ عوام کے دماغ میں اس حلاوت و نشاط کی بُو تک نہیں پہنچتی، جو اس صوفی کو زیروزبر کر رہی ہے۔ یہ مرتبہ ایک اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ یہ حالت صرف فراق کی نہیں بلکہ فراق وصال کی ہے۔

سالک کو کبھی حق تعالیٰ کی جانب سے ایسا وقت نصیب ہوتا ہے، جب کہ بوجہ نزولِ انوارِ جمال و جلالِ محبوبِ حقیقی وہ یہ پاتا ہے کہ اس کا بود وجود جاتا رہا۔ اسے اپنا ہوش نہیں رہتا۔ اپنے کو اپنے ہی میں محو و گم کر کے اپنے کو تلاش کرتا ہے، مگر نہیں پاتا۔ پھر اس پر ہیبت طاری ہوتی ہے اور اپنی گم گشتگی سے خائف ہوتا ہے، ڈرتا ہے۔ روتا ہے، چیختا ہے اور چلاتا ہے۔

ہمی ترسم کہ حافظ محو گردد
چہ شوراست ایں کہ درسر دارم امشب

اشتیاقِ جمالِ باکمال کی آگ اس درجہ بھڑکتی ہے کہ موم اور شعلہ کی سی مثال پیش آجاتی ہے۔ گویا موم شعلہ سے ہم آغوش ہونے کے اشتیاق میں بڑھتا جاتا ہے اور پگھلتا جاتا ہے۔ چاہتا ہے کہ پورے شعلہ کا مشاہدہ کرے، مگر ایک کونہ سے زیادہ تک کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔ زیادہ رسائی کی حسرت و تمنا میں موم ہے کہ بلا اختیار اور بلا ارادہ پگھلا چلا جارہا ہے اور اس کی خودی اور ہستی محو ہوتی جاتی ہے، لیکن تمنا اس کی پوری نہیں ہوتی۔ شعلہ کے جمال کا پورا مطالعہ نہیں ہونے پاتا۔ اور بجز سوزش و تپش و اشتیاق و بے چینی کے اور بجز پگھلنے اور محو ہونے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بس نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ موم غائب اور شعلہ باقی۔ صفتِ آتش اختیار کر کے خود آتش بن جانے کی

Marfat.com

لذت جملہ لذات سے بالاتر ہے اور ہر شخص اپنے اپنے حوصلہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس کمال کو اخذ کرتا ہے۔

صوفی اہل معنیٰ پر کبھی یہ حالت طاری ہوتی ہے کہ محویتِ تامہ حاصل ہونے اور جملہ نسبتوں سے مرتفع ہو کر محوِ مطلق ہو جانے کی تمنا میں اضطرابِ شدید پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمنا پوری نہیں ہوتی تو نالہ و فریاد کرتا ہے۔ احیاناً یہ حالت دفعۃً پیدا ہو جاتی ہے۔ الآن کما کان کے سکون میں ذرا دیر آرام پاتا ہے۔ اور لی مع اللہ وقت کا نقدِ وقت تھوڑی دیر اس کی مٹھی کو گرماتا ہے کہ یک بیک کل یوم ہو فی شان کی الٹ پلٹ میں وہ حالت اچانک جاتی رہتی ہے۔ عاشق ایک حالت اور ایک قرار پر نہیں رہنے پاتا۔ کبھی ظہور سے بطون اور کبھی بطون سے ظہور میں گردش دیا جاتا ہے۔ اس وقت جو کچھ عاشق پر گذرتی ہے، اسے نہ کوئی زبان بیان کر سکتی ہے نہ کوئی اشارہ ادا کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حالت نہ وصال کی ہے نہ فراق کی۔ بلکہ اسے فراق وصال بھی کہہ سکتے ہیں اور وصال فراق بھی۔ (صفحہ ۲۲۴-۲۲۵)

سالک کا مختلف حالات سے دوچار ہونا

سالک کا ایک حال سے دوسرے حال۔ ایک فعل سے دوسرے فعل۔ ایک تجلی سے دوسری تجلی۔ ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونا سیر ہے یا طیر۔ جب کشف و کرامات کی راہ سے یہ سلوک طے کیا جاتا ہے تو اسے سیر کہتے ہیں۔ اس طور پر راستہ دیر میں طے ہوتا ہے۔

جب بلا کشف و کرامت یہ سلوک طے ہوتا ہے تو اسے طیر کہتے ہیں۔ اس میں راستہ جلد طے ہوتا ہے اور اسی کو صوفیاء سلوک اتم کہتے ہیں۔ (صفحہ-۲۲۷)

قبض کی مختلف نوعیتیں

قبض و بسط:- وارداتِ قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور ان کے کھل جانے کو بسط کہتے ہیں۔

Marfat.com

قبض محمود :- وہ قبض ہے جس میں سالک کے دل میں اس بندش سے ملال پیدا ہو۔ یہ محمود اس لئے ہے کہ اس ملال کا پیدا ہونا بھی ایک کیفیت ہے جو مفید ثابت ہوتی ہے۔

قبض مذموم :- وہ قبض ہے جس سے کسی قسم کا ملال نہ پیدا ہو اور دل میں کچھ لاپرواہی سی پائی جائے۔ اس نوعیت کا قبض مضر ہے۔

اسی طرح بسط بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ مفید اور مضر

بسطِ مذموم وہ ہے، جس میں درمیانی منزل کی دلچسپی سالک کی دلبستگی کا باعث ہو اور اسے آگے نہ بڑھنے دے۔ بسطِ محمود وہ بسط ہے، جبکہ یہ دلچسپیاں ترقیِ مزید کی امنگیں دل میں پیدا کریں۔

سالک کو ابتداء میں خوف و رجاء سے سابقہ پڑتا ہے، جب ترقی کرتا ہے تو قبض و بسط کی حالتیں اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔ جب اور زیادہ ترقی کرتا ہے تو ان سے بھی اعلیٰ تر حالتوں سے اسے سابقہ پڑتا ہے جنہیں ہیبت و انس کہتے ہیں۔

خوف و رجاء کا تعلق مستقبل سے ہے۔ امرِ مکروہ مستقبل سے خوف اور امرِ محبوب مستقبل سے رجاء کا پیدا ہونا امورِ ابتدائی ہیں۔

قبض و بسط کا تعلق امورِ حاضرہ سے ہوتا ہے۔ وارداتِ غیبی قلب پر وارد ہوں تو بسط اور ورود بند ہو جائے تو قبض پیدا ہو جاتا ہے۔

واردات قلبی سے تجاوز کر کے جب سالک دولتِ مشاہدہ سے سرفراز ہوتا ہے تو ہیبت و انس کے درمیان چوگان بنایا جاتا ہے۔ مشاہدہ جلال کا نتیجہ ہیبت اور مشاہدہ جمال کا نتیجہ انس ہوتا ہے۔ یا بعض کے نزدیک غیبت میں ہیبت اور صحو میں انس پیدا ہوتا ہے۔ لیکن صوفیائے محققین نے ہیبت و انس سے بھی پناہ مانگی ہے وہ جمال و جلال کی تفریق سے بھی بلند تر پرواز کرنے اور آشنائے ذات میں متمکن ہونے کے آرزومند رہتے ہیں۔ اہل تمکین کے احوال تغیر سے بالاتر ہیں۔ وہ عین وجود میں محو ہوتے ہیں۔ ان کے لئے نہ ہیبت ہے نہ انس۔ نہ علم نہ حس۔ ان کی ترقی بھی وجود ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۷۹)

Marfat.com

لطائف ستہ :-

جسم انسانی میں چھ مواضع ہیں، جن پر فیوض وانوار وبرکاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

لطیفہ قلبی :-دوانگل زیرِ پستانِ چپ۔ نور اس کا سرخ ہے۔ معرفت کا محل ہے۔

لطیفہ روحی :-دوانگل زیرِ پستانِ راست۔ نور اس کا سپید ہے۔ محبت کا محل ہے۔

لطیفہ نفس :-زیر ناف۔ نور اس کا زرد ہے۔

لطیفہ سری :- مابین سینہ۔ نور اس کا سبز ہے۔ مشاہدہ کا محل ہے۔

لطیفہ خفی :-بالائے ابرو۔ نور اس کا نیلگوں ہے۔ اسے لطیفہ قالبیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ مقامِ اتصال ہے، درمیان روح و جسم کے۔ عالم قدس سے فیضان براہ راست اسی لطیفہ پر نازل ہوتا ہے، پھر دیگر لطائف میں تقسیم ہوتا ہے۔ روح بدن میں اسی راستہ سے آتی ہے۔ اور اسی راستہ سے جاتی ہے۔

لطیفہ اخفی :-ام الدماغ ہیں۔ نور اس کا سیاہ ہے۔ مثل سیاہی چشم کے۔

ان مختلف لطائف کے انوار میں اختلاف ہے باعتبار اختلافِ مکشوفات۔ مگر سلوک میں اس نوع کے اختلافات مؤثر نہیں۔ اسی بناء پر محققین کا ارشاد ہے کہ مقید بہ انوار نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ مقصود ملکۂ ذکر مدام کا پیدا ہونا ہے۔

حضرات مجددیہ رحمہم اللہ کے نزدیک انسان دس لطائف سے مرکب ہے۔ پانچ عالمِ امر سے متعلق ہیں اور پانچ عالمِ خلق سے۔ لطائف عالمِ امر کی جڑیں عرش کے اوپر ہیں اور جسم انسانی میں ان کے مختلف ٹھکانے ہیں۔ یہ لطائف قلب وروح وسر و خفی واخفی ہیں۔ لطائفِ عالمِ خلق نفس اور اربعہ عناصر ہیں، جن کی اصل لطائفِ عالمِ امر کی اصل ہے۔ جملہ لطائف مختلف انوار سے منور اور مختلف اولعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہیں۔ (صفحہ ۲۹۹)

Marfat.com

سالک کا خودی سے منقطع ہو کر خدا سے وصال ہونا

لوائح۔ لوامع۔ طوالع۔ بوادہ۔ ہجوم :- یہ وہ حالتیں ہیں جو دورانِ مجاہدہ میں مبتدیوں کے قلب پر وارد ہوتی ہیں، وہ لوگ کبھی تجلی میں ہوتے ہیں، کبھی استتار میں آجاتے ہیں۔

جب سالکوں کے قلب پر حظوظِ نفسانی کے بادل چھا جاتے ہیں اور تاریکی پیدا کر دیتے ہیں تو رحمتِ الٰہی سے فوراً کشف کے لوائح ان پر جلوہ ریز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے استتار کی حالت میں لوائح کی اچانک جلوہ گری کے منتظر ٹھہرتے۔ لوامع میں ٹھیراؤ، بہ نسبت لوائح کے کسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ اور کبھی دو دو تین تین لمحہ تک بھی قائم رہتے ہیں۔ گویا لوائح سے بڑھی ہوئی منزل کی تجلیات ہیں۔ لوامع چمکنے کے ساتھ ہی اپنی تابش سے بندہ کو خودی سے منقطع کر کے خدا کے ساتھ جمع کر دیتے ہیں اور ان کی روشنی پورے طور پر پھیلنے بھی نہیں پاتی کہ زوال شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اثر کسی قدر بعد تک قائم رہتا ہے۔ طوالع میں دیر پائی اور قوت تاثیر لوامع سے بھی زائد ہوتی ہے۔ غفلت کی تاریکی کو یہ بہت جلد دور کر دیتے ہیں۔ تجلیاتِ اسماء الٰہی کی یہ پہلی قسط ہیں جن سے بندہ کا باطن صفاتِ الٰہی سے متصف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے ان کا درجہ کچھ زیادہ اونچا نہیں۔ یہ ہمیشہ قائم نہیں رہتے اور ان کے زوال کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

بوادہ بھی ایک کیفیت ہے جو غیب سے قلب پر اچانک وارد ہوتی ہے۔ اس کا ذریعہ کبھی رنج بن جاتا ہے کبھی خوشی۔

ہجوم وہ کیفیت ہے جو بلا کسی آورد کے قوتِ شدید کے ساتھ طاری ہو اور بندہ کو محو کر دے۔

بعض مردانِ خدا ایسے بھی ہیں جو ان کیفیات اور ان قوتوں سے بالاتر ہیں اور ان کے ورود سے متغیر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے وقت کے سردار ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۳۰۰)

نفس کی خصوصیات اور اس کے آلات

ابلیس نفس کی جہت جلالی و گمراہی کا مظہر ہے اور اسے انسان پر نفس ہی کے وسلیہ سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں۔ ابلیس نے نفسِ طبیعیہ پر قابو پاکر عاداتِ حیوانیہ کی دنیا میں دل کی شہوانی آگ سے نکاح کیا تو شیاطین الانس والجن پیدا ہوئے اور بہ نسبت شیاطین جن کے شیاطینِ انس زیادہ قوی اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔

ابلیس کے وجود میں ننانوے (۹۹) مظاہر ہیں، ساتھ بے شمار تنوعات کے۔ ان میں سے سات مظاہر بطور اصل کے ہیں بمقابلہ ہفت امہاتِ اسمائے الٰہی کے اور اس میں بھی اہلِ بصیرت کے لئے ایک عجیب نکتہ ہے۔ وہ سات مظاہر حسبِ ذیل ہیں۔

دنیا و مافیہا :- اس میں ابلیس کفار و مشرکین پر ظاہر ہوتا ہے۔

طبیعت و شہوات و لذات :- اس میں وہ مسلمانوں پر ظاہر ہوتا ہے۔

عُجب :- اس میں وہ نیک لوگوں پر ظاہر ہوتا ہے، انہیں اپنے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں، کسی کی نصیحت ان پر کارگر نہیں ہوتی ان کے اعمال نیک ہوتے ہیں تو ان اعمال کی عظمت کے وہم میں ان میں تخفیف شروع ہو جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ بد خلقی، بدگمانی، غیبت اور فسق و فجور میں وہ لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ریا :- اس میں وہ عابدوں اور زاہدوں پر ظاہر ہوتا ہے، ان کے دل میں یہ ڈلتا ہے کہ تیرے اعمال اچھے ہیں۔ انہیں لوگوں پر ظاہر کر، تاکہ لوگ تیرے معتقد بنیں اور تیری پیروی کر کے ہدایت پاویں۔" رفتہ رفتہ ان کی نیتوں کو فاسد کر کے انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔

علم :- اس میں وہ علماء پر ظاہر ہوتا ہے۔ علماء پر اسے بمقابلہ جہلاء کے بڑی جلدی اور بڑی آسانی سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ابلیس قسم کھاتا ہے کہ ایک جاہل کے مقابلہ میں ہزار قوی الایمان عالموں کا بہکانا اس کے لئے آسان ہے۔

عادات اور طلبِ راحت :- اس میں وہ سچے مریدوں پر ظاہر ہوتا ہے، ان کی

ہمتوں کو شدتِ عبادت میں تھکا ڈالتا ہے تاکہ وہ لوگ اپنے نفس کی طرف واپس آئیں اور طبیعت کی تاریکی میں پھر گرفتار ہو جائیں۔

معارف الٰہیہ :- اس میں وہ صدیقین و اولیاء اللہ و عارفین پر ظاہر ہوتا ہے۔ ابلیس ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر موت کے وقت تک ظاہر ہوتا رہتا ہے اور اعتقادات و تجلیات و فہم میں التباس کرتا رہتا ہے۔ مقربین اس کی مکاریوں کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے اثر سے بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ جب اس کا مکر پہچان لیتے ہیں تو یہ شناخت ان کی مزید ترقی کا باعث ہوتی ہے۔

ابلیس کے پاس گمراہ کرنے کے حسبِ ذیل آلات ہوتے ہیں :-

غفلت :- یہ اس کی تلوار ہے۔

شہوت :- یہ اس کا تیر ہے۔

ریاست :- یہ اس کا قلعہ ہے۔

جہل :- یہ اس کی سواری ہے۔

لہو و لعب۔ شرابیں اور فضول قصے کہانیاں :- یہ اس کے ہتھیار ہیں۔

عورتیں :- یہ اس کا گروہ ہیں جن سے زیادہ زبردست ہتھیار اس کے قبضہ میں اور کوئی نہیں۔

پھر اس کے حملہ کرنے کے خاص خاص موسم اور خاص خاص اوقات بھی ہیں جن میں اس کی مصروفیت بڑھ جاتی ہے اور اسے کامیابیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے رات ہے اور غصہ کا وقت ہے اور تہمت کا وقت ہے۔ اور جھگڑے کا وقت ہے۔ (صفحہ ۳۲۵ سے ۳۲۶)

Marfat.com

راہ سلوک کے مدارج اور اہل سلوک کے حالات و واردات میں ان کی رہنمائی

حضرت پیر صبغۃ اللہ عرف پیر ایرانی شاہ کے ارشادات کو ان کے خلیفہ حضرت حسن علی صاحب ہمیرانی نے مرتب کیا ہے۔ جو "تعلیمات مصطفائی" کے نام سے زیر ترتیب ہے۔ موصوف نے مواد کی تصحیح اور نظر ثانی کے لئے مسودہ مجھے دیا، جو طباعت کے آخری مرحلے میں ہے؛ یہ انتخاب اسی زیر ترتیب کتاب سے ماخوذ ہے۔

استعداد کی علامت متوجہ رہنا

فیض استعداد کی بنا پر ملتا ہے۔ استعداد کو بڑھانا چاہئے۔ جسے استعداد دی جاتی ہے وہ متوجہ رہتا ہے اور فیض الٰہی کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ استعداد کی علامت بے قرار ہونا ہے۔

اللہ سے حسن ظن رکھنا

معارف رفتہ رفتہ بڑھتے ہیں۔ ذکر و فکر کرتے رہو، چاہے اپنی حالتِ ارتقا کا علم ہو یا نہ ہو، بدگمان نہ ہو، اللہ بندہ سے اس کے حسن ظن کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ تم

Marfat.com

بھی اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھو۔

نفس کو آخری سانس تک رگڑتے رہنا

نفس کو آخری سانس تک رگڑتے رہو، اگرچہ آخر میں مجاہدہ و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی۔

سلوک میں حساب کتاب نہیں چلتا

یہاں حساب کتاب رکھنے اور کھاتے کی فکر چھوڑ دو، یہاں فضل کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

معرفت کے موتی کا باطن سے نمودار ہونا اور اس کے اثرات

موتی سیپ کے اندر تیار ہوتا ہے، اس کے بعد اسے سمندر کی تہہ سے نکالا جاتا ہے۔ جب معرفت کا موتی تمہارے باطن کی گہرائیوں میں تیار ہو جائے گا تو اس کے طالب از خود تمہارے پاس آئیں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری زبان سے حکمت کے موتی ظاہر ہونے لگیں تو باطن کے سمندر کو موتیوں سے بھر دو، ایک ہی قطرہ کو اندر لے جاؤ۔ جب تک وہ پک نہ جائے، تب تک اسے باہر نہ لاؤ، یعنی ظاہر نہ کرو۔

تزکیہ سے حقیقت اشیاء کے فہم کی صلاحیت کا ابھرنا

جب تزکیہ ہو جاتا ہے تو فرد میں حقیقت اشیاء کے فہم کی صلاحیت ابھر آتی ہے۔ اس کے بعد اسے حکمت اور دانائی سے حصہ عطا کیا جاتا ہے۔ حکیم یعنی وہ شخص جو اشیاء کی تہہ تک پہنچ کر ان کی حقیقت کے فہم سے بہرہ ور ہو جاتا ہے اسے حق اور باطل دونوں کا ادراک اس کی اصل صورت میں ہو جاتا ہے، اس کی اس صلاحیت اور تمیز میں فرق نہیں آتا۔ نبوت کے بعد حکمت ہی کا درجہ ہے۔

Marfat.com

موت کے بعد سالک کے ساتھ تین چیزوں کا باقی رہنا

موت کے بعد سالک کے ساتھ تین چیزیں باقی رہتی ہیں۔ ایک دل کا دنیائی آلودگیوں سے پاک و صاف ہونا۔ دوم اللہ کے ذکر سے الفت کا ہونا۔ سوم محبت خداوندی۔

پڑھندو پئی ویو، کوڑین للک قرآن،

لکی لوك نه سگھیو، پانی اندر پان

قلب کی طہارت و پاکیزگی شہوات دنیا سے ترک کے بغیر نہیں ہوتی۔ محبت معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور معرفت الٰہی فکر میں مداومت کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔

سالک کا کام

سالک کو چاہئے کہ جسم کو آداب شریعت کا عادی بنائے اور نفس کو آداب طریقت سے معمور رکھے اور تزکیۂ نفس کے ذریعہ قلب کو ماسوٰی اللہ سے پاک کرے اور روح کو انوار الٰہی سے مجلی کرے۔ سر کو توحید الٰہی سے شاداب رکھے، زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد جاری رکھے۔ دل کو توحیدِ معرفت سے منور کرے، یہی استقامت ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

سالک کی باطنی مصروفیت کے نتیجہ میں سینہ کا کشادہ ہونا

تصوف کتابی علوم کے بجائے الہامی علوم سے زیادہ رغبت رکھتا ہے۔ صوفیائے کرام کی، مصنفوں کی کتابوں کی طرف رغبت کم ہوتی ہے، وہ اقوال اور علمی استدلال سے بحث کم ہی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سالک کو ابتدا میں زیادہ مجاہدہ کرنا چاہئے اور صفات رزیلہ کے ازالے کے لئے سارے کاموں اور تعلقات سے یکسو ہو کر پوری ہمت

Marfat.com

کے ساتھ ہمہ تن اللہ کی یاد اور ذکر و فکر میں مصروف ہونا چاہئے۔ جب سالک اس کام میں مصروف ہو جائے گا تو اللہ اس کا متولی ہو جائے گا اور اس کی طرف سے اس کے قلب پر ہمایہ رحمت کا نزول ہو گا، اس میں نور کا ظہور ہو گا، اس کا سینہ کشادہ ہو جائے گا۔ نیز اس پر "ملکوت" کی دنیا کا ظہور ہو گا اور قلب سے حجابات دور ہو جائیں گے۔ نیز امور الٰہی کے حقائق اس پر روشن ہوں گے۔ سالک کی تقدیر کے مطابق اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہمت کے مطابق تزکیہ و تصفیہ کے کام میں مصروف ہو اور ہمیشہ رحمت الٰہی سے اس کے انکشافات کا منتظر رہے۔

معرفت اور کثرت ذکر سے سعادت خداوندی کا حاصل ہونا

فرد کی سعادت خدا کی معرفت اور اس کی بندگی سے وابستہ ہے اور فرد کو خدا کی بندگی کی سعادت حاصل نہ ہو گی، مگر معرفت اور کثرت ذکر کے ذریعے اور دل پر ذکر کا غلبہ اس وقت تک حاصل نہ ہو گا، جب تک فرد ہمہ تن عبادت کی حالت میں نہ رہے اور عبادت میں دل کی جمعیت اس وقت حاصل ہو گی، جب غلبۂ شہوت سے فرد کا رشتہ منقطع ہو جائے۔ اس کے لئے گناہوں سے دستبردار ہونا ضروری ہے۔ پس ترک معصیت دل جمعی کا سبب ہے اور طاعت اور بندگی سے دل ذکر سے سرشار ہونے لگتا ہے۔

سیر انفسی کی صورت میں سالک کے لئے حدبندیاں

سالک کی ترقی کے وسائل باہر کم ہوتے ہیں۔ جب کہ اندر میں اس کی ترقی کے لامحدود وسائل موجود ہیں۔ طالب کو چاہئے کہ وہ باہر سے توجہ بالکل منقطع کر لے۔ اندر کی طرف متوجہ ہونے کو سیر انفسی کہتے ہیں۔ جب تک سالک سیر انفسی میں مصروف ہے، تب تک اسے سیر آفاقی نہیں کرنا چاہئے، ہاں! جب خدا کی طرف سے اسے خلق کی اصلاح اور تربیت کے لئے اس کا نزول کیا جائے تو اس وقت اسے یہ

انفسی کے ساتھ ساتھ سیر آفاقی بھی کرنا چاہئے۔ اندر میں غوطہ زنی کرتے رہو، کبھی ایک حالت پر مطمئن نہ ہو۔

مسلسل غوطہ زنی کرتے رہنا

باطن میں غوطہ زنی کرنے سے اگر وہاں سے تمہیں کچھ حاصل ہو یا مشاہدہ وغیرہ ہو تو اس پر قانع نہ ہو، مسلسل غوطہ زنی کرتے رہو۔ چلتے جاؤ، ہر منظر کی نفی کرتے جاؤ، یہاں تک کہ لاتعین کے مقام پر پہنچ جاؤ۔

مرضیٔ مولیٰ کے خلاف قوت کا ضعیف ہو جانا

جب روح مجلی ہو جاتا ہے تو اس میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے اس میں دوسری چیزوں کے عکس نظر آنے لگتے ہیں۔ جب نفس، قلب اور روح بیدار ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کی غفلت ختم ہو جاتی ہے تو مرضیٔ مولیٰ کے برخلاف عمل کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے۔

مادی لذتوں کی عادت سے نفس کی روحانی لذتوں سے عدم آمادگی

جسم کو اتنا آرام نہ دو کہ وہ سرکش ہو جائے۔ اسے اتنا آرام دو اور کھلاؤ پلاؤ، جس سے اس کی صحت اور بنیادی توانائی قائم رہے۔ اگر نفس مادی لذتوں کا عادی ہو جائے گا تو وہ روحانی لذتوں کے لئے تیار نہ ہو سکے گا۔

ذکر و فکر سے معمولی غفلت بھی نفس کے حملہ آور ہونے کا سبب بنتی ہے

حدیث نفس یعنی نفس کے وسوسے اس وقت شروع ہوتے ہیں، جب سالک بے کار بیٹھا ہوتا ہے اور ذکر و فکر سے غافل رہتا ہے۔ ذکر و فکر سے ذرا سی غفلت ہو تو حدیث نفس شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر تم ذکر و فکر میں مصروف ہو اور نفس کو حملہ

Marfat.com

آور ہونے کا موقعہ نہ دو تو نفس کے وسوسے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ حدیث نفس غفلت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس سے فرد رفتہ رفتہ خطرناک حد تک پہنچ جاتا ہے (یعنی گناہوں کی دلدل میں پھنسنے کے اعتبار سے)۔

باطنی پاکیزگی کے بغیر طریقت کی سیر ممکن نہیں

جس طرح نماز کے لئے ظاہر کو پاک رکھنا ہوتا ہے، اسی طرح طریقت میں باطن کو پاک کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر باطنی سیر نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی ذات پاک ہے، وہ ناپاک جگہ پر اپنی تجلی نہیں فرماتے۔

نفسی قوت کی وجہ سے عقل و فہم کی لطافت سے بے بہرہ ہونا

جب انسانی نفس بشریت و حیوانیت کے مقتضاؤں اور خواہشات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس سے باطن میں کدورت پھیلتی ہے اور انسانی عقل و فہم لطائف باطنی (امری) کے ادراک سے قاصر ہو جاتا ہے۔

لطائف پر ذکر سے انسانی جسم میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں ایک خاص بات کا ظہور ہوتا ہے، جس سے دوسرے لوگ محروم ہوتے ہیں۔ نیز اس پر معارف و اسرار الہام ہوتے ہیں۔

خیال اگر دل کی طرف مستغرق ہو اور دل ذکر الٰہی میں مصروف ہو تو نفس کو شرارت کا ہرگز موقعہ نہیں ملتا۔ اگر نفس شرارت کرے تو اس طرح کی صورتحال میں اللہ کی طرف رجوع ہو، عاجزی سے گڑگڑاتے رہو۔

جذب کا ملکہ خلق سے منقطع ہونے کا سبب بنتا ہے

جب اللہ تعالیٰ کسی کو جذب کا ملکہ عطا فرماتا ہے تو اس کے نتیجے کے طور پر ہوتا یہ ہے کہ سالک سب سے منقطع ہو جاتا ہے، اس کی ساری توجہ اللہ کی طرف مرکوز

Marfat.com

ہو جاتی ہے۔ اب اس میں ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض سالکین جذب کی حالت میں عام لوگوں کی طرف دماغی توازن کو پوری طرح قائم رکھے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے کام کاج پوری طرح ہوتے رہتے ہیں، لیکن لوگ ان کے جذب کے سفر کو نہیں سمجھ پاتے، ان کی نظر میں وہ ان جیسا ایک فرد ہے۔

بعض سالکوں سے جذب کی حالت میں ایسی حرکات و سکنات و کلمات صادر ہونے لگتے ہیں، جس سے لوگ انہیں فاترالعقل سمجھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ جذب کی اس حالت میں وہ اس مقام اور اس سطح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

سلوک سے پہلے جذب نعمۃ عظمیٰ ہے

اب جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو سلوک سے پہلے اپنی طرف کھینچ لے اور دوسری مخلوقات سے اس کی توجہ ہٹا کر اپنی طرف مرتکز کرلے تو یہ نعمت عظمیٰ ہے کیونکہ جذب کی ایک ساعت مہینوں بلکہ سالوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس لئے سلوک سے پہلے جذب کی حالت افضل ہے۔

جذب فیضان خاص ہے، جب کہ سلوک اختیاری بات ہے

باقی ولایت کا تعلق جذب سے نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق فناوبقا سے ہے۔ جس کو فنا وبقا کا مقام حاصل ہو گیا وہ ولایت کے پہلے درجے میں داخل ہوا، اس کے بعد ولایت کے مختلف درجات ہیں۔ جو ترقی کر کے حاصل ہو سکتے ہیں، سلوک سالک کے اختیار کی بات ہے۔ جب کہ جذب کی حالت اور جذب کا ملکہ یہ اللہ کے خاص فضل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے، جب سلوک اور جذب کی دونوں منزلیں طے ہوئیں تو سالک ہادیٔ کامل بن جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسروں کی ہدایت کے کام پر متعین ہوتا ہے۔

سالک و مرشد پر قبض وبسط کی حالت کا طاری ہونا

کبھی سالک اور مرشد دونوں کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان پر قبض کی حالت

طاری ہو جاتی ہے۔ جس سے دل مراقبے، ذکر و فکر اور عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ ذکر و فکر کے لئے کوشش بھی کرتا ہے۔ لیکن ادھر سے ورود کا باب وا نہیں ہوتا۔ لیکن کبھی سالک اور مرشد دونوں پر بسط کا غلبہ ہوتا ہے۔ جس سے دل، ذکر و فکر اور مراقبے کے لئے از خود راغب ہوتا ہے اور اس کے لئے نیا ولولہ اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور لطف کی نئی کیفیات ابھرتی ہیں، قبض و بسط کی یہ دونوں حالتیں عارضی ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ کو بھی ان دونوں حالتوں سے سابقہ پیش آتا تھا۔

جسم کی حیات نو کا ذریعہ قلب بنتا ہے

روح اپنے کمالات، قلب کے ذریعے جسم تک پہنچتا ہے۔ قلب ہی جسم کی حیات نو کا ذریعہ بنتا ہے۔ قلب کی تمثیل بجلی کے بلب کے شیشے کی سی ہے۔ بجلی کے بلب کے اندر کی تار روح کی مانند ہے، جو خود روشن بھی ہے تو اس کا نور بلب کے شیشے سے عبور ہو کر آس پاس کو بھی منور کرتا ہے۔

نفس کی اصلاح سے پہلے نوافل سے غرور کا پیدا ہونا

ابتدا میں مرید کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ فرائض و سنن کے علاوہ نفلی عبادات کی طرف راغب نہ ہو، اس لئے کہ اس سے نفس میں غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفس ابھی صحیح راہ پر نہیں آیا، وہ مزکی نہیں ہوا۔

نفس کا طریق واردات

نفس سے جہاد آخری سانس تک جاری رہتا ہے اور اس دشمن سے مقابلے و مجاہدے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ نفس انسان پر کس طرح حملہ آور ہوتا ہے، اس سلسلے میں فرمایا، جس شخص نے نفس کو دبا رکھا ہو، اسے وہ پہلے مرحلے پر کم درجہ کی خواہشات میں مبتلا کرتا ہے، اسے مباح چیزوں سے مشتبہ چیزوں کی طرف لاتا ہے۔

Marfat.com

پھر آہستہ آہستہ حرام راستے پر گامزن کرتا ہے۔ نفس کی مثال عرب بدو اور اس کے اونٹ کی سی ہے، عرب بدو کے اونٹ نے سردی سے بچنے کے لئے خیمہ میں گردن داخل کرنے کی اجازت طلب کرلی۔ اس کے بعد وہ پوری طرح خیمہ میں داخل ہو گیا، نتیجتاً عرب بدو کو خیمہ سے نکلنا پڑا۔ اس لئے کہ خیمہ چھوٹا تھا۔

آہستہ آہستہ جب نفس کی گرفت طاقتور ہو جاتی ہے تو فرد اور اس کی جسمانی توانائی نفس کے مقابلے میں کمزور ہو جاتی ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان دائرۂ انسانیت سے نکل کر حیوان کی طرح شہوت رانی اور حیوانی جذبات سے عبارت بن جاتا ہے۔ پھر حیوانیت سے نکل کر دائرہ انسانیت میں داخل ہونا، اس کے لئے دشوار تر ہو جاتا ہے، اس لئے نفس کی خواہش اور اکساہٹ پر عمل کر کے اسے طاقتور ہونے کا کبھی موقعہ نہیں دینا چاہئے۔ جب تک نفس مغلوب نہیں ہوتا اس وقت تک نفس کے کہنے پر مباح چیزوں کے استعمال سے بھی بچنا چاہئے، اس لئے کہ اس سے نفس کے مقابلے میں جسم کی مدافعانہ قوت کمزور ہو جاتی ہے۔

نفس جب خواہش کی تکمیل کا مطالبہ کرے تو اس کے اس مطالبہ کی تکمیل کی بجائے الٹا اسے سزا دینی چاہئے، اس سلسلے میں ایک بزرگ کا قصہ، جس کے نفس نے حلوہ کا شدید تقاضا کیا، بزرگ نے بیس سال تک نفس کے اس تقاضا کا مقابلہ کیا، بیس سال کے بعد پھر نفس نے حلوہ کی خواہش کی۔

روح کی مثالی اور برزخی صورت

روح کو ایک صورت مثالی حاصل ہے، جو جسم میں آنے سے پہلے ہر انسان کو اپنی مقرر شدہ تقدیر کے مطابق اللہ کی طرف سے حاصل ہے۔ اس کی دوسری صورت برزخی ہے جو نفس کے اعمال کی روشنی میں اسے موت کے بعد ملتی ہے یا اس طرح کہنا زیادہ صحیح ہے کہ برزخی صورت زندگی میں کئے ہوئے اعمال کے نتیجے میں حاصل ہونے والا روحانی عروج یا نزول کا ایک نمونہ ہوتا ہے۔ اگر انسان نفس پر قابو پا کر

عروج حاصل کرتا ہے تو وہ بالآخر تقدیر کے مقرر شدہ انتہائی عروج کے نقطہ تک پہنچ جاتا ہے، چنانچہ موت کے بعد اس کی روح کی برزخی صورت جو مثالی صورت کے متشابہ ہوتی ہے عطا کی جاتی ہے، اس سے روح خوش ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری صورت میں روح کی مثالی صورت بد صورت ہوتی ہے۔ برزخی صورت جتنی خراب ہوگی، روح اتنی اذیت محسوس کرتی ہے۔ لیکن روح کی یہ عدم انبساط کی حالت بذات خود روح پر عذاب نہیں ہے، کیونکہ روح عذاب سے محفوظ ہے۔ روح زندگی میں بھی نفس کو مسلسل ہدایات سے نوازتا تھا، اب اگر نفس نے اس کی ہدایات کو قبول نہ کیا تو اس میں روح کا کوئی قصور نہیں، البتہ روح کو اس طرح کے بدکردار نفس کے ساتھ نسبت سے (موت کے بعد) شدید رنج ہوتا ہے، جس طرح ایک نیک انسان کو خراب پڑوسی کے ملنے سے رنج ہوتا ہے۔

ولی گلاب کے پھول کی طرح خوشبوئے کردار سے متاثر کرتا ہے

ولی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کافر و فاسق سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ جس طرح ایک شخص باغ کے قریب سے گذرے تو وہ گلاب کی خوشبوء محسوس کرتا ہے تو اگرچہ گلاب کے پھول نے اسے اپنی زبان سے اپنے خوشبودار ہونے کا راز نہیں بتایا، لیکن چونکہ گلاب کے پھول کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ خوشبوء کے ذریعہ افراد کو متاثر کرتی ہے، اسی طرح ولی اللہ اپنی زبان سے یہ نہیں کہتا کہ میں ولی ہوں، بلکہ اس کی خوش اخلاقی، کردار و سیرت کی بلندی اور حکمت سے سرشار باتیں ہی اس کے ولی ہونے کی اطلاع دیتی ہیں اور جہاں یہ چیزیں پائی جائیں، وہاں سمجھنا چاہئے کہ یہاں ولایت موجود ہے۔ ولی اللہ کی خوش اخلاقی، حسن کردار اور پاکیزہ اعمال اس کی خوشبوئے ولایت ہے، جس سے اسے شناخت کیا جاتا ہے۔

نفس کی مخالفت سے قوت کا پیدا ہونا

جب سالک عمل صالح بجالاتا ہے تو اس میں ہمت آجاتی ہے، کیونکہ وہ نفس کی

Marfat.com

مخالفت کر کے اسے زیر کر کے صالح اعمال بجالاتا ہے۔ جس طرح ایک پہلوان کئی پہلوانوں کو مات کرتا ہے تو اس کی ہمت بڑھ جاتی ہے، اسی طرح صاحب شجاعت ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے ہر معاملے میں اللہ ہی کو اپنا وکیل سمجھنے لگتا ہے۔ وہ ہر چیز کا نتیجہ اللہ کے سپرد کرتا ہے اور اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ یعنی وہ توکل کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

ذکر سے روشنی کے بٹن کا کھل جانا، غفلت سے روشنی کے بٹن کا بند ہو جانا

سالک کو چاہئے کہ وقت سے فائدہ اٹھا کر ہر لمحہ کو اپنی شخصیت کے روحانی ارتقاء کے لئے استعمال کرے۔ ہر سانس کے ساتھ ذکر کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے باطن میں روشنی کا بٹن کھول دیا گیا ہو، سانس باہر آنے سے گویا یہ بٹن بند ہو گیا ہو، روشنی کے اس بٹن پر ہر سانس کے ساتھ ذکر جاری رکھا جائے، اس سے باطن کی ساری تاریکی ختم ہو گی۔

سالک اپنے عیوب کا متلاشی ہوتا ہے

سالک کو دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اپنے عیوب کی تلاش کرنی چاہئے، جس طرح باغ کا مالی باغ سے گھاس اور غیر ضروری چیزیں جو باغ کی ارتقاء کی راہ میں حائل ہیں، کاٹ کر پھینک دیتا ہے، اسی طرح طالب کو وجدان میں ڈوب کر ایک ایک کر کے اپنے عیوب کو نکال دینا چاہئے، اسے ہر شخص سے حسن ظن رکھنا چاہئے، اگر کسی شخص کو بُرا کہا، لیکن وہ اچھا تھا تو تمہارے لئے بُرا ہوا، لیکن اگر وہ واقعی بُرا ہے تو پھر یہ تو غیبت ہوئی۔

قلب کے تحرک اور پھیلاؤ کا طریق کار

دل حیوانی کے توصل سے دل انسانی پر پوری توجہ اور پاسبانی کرنے سے اگرچہ

Marfat.com

قلب حیوانی اپنی جگہ رہتا ہے، لیکن قلب انسانی میں وسعت پیدا ہونے لگتی ہے۔ ابتدا قلب انسانی قلب حیوانی کے ساتھ متحرک ہوتا ہے، لیکن سیر انفسی کی مشق سے لطائف خمسہ میں بیک وقت پھیل جاتا ہے۔ پھر سارے جسم میں متحرک ہو جاتا ہے۔ یہی ترقی وسعت عناصر تک پھیل جاتی ہے۔ پھر سبع سموات اور عرش اعظم تک پھیل کر کائنات عالم میں جاری و ساری ہو جاتا ہے اور کل مخلوق کو احاطہ کر لیتا ہے۔

بہتر اخلاق سے طمانیت کا ہونا اور اخلاق بد سے اضطرار اور رنج کا ہونا

انسان جب اپنے اخلاق میں صاف ستھرا ہوتا ہے تو اس کے قلب کو اطمینان، خوشی، فراغت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ نیکی اور اس کے ثمرات ہیں، لیکن اگر اخلاق میں صفائی اور پاکیزگی نہ ہو تو قلب کو اضطرار، رنج، بے چینی اور بے اطمینانی حاصل ہوتی ہے، یہ بدی اور اس کے ثمرات ہیں۔

عبادت میں لذت کا مسئلہ

لذت عبادت کے لئے ایک اہم شرط "اکل حلال" کی ہے، جو رزق ہم کھاتے ہیں وہ جسم میں جا کر دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک یہ کہ وہ حصول قوت جسمانی کا ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرے انوار باطنی کو ترقی دینے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

عبادت کے اس نور کا اثر صرف لذت و مسرت ہی کی شکل میں موجود نہیں ہوتا، بلکہ اس نور کا اثر عابد کے ظاہری جسم پر بھی ہوتا ہے، اس کا چہرہ ایسا پاکیزہ، نورانی اور تندرست ہو جاتا ہے کہ دیکھنے والا فرد اسے مرغوب نظر سے دیکھتا اور اس کی عزت کرتا ہے۔ مرنے کے وقت یہی نورانی مسرت و لذت عابد کو موت کی تلخی سے بچاتی ہے اور قبر میں راحت و آرام بن جاتی ہے۔

لطیفۂ نفس میں ذکر کی مشق کے اثرات

نفس ایک کیفیت انسانی کا نام ہے، جو قلب انسانی اور جسم عنصری کے امتزاج

Marfat.com

سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا مقام دماغ ہے۔ اگرچہ بعض بزرگوں نے لطیفۂ نفس کا مقام ناف بتایا ہے۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اور بعد کے صوفیاء نے اپنے انکشاف سے نفس کا مقام دماغ بتایا ہے۔ اس لئے کہ روح کا فیضان جسم انسانی میں اسی نفس کے ذریعہ ہوتا ہے اور نفس کے خادم حواس عشرہ ہیں، انہیں حواس کے ذریعہ نفس جسم انسانی میں افعال کی حرکت کرتا ہے۔

جب ذکر کی مشق لطیفۂ نفس میں کی جاتی ہے اور نفس ذاکر ہو جاتا ہے تو اس کے ماتحت اعصاب حس حرکت بھی ذاکر ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد لطیفہ ناری ہے، پھر لطیفہ بادی ہے، لطیفہ مائی و خاکی ہے، یہ اربعہ عناصر سارے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہیں، جب یہ لطائف ذاکر ہو جاتے ہیں تو لطائف امری اور لطائف خلقی کا ذکر جسم انسانی کے ایک ایک رونئیں کو ذاکر کر دیتا ہے اور ذکر کا ایک شور واقع ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ہماری کچھ کتابوں پر تبصرے

تعلیمات مجدد الف ثانی (مکتوبات کی تلخیص)

مؤلف : محمد موسیٰ بھٹو

زیر تبصرہ کتاب حضرت مجدد الف ثانی" کے مکتوبات کی تلخیص پر مشتمل ہے، مشہور عالم حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے مجدد الف ثانی کے مکتوبات "تجلیات ربانی" کے نام سے دو جلدوں میں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیے تھے، جناب محمد موسیٰ بھٹو نے ان دو جلدوں کی تلخیص زیر نظر کتاب میں کی ہے، حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات میں قرآن و سنت کی روح اور عطر کو جس خوش اسلوبی، حسن بیان، فطری انداز اور مجددانہ شان سے پیش کیا گیا ہے، وہ عقلیات اور سائنسی ترقی کے عروج کے اس دور میں مادہ پرست ذہن کی ساری تشکیک، فکری بے چینی اور روحانی اضطراب کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، ان مکتوبات میں عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت اور معاملات غرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کی گئی ہے، کتاب کی ابتدا میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ کا مقدمہ شامل ہے، جناب محمد موسیٰ بھٹو نے حضرت مجدد الف ثانی کے افکار و نظریات اور طریقہ دعوت کے تعارف پر ابتدا میں ایک مضمون بھی لکھ کر شامل کیا ہے۔ (ماہانہ الفاروق کراچی)

تعلیمات حکیم الامت (حصہ اول)

مصنف : محمد موسیٰ بھٹو

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اللہ جل شانہ نے جو تجدیدی کام لیا، وہ محتاج تعارف نہیں، مختلف موضوعات پر انہوں نے تقریباً گیارہ سو کتابیں تحریر فرمائیں، ہر کتاب اپنے موضوع پر علم، معلومات اور فہم و روحانیت کا ایک خزانہ ہے، قرآن و حدیث اور دوسرے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ انہوں نے تصوف کے شعبے میں جو کام کیا اور سالکین کے روحانی اور باطنی امراض کی نشاندہی، ان کے علاج و تربیت اور ان کی الجھنوں میں دینی رہنمائی اور احیائے دین کی جو خدمات انجام دیں، انہیں دیکھ کر بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس دور کے مجدد ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے رجال کار اور عقید تمند بھی عطا فرمائے تھے، جنہوں نے ان کے ملفوظات، ان کے مواعظ اور ان کے افادات کو آنے والی نسلوں کے لیے لفظ بلفظ محفوظ کیا، جن سے آج تک امت برابر استفادہ کرتی چلی آ رہی ہے، ان کے مواعظ و ملفوظات کی تسہیل و تشریح کا کام بھی اللہ جل شانہ مختلف لوگوں سے لیتے رہے ہیں اور انہیں تسہیل و ترجمانی کی توفیق ملتی رہی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی توفیق خداوندی کی ایک جھلک ہے، جناب محمد موسیٰ صاحب نے بہت

Marfat.com

خوبصورت انداز میں آج کی روزمرہ زبان کی رعایت سے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و تعلیمات کو سہل اسلوب میں پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ہم چونکہ دین کی صحیح تفہیم کے سلسلے میں تقابل و تجزیاتی مطالعہ کر کے ایک طویل دشوار گذار مرحلے سے گذرے ہیں، اس سلسلے میں مولانا (تھانویؒ) کی فکر، جدید و قدیم دور کے بڑے بڑے فضلاء سے زیادہ اہم، متاثر کن، علم و استدلال سے بھرپور نظر آئی، اس لیے مولانا کی فکر کو عام فہم اور آسان انداز میں پیش کرنے کے لیے ہمیں فکر دامن گیر ہوئی، اس سلسلے میں ہماری یہ ابتدائی کوشش ہے، انشاء اللہ اس سلسلے کی مزید جلدیں لائی جائیں گی، زیر نظر کتاب مولانا کے ملفوظات کی دو کتابوں "ملفوظات کمالات اشرفیہ" اور "الافاضات الیومیہ" (دس جلدوں پر مشتمل) کے خلاصے اور انتخاب پر مشتمل ہے، ہم نے ملفوظات کی زبان کو سادہ اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے"۔

کتاب کی ابتدا میں جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے حضرت تھانویؒ کی اسلامی تعلیمات کی تشریح و تفہیم اور اسلوب پر ایک جامع مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ (ماہانہ الفاروق کراچی)

تعلیمات حکیم الامت (حصہ اول)

مصنف: محمد موسیٰ بھٹو

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ معروف عالم، بہت بڑے واعظ و خطیب اور سینکڑوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے زندگی کے ہر پہلو پر لکھا ہے۔ آپ کا بہت بڑا کارنامہ آپ کے وہ مواعظ و ملفوظات ہیں جو آپ نے نہایت آسان زبان میں خداداد صلاحیت کے ساتھ عوام الناس تک پہنچائے ہیں۔ ان مواعظ و ملفوظات میں جہاں عام لوگوں کیلئے راہ نمائی کا سامان موجود ہے، وہاں اہل علم و دانش بھی ان سے یکساں مستفید ہوتے ہیں۔ چھوٹی مثالوں کے ساتھ بڑے بڑے مسائل سمجھانا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ جناب محمد موسیٰ بھٹو نے بڑی کاوش کے ساتھ حکیم الامت کے مختلف ملفوظات سے اقتباسات اکٹھے کر کے انہیں اس کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ مرتب نے ان اقتباسات کو نہایت سلیقے کے ساتھ ترتیب دے کر قاری کے لئے استفادہ آسان تر بنا دیا ہے۔ اکثر اقتباسات آب زر سے لکھنے اور ذہن میں محفوظ رکھنے کے قابل ہیں۔ اگر اس کتاب کو نورانی کرنیں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ عام قاری قدم قدم پر دلپذیر پند و نصائح سے اپنے قلب و ذہن کو منور کرتا ہے۔ چونکہ انداز نہایت مؤثر اور دلائل انتہائی مضبوط ہیں، اس لئے نصیحت دل میں اترتی جاتی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں دنیا کو دھوکے کا سامان کہا گیا ہے، اس بات کو مولانا کس انداز میں سمجھاتے ہیں۔

"دنیا کی مثال ایسی ہے، جیسے کوڑے پر سبزہ جما ہوا ہو، جسے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ ایک چمن ہے اور اس کے ظاہری رنگ و روپ کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جائے اور جب وہاں پہنچے تو گندگی بھری

Marfat.com

ہوئی نظر آئے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ اس کا ظاہر تو بہت بھلا ہوتا ہے، مگر اس کے اندر نجاست بھری ہوئی ہے۔۔۔۔"

کتاب حکمت و مواعظت کا خزانہ ہے۔ اس کا مطالعہ کسی صورت رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ اخلاق و کردار پر نہایت اچھے اثرات مرتب کرے گا۔" (ماہانہ "حکمت قرآن" لاہور)

جدید سندھ کے دانشور اور عالم

مصنف: محمد موسیٰ بھٹو

جناب محمد موسیٰ بھٹو سندھ کے ممتاز اہل قلم میں سے ہیں۔ انہوں نے اردو اور سندھی زبان میں اسلام کے فکری و دعوتی نقطۂ نظر سے لائق مطالعہ کتابیں مرتب کی ہیں اور بعض اہل قلم کی اردو کتابوں کو سندھی زبان میں پیش کر کے مفید خدمت انجام دی ہے۔ "بیداری" کے نام سے ایک سندھی ماہنامہ نکال رہے ہیں۔ ان کی فکر متوازن اور معقولیت پسندانہ ہے۔ افراط و تفریط کے ماحول میں ایسی کتابوں کی افادی قدر و قیمت کو یقیناً محسوس کیا جائے گا، جو اسلام کے صحیح اور مضبوط فکری موقف کی جانب رہنمائی کرتی ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مصنف نے سرزمین سندھ کی ایسی ۵۶ شخصیات کے تعارفی خاکے پیش کیے ہیں، جن کا تعلق مختلف تحریکوں کے نمائندہ افراد، علماء و مشائخ، اہل قلم اور اصحاب فکر و نظر سے ہے۔ مذکورہ اصحاب نے اپنے اپنے دائرے میں دعوتی، علمی و تحقیقی اور سماجی و سیاسی پہلو سے خدمات انجام دی ہیں۔ ان خاکوں میں شخصیات کا مختصر اور اجمالی تعارف پیش کرتے ہوئے مصنف نے بصیرت افروز تنقیدی شعور سے کام لیا ہے اور محاسن کے فیاضانہ اعتراف کے ساتھ ساتھ کمزور پہلوؤں کی نشان دہی بھی بے لاگ طریقے سے کی ہے۔ انداز تحریر شگفتہ اور دل نشیں ہے۔

ہر تعارفی خاکے کے آخر میں وہ خطوط بھی شامل ہیں، جو ان شخصیتوں کی جانب سے مصنف کو تحریر کیے گئے۔ اس سے کتاب کی افادی حیثیت بڑھ گئی ہے۔ اصل کتاب سندھی زبان میں لکھی گئی تھی۔ مصنف نے اسے اردو قالب میں ڈھال کر اردو کے قارئین کو ایک مفید کام سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔

کتاب پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کے دل میں احیائے اسلام کے لیے ایک تڑپ اور مخلصانہ جذبہ موجود ہے اور یہی جذبہ ان کی قلمی کاوشوں اور علمی سرگرمیوں کا اصل محور ہے۔ وہ باب الاسلام سندھ میں علاقائی نیشنلزم، سوشلزم، لادینیت اور مغربیت کے بجائے اسلامی فکر کو فروغ پذیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظر ملت اسلام کے مستقبل اور نئی نسل کی صحیح رہنمائی پر ہے۔ پاکستان اور سندھ کے پس منظر میں لادینی قوتوں کی فتنہ انگیزی کو محسوس کرنے اور اسلامی شعور کو بیدار کرنے میں کتاب یقیناً معاون ہوگی اور مصنف کی مساعی کو قدر کی نظر سے دیکھا جائے گا۔" (ماہانہ ترجمان القرآن۔ لاہور)

Marfat.com

DATA ENTERED

اللہ کی محبت کا نصب العین

عالم اسلام کے دو بڑے فلاسفروں اور ممتاز اولیائے
کرام کے ملفوظات و مکتوبات کی تلخیص

مرتب : محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ بی - لطیف آباد ۴ - حیدر آباد

Marfat.com